مولوی محمد عبدالعزیز صدیقیؒ

تعلیم اور لیاقت حضرت کے فرزند اکبر مولوی محمد عبدالعزیز صدیقی قادری رحمتہ اللہ علیہ تھے ۔ عزیز میاں عُرف تھا ۔ تاریخ ولادت ۱۷/ شوال ۱۳۰۴ھ ہے ۔ اپنے والد سے صرف سولہ (۱۶) سال چھوٹے تھے ۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل فرمائی ۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے اور دونوں امتحانات میں سونے کے تمغے ملے ۔ حضرت نے اپنے سینہ میں جو کچھ تھا ان کے سینہ میں انڈیل دیا تھا ۔ قاری عبدالحق صاحب مکیؒ (موسس مدرسۂ قریہ باب ابراہیم مکہ معظمہ) سے آپ نے فن تجوید حاصل فرمایا اور پورا قرآن سنایا ۔ اور قراءت سبعہ میں امتیازِ خاص حاصل کیا ۔ قاری میر روشن علی صاحب اور قاری کلیم اللہ حسینی صاحب آپ کے ہم درس تھے ۔ مولوی عبدالعزیز صاحب کو فن کے ساتھ ساتھ لحن، قدرت سے عطا ہوا تھا ۔ جب وہ قرآن پڑھتے تو سننے والوں کو بڑی حلاوت ملتی ، غیر معمولی کیفیت طاری ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ اللہ کے پاس سے اس کا کلام اتر رہا ہے ۔ تلاوتِ قرآن اور درود ان کا مشغلہ تھا ۔ مولود برزنجی بہت شوق سے پڑھتے اور قصیدہ بردہ کے اشعار کی ایسی ایسی طرزیں نکالتے کہ سننے والے مست ہوجاتے اور ان میں حضوری کی کیفیت پیدا ہوجاتی ۔

شادی حضرت کے پیر و مرشد خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ سے بیعت تھی ۔ پیر و مرشد کی صاحبزادی سے شادی ہوئی تو ان کی مسرت کی انتہا نہ تھی ۔ چار مہینے کی دلہن بعارضۂ طاعون داغِ مفارقت دے گئیں تو زندگی بے مزہ ہوگئی ۔ بیوی کی مزار پر گھنٹوں جا بیٹھتے ، قرآن ، درود جو ہوسکتا پڑھ کر بخشتے ، آنسو بہاتے اور گھر لوٹتے ۔ پھر دوسری شادی نہیں کی ۔ اس خیال کے تحت کہ پیر و مرشد کے علاوہ کسی اور کا بھی داماد کہلاؤں گا ۔ یہ بات ان کیلئے ناقابلِ برداشت تھی ۔

جامعیت غیر معمولی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ نہایت پاکیزہ سیرت کے مالک تھے ۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ تھے ۔ دنیا سے مستغنی تھے ۔ روحانیت نہایت قوی تھی ۔ بحرِ معرفت میں مستغرق تھے ۔ ترک و تفرید میں یگانہ روزگار تھے ۔

مولوی عبدالعزیز صاحب پر خشیت خداوندی مہینوں طاری رہی ۔ ایک مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب نے ان سے کہا " بھائی یہ دوا کو غذا بنالیں تو کیا ؟ ۔ موصوف نے جواب دیا " رحیم صاحب میاں ! باتیں کرنا آسان ہے خود پر گذری تو معلوم ہو ۔ اچھا چند روز کے لئے کیفیت بدل لیں گے " ۔ اور بات طے ہوگئی ۔ اور عبدالرحیم صاحب پر خشیت خداوندی کی کیفیت گزرنے لگی ۔ چند روز کے بعد مولوی عبدالعزیز صاحب نے کیفیت واپس لے لی اور عبدالرحیم صاحب پر جب اطمینان کی کیفیت آگئی تو عبدالعزیز صاحب نے ان سے فرمایا " دیکھے رحیم صاحب چند روز میں کیا گت بنی ۔ مہینوں سے ایسی سخت کیفیت طاری رہنے کے باوجود میں کس طرح زندہ ہوں " عبدالرحیم صاحب نے جواب دیا " آپ کی کیفیت آپ کو مبارک تھنڈے تھنڈے گذر گئے تو بس ہے " ۔

موصوف کو ورزش کا بیحد شوق تھا ۔ بڑی محنت سے اپنے جسم کو تیار کیا تھا ۔ فنون حرب میں ماہر تھے ۔ جمناسٹک میں مدرسۂ دارالعلوم میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا ۔ جمناسٹک کے کمالات سے سب کو حیران کردیتے اور خوب دادِ تحسین حاصل کرتے ۔ دیگر کھیلوں میں بھی حصہ لیتے تھے ۔

نہایت ذہین تھے ۔ طبیعت میں جدت پسندی اور اختراعی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی ۔ یورپ سے ٹرانسپیرنٹ خوشبودار صابن آتا تھا جس پر صابن کا نام منقش رہتا تھا ۔ بڑی کوشش سے ویسا ہی صابن ٹرانسپیرنٹ تیار کرلیا ۔ اور اس پر صابن کا نام

منقش بنانے میں بھی کامیابی حاصل کرلی ۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں صابن سازی اتنی ترقی نہیں کی تھی ۔

نجاری کے کام میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی ۔ ایک لکڑی کی تسبیح گول دانوں کی اور ایک ناسں کی ڈبیا نہایت محنت سے تیار کرکے اپنے والد کو نذر دی ۔

راگ راگنیوں سے بھی خوب واقف تھے ۔ آواز میں مٹھاس اور درد بلا کا تھا ۔ ان کے لئے مختلف قسم کے ساز بجانا تو کیا حقیقت رکھتا ہے ۔ سیکل کے پہیے کی کاڑیوں کو ایک کاڑی سے ضرب لگا لگا کر آوازوں کا اندازہ کرلیا اور تھوڑی دیر میں ان کاڑیوں پر گت بجا کر سنادی اور سب کو حیران کردیا ۔ ہر حال ہر فن مولا تھے ۔ جس فن کی طرف توجہ کرتے اس میں کمال پیدا کرلیتے ۔

باوجود مسلسل کوشش کے ان کے حسب دلخواہ ملازمت نہ مل سکی تو تنگ آکر فرمایا ، یہ سب سندیں بیکار ہیں ۔ تجوید کی سند رکھ لی اور باقی تمام سندوں میں سے اپنا اور اپنے والد کا نام قینچی سے کتر کر نکال لیا اور تمام سندوں کو پھینک دیا ۔

موصوف جب کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو کرنا شروع کرتے تو بڑے عالمانہ انداز سے اور انتہائی خوش دلی اور خود اعتمادی کے ساتھ اظہار خیال کرتے ۔ اس وقت جو چیز سب سے زیادہ عجیب اور اچھی معلوم ہوتی وہ یہ رہتی کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس خوبی سے واضح کردیتے تھے ایسا معلوم ہوتا جیسے مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں ۔ نازک سے نازک مسئلہ میں بھی نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ان میں یہ کمزوری قطعاً نہ تھی کہ جوابات ایسے ہوں کہ موقع بہ موقع کترا کر نکل جانے کا امکان باقی رہے ۔ کسی مسئلہ پر ان کا محاکمہ بڑے معرکہ کا ہوتا ۔ وہ دوران گفتگو لفاظی سے کام نہ لیتے ۔ صرف مستند دلائل اور حوالے پیش کرتے تھے ۔ کسی مسئلہ میں ان کا فیصلہ اٹل اور قول فیصل ہوتا تھا ۔ شگفتگی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص ان کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا تھا ۔ موصوف کی عربی اور فارسی کا لوہا خود ان کے استاد ان کی طالب علمی کے زمانے میں مانتے تھے ۔ اصل میں وہ اپنے والد کے شاگردِ رشید فرزند اکبر اور صدائے بازگشت تھے ۔ اور حق تو یہ ہے کہ وہ عبدالقدیر ثانی تھے ۔

آپ کو بچوں سے بڑی الفت تھی ان سے اس طور پر وابستہ رہتے جیسے موصوف ان کا کھلونا تھے ۔

شعر وادب کے رنگ و رفتار پر حکیمانہ نظر رکھتے تھے ۔ صفائی اور سلیقہ پسند تھے ۔ کپڑے صاف ستھرے ، قیمتی اور سجل پہنتے تھے ۔ نہایت جامہ زیب تھے ۔ قیمتی سنہرے فریم کی عینک لگاتے تھے ۔ وہ خود اپنی ذات سے ایک انجمن تھے ۔

وفات موت سے کسی کو مفر نہیں ۔ ان کی موت ان کے ہر جاننے والے کیلئے صدمہ عظیم تھی ۔ ان کی ذات سے سب کو بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں ۔ ان کی وفات سے سب کو یہ محسوس ہوا کہ ایک نعمتِ عظمٰی چھین لی گئی ۔ ان کی موت سے خدا جانے خود موت پر کیا گزری ہوگی ۔

بمقام محبوب آباد ، حال باقر نگر نزد عیدگاہِ جدید تالاب میر عالم اپنی بیوی کے پہلو میں مدفون ہیں ۔ موصوف کا شعر ہے ۔

" اثر باقی ہے بعدِ مرگ بھی جوشِ محبت کا

ہمیشہ جھومتا رہتا ہے سبزہ اپنی تربت کا "

ان کے وصال کے بعد حضرت نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ایک نور کا سمندر ہے جس میں وہ تیرتے چلے جارہے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا " ان کو وہاں اونچا درجہ مل گیا ہے " ۔

جو جگہ ان کی وفات سے خالی ہوئی وہ ابھی تک سونی پڑی ہے ۔

مولوی محمد عبدالرحیم صدیقیؒ

حضرت کے دوسرے صاحبزادے مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ رحیم صاحب عرف تھا ۔ حیرتؔ تخلص فرماتے تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۰/ شوال ۱۳۰۸ھ ہے ۔ تمام تر تعلیم والد سے پائی ۔ منشی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کئے ۔ فنِ تجوید کی تعلیم ، قرآن کی روایات اور صحاح ستہ کی مکمل روایت بھی والد ہی سے حاصل فرمائی ۔

جوانی میں برادر معظم مولوی عبدالعزیز صدیقی صاحبؒ کے ساتھ خوب ورزش کرتے کشتی ، پنجہ کشی اور بنوٹ کے خوب مقابلے چلتے کشتی اور بنوٹ دونوں بھائیوں نے والد سے سیکھی تھی ۔ موصوف اکھاڑے کو بھی تشریف لےجاتے تھے ۔ بہترین پیراک تھے کھڑی اچھی لگاتے تھے ۔ پیراکی کے کرتب نہایت صفائی سے دکھاتے ۔ پیراکی کے کمالات میں اپنے شاگرد بھی پیدا کئے تھے ۔ سلک اور دم باعثِ حیرت تھے ۔ نو عمری میں جمنا سٹک کے کمالات سے سب کو حیران کردیتے تھے ۔

لیاقت اور ملازمت | آپ کا ابتدائی تقرر بحیثیت مدرس یلندو کے مدرسہ پر ہوا ۔ پھر وہاں سے مدرسہ فوقانیہ میدک پر تبادلہ عمل میں آیا ۔ وظیفہ حسن خدمت حاصل کرنے تک بحیثیت مدرس اردو ، فارسی اور دینیات آپ وہیں کارگذار رہے ۔ آپ کی زندگی انتہائی سادہ تھی ۔ آپ میں فرض منصبی کا غیر معمولی احساس تھا ۔ عربی ، فارسی ، اور اردو تینوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی ۔ مذاقِ شاعری بہت بلند تھا ۔ فنی تجربہ رکھتے تھے ۔ وہ اشعار ایسے لکھتے تھے کہ پڑھنے والوں کو خود شخصیت سے ربط پیدا کرنے کو جی چاہے ۔ آپ نے اپنے تلامذہ میں علمی طلب پیدا کی ۔ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اپنے گھر پر بھی وقت دیتے تھے ۔ آپ نے ان میں تحمل ، بردباری پاکیزہ سیرت پیدا کرنے کی کوشش کی ان میں خدمت گذاری کا جذبہ اور خود اعتمادی پیدا کی جو انسان کی سیرت کا بڑا گراں قدر پہلو ہے ۔ ان کو صحیح سوچنا پھر اس کے مطابق لکھنا سکھایا ۔ آپ نے ان کو ایسی ایسی باتیں بتائیں جو ان کے لئے نہ صرف نئے راستے کھول دیتی بلکہ ان راستوں پر گرم رفتار ہونا بھی آسان کردیتی ۔ آپ نے ایسے طلباء پیدا کرنے کی کوشش کی جن پر آئندہ ریاست فخر کرسکے ۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے جن میں اہل قلم ، ادیب ، انشاء پرداز مقرر اور شاعر سب ہی ہیں ۔ خصوصیت سے قابل ذکر حسب ذیل ہیں ۔ جن کے شامل حال آپ کی فاضلانہ رہنمائی رہی ہے ۔

نامور تلامذہ | مخدوم محی الدین (سابق چیرمن کمیونسٹ پارٹی تلنگانہ گروپ) ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ (سابق ریڈر اردو عثمانیہ یونیورسٹی) ڈاکٹر مغنی تبسم (صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی) عبدالرشید قریشی ۔ خواجہ حبیب اللہ ، سلیمان خطیب ، ڈاکٹر ولی الدین (سرجن) خود آپ کے فرزند ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی ارمانؔ وغیرہ ۔

آپ میدک میں برسوں رہے اور وہاں کے لوگوں کے لئے علم و معرفت اور خیر و برکت کا سرچشمہ بنے رہے ۔ وہاں کے مسلمانوں کو بےجا رسوم ، توہمات ، کوتاہ نظری ، کوتاہ قلبی اور جہالت کے دلدل سے نکالا ۔ ان میں روشن خیالی پیدا کی ۔ ان کو شرافت ، قابلیت ، دیانت ، محبت و مروت ، اخلاص و للہیت جیسے صفات کی طرف متوجہ کیا ۔ ان کی حتی الامکان تربیت فرمائی ۔ ان کو نہ صرف انسان بنایا بلکہ مسلمان بنایا ۔

آپ کا نام بڑی عزت و محبت سے لیا جاتا تھا ۔ آپ کی بزرگی کا دور دور شہرہ تھا ۔ مستقر میدک اور اطراف کے تعلقہ جات کے لوگ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے مرید ہوئے جب آپ شہر حیدر آباد میں سکونت پذیر ہوئے تو یہاں بھی مریدی کا سلسلہ جاری وساری رہا ۔

آپ کے مرید نماز روزے کے سختی سے پابند ہیں ۔ ذاکر شاغل ہیں صاحب نسبت ہیں ۔

منکسر المزاجی | مولوی عبدالعزیز صاحب کے جوانی میں لاولد فوت ہوجانے سے عام طور پر لوگ آپ ہی کو فرزند اکبر خیال کرنے لگے تھے ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب اسم بامسمیٰ تھے ۔ آپ کی طبیعت میں جو فروتنی تھی جو انکسار تھا اس سے آپ کی عظمت اور بزرگی کا اندازہ ہوتا تھا ۔ آپ کی بے داغ زندگی ، خشیت خداوندی ، اخلاق حسنہ ، اخلاص و للہیت کی بناء پر لوگ آپ کو ماں پیٹ کا ولی ماننے پر مجبور تھے ۔ خاندان کے اکابرین تو آپ کو ماں پیٹ کا ولی برملا کہتے تھے ۔ آپ بچپن سے نہایت زیرک زود فہم ، باریک بین اور حساس واقع ہوئے تھے ۔ معاملہ فہمی بھی کچھ کم نہ تھی ۔ فطرتاً نہایت خاموش اور قناعت پسند تھے ۔ آپ کی زندگی میں دین و دنیا متوازن طریقہ سے سموئے ہوئے تھے ۔ آپ کے کردار سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی ۔ اللہ نے آپ کو اچھی صورت اور اچھی سیرت عطا کی تھی ۔ چہرے کی نورانیت اور جاذبیت ناقابل فراموش ہے ۔ حج و زیارت کے موقع پر مدینہ منورہ میں ایک مدنی عرب نے آپ کو دیکھ کر پوچھا تھا کہ ، کیا آپ اصحاب رسول میں سے ہیں " ؟ آپ اپنے والد سے حد درجہ مشابہ تھے ۔ ضعیفی میں تو مشابہت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی ۔ حضرت بحرالعلوم کے وصال کے بعد پیر نجم الدین گیلانیؒ نے اپنی تشریف فرمائی کے موقع پر ایک مقام پر سب کو ملاقات کا جو موقع عنایت فرمایا تھا ، اس اجتماع میں حیدرآباد کے بیشتر علماء و مشائخین بھی موجود تھے ۔ پیر صاحب کی نظر مولوی عبدالرحیم صاحب پر پڑی تو بے چین ہوگئے ۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشائخین کو مخاطب کرکے فرمایا " ذرا دیکھو ! مولانا عبدالقدیر نے کیسا پٹھا تیار کرکے چھوڑا ہے ۔ ان کو قریب بلاؤ " ۔ اور پیر صاحب نے موصوف کی طرف ہاتھ پھیلا دیئے ۔ لوگوں نے دیکھا تو فوراً راستہ بنا دیا ۔ موصوف جب قریب پہنچے تو پیر صاحب نے آپ کے دونوں ہاتھ لے کر سر پر رکھ لئے موصوف نے اپنے ہاتھوں کو روکنا چاہا تو پیر صاحب نے فرمایا " رحیم صاحب میں تم کو حکم دیتا ہوں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا دو ، میرے لئے دعا کرو " ۔ مجبوراً حکم کی تعمیل کرتے بنی ۔ پیر صاحب نے فرمایا " اگر یہ بات میرے علم میں پہلے سے نہ ہوتی کہ مولانا نے وصال فرمایا ہے تو میں آپ کو دیکھ کر مولانا کا دھوکا کھاتا " ۔

حضرت کے پاس ایک جیبی گھڑی تھی وہ حضرت کو بیحد پسند تھی ۔ حضرت نے موصوف سے فرمایا " رحیم صاحب یہ گھڑی مجھے بیحد پسند ہے " اور ان کو عنایت فرمادی ۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ موصوف کی شادی ہوکر چند دن ہوئے تھے ۔ یہ ان کی جوانی کا واقعہ ہے ۔ باوا کی عطا کردہ اور پھر پسندیدہ گھڑی ان کو کیا کچھ نہ محبوب ہوگی ۔ کچھ عرصہ گذرنے پر حضرت کے پیر و مرشد خواجہ میاں صاحب قبلہ کی درگاہ واقع قاضی پورہ انیسویں کی محفل میں شرکت کے خیال سے جانے لگے ۔ چار مینار کے قریب پہنچے تو باطناً حکم ہوا " یہ گھڑی اس فقیر کو دے دو " ۔ دل ہی دل میں جواب دیا " باوا جان کی نئی عطا کردہ گھڑی ہے میں نہیں دیتا " راستہ بھر یہی ہوتا رہا گھڑی اس کو دے دو ، اس کو دے دو ۔ گھڑی بچا کر درگاہ ، محفل میں پہنچے محفل سماع گرم تھی ۔ حکم کی تعمیل نہ کرنے کا تاسف شروع ہوا ۔ ضمیر نے ملامت شروع کی کہ تمہارے دل میں تو گھڑی کی محبت بسی ہے تم کو خدا کی محبت سے کیا واسطہ ایک جذبہ بے اختیار اٹھا دل ہی دل میں اپنے رب سے عرض کیا " اب آگیا تیرے حکم میں ، اب تو جو حکم دے حاضر ہوں " محفل سماع تو برپا تھی ہی موصوف پر سخت کیفیت طاری ہوئی ۔ پھر حکم ہوا " گھڑی نذر کر دو " ۔ فوراً اٹھے تعمیل حکم میں گھڑی نکالی اور اپنے والد کے سامنے بطور نذر پیش کردی ۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے گھڑی لی اور مطابق قاعدہ حضرت یعنی پاشا سجادہ نشین کے سامنے پیش فرمادی ۔ اور گھڑی قوال کو پہنچ گئی ۔ پھر حکم ہوا ٹوپی دے دے ، اتار کر دیدی ۔ شیروانی دیدے ، نذر کردی ۔ کرتا دیدے ۔ اتار کر دے دیا ۔ پاجامہ دیدے ، رومال باندھ کر اس حکم کی بھی تعمیل کردی ۔

اہلِ محفل کو یکساتھ خیال گزرنے لگا کہ اب ان کو خلافت سے سرفرازی ہوتی ہے ۔ حضرت یحیٰی پاشا کو باطناً حکم ہوا ان کو خلافت سے سرفراز کرو انھوں نے باطناً عرض کیا خود ان کے باوا محفل میں موجود ہیں یہ حکم تو ان کو ملنا چاہئیے تھا ۔ استنے میں یحیٰی پاشا نے دیکھا کہ حضرت نے اپنا عمامہ سر سے اتار کر ان کے سامنے پیش کیا ہے اور فرمارہے ہیں " پاشا اپنے ہاتھوں سے پہنا دینا " چنانچہ حضرت یحیٰی پاشا" نے حضرت کے فرمانے پر اپنے ہاتھوں سے موصوف کو پہنا دیا ۔ بعد میں موصوف نے فرمایا " باوا جان کا عمامہ سر پر آتے ہی صرف اتنا تو یاد رہا کہ مجھے باوا جان نے خلافت سے سرفراز فرمایا ہے ۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا ۔ جب ہوش آیا تو خود کو اس طرح دیکھا کہ سر سے پاؤں تک بس خواجہ ہی خواجہ (یعنی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ) ۔ بعد میں حضرت نے فرمایا " رحیم صاحب کی خلافت مستند ہے "۔

خلافت سے سرفراز ہونے سے کچھ پیشتر اللہ کی صمدیت موصوف کے نظر ہوئی تو رات دن یہ خیال شدت اختیار کرگیا کہ میں کیسا بخشا جاؤں گا ۔ خشیت خدا وندی طاری ہوگئ ۔ جینا دوبھر ہوگیا ۔ ایک دن روتے گڑگڑاتے سجدہ میں سر رکھ دیا پھر کچھ خبر نہ رہی ۔ جب ہوش آیا تو اطمینان تھا سکون تھا ۔ اس کیفیت کا حضرت سے تذکرہ ہوا تو فرمایا " رحیم صاحب اللہ کی خشیت میں فنا ہوگئے ۔

حضرت کا ارشاد ہے " کمال یا جلال سے متاثر ہونے کا نام خشیت ہے ۔ جتنا اللہ کو کجھے گا اتنا زیادہ ڈرے گا ۔ ع جس بُت پہ ہم کو ناز ہے وہ بے نیاز ہے ۔ خوف سے توبہ نصیب ہوتی ہے اور خشیت سے قرب "۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " فنا موت کے برابر ہے مگر موت میں حُضور نہیں اور فنا میں حضور ہی حضور ہے ۔ جب سالک اس حد کو پہنچ جائے تو ولی کا نام اسس کے لئے مسلم ہوجاتا ہے ۔ جب تک فنائیت نہ آئے وہ ولی نہیں ہوتا ۔ خواہ یہ فنائیت کی حالت اسے ایک منٹ کیلئے ہی کیوں نہ ہو ۔ فنائیت اگر لمبی ہو تو وہ مجذوب ہوجاتا ہے ۔ جب وہ فنائیت کے بعد ہوش میں آجائے تو اس کا سلوک پورا ہوگیا ۔

مولوی عبدالرحیم صاحب اللہ تعالیٰ سے اکثر دعا کیا کرتے تھے " مفت میں پیدا کیا ۔ مفت میں کھلا پلا رہا ہے ۔ بس مفت ہی میں بخش دے "۔

ایک مرتبہ فرمایا " بڑی بڑی باتوں کی غریب حیرت کو حاجت نہیں ۔ باوا کے وارن پھیرن میں جی گیا تو بس ہے "۔ ہمیشہ دعا کیا کرتے " باوا کے نقشِ قدم پر چلادے ۔ ان کا نقشِ قدم بنادے "۔

ایک مرتبہ آثارِ مبارک کی برآمدی کے موقع پر سرکار دو عالم ؐ کے آثار مبارک کی شیشی حضرت کے ہاتھ میں تھی اور سب کو زیارت کرارہے تھے ۔ نہ معلوم کیا بات ہوئی سینکڑوں کے مجمع میں موصوف پر حضرت خفا ہونے لگے ۔ رحیم پاشا صاحب سامنے کھڑے تھے ۔ سر جھکاتے جاتے ، اپنے کان پکڑتے جاتے ۔ دوسرے دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا " باوا رحیم صاحب کو کل میں سخت سست کہہ دیا ان کو برا معلوم ہوا ہوگا ۔ تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو وہ مجھے معاف کردیں "۔ میں حسب الحکم موصوف کی خدمت میں پہنچا اور حضرت کا پیسام پہنچایا تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور فرمانے لگے " میرا باوا کے سوا ہے کون ؟ میں جیسا بھی ہوں ان کا ہوں ۔ ان کا غصہ بھی میرے سر آنکھوں پر ہے ۔ میرے دل میں ناگواری کا خطرہ تک نہیں گزرتا ۔ باوا کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارک تھے اس لئے آخرت کا خیال کر کے لرز گیا "۔ پھر فرمایا " باوا مجھے معاف کرو فرمائے ، باوا مجھے معاف کرو فرمائے "۔ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ۔ میں نے عرض کیا آپ حضرت کے محبوب ہیں حضرت آپ سے ہرگز ناراض

نہیں ہوسکتے ۔ یہ سن کر فرمایا " دولھے میاں ! باوا کو کیا مجھے بڑے رنگمار ہیں ، بے نیاز ہیں ۔ سابقہ پڑے تو معلوم ہو ۔ حیرت قریب کس شمار میں ہے " ۔

حضرت نے درس میں ارشاد فرمایا تھا " رحیم صاحب میرے پاس سب سے زیادہ اہم ہیں ۔ چنانچہ ناسازی طبیعت کی بناء پر جس دن موصوف مجبوراً حاضر نہیں ہوسکتے تو اس روز حضرت درس ملتوی فرمادیتے ۔ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا " باوا ! میں یہ چاہتا ہوں کہ رحیم صاحب کے پنجہ سے کوئی نکل نہ سکے ۔ معمولی سے معمولی لغزش پر سخت تنبیہ کرتا ہوں ۔ میرے بعد ان کو میرا کام کرنا ہے " ۔ میں نے عرض کیا حضرت یہاں تو ایک زبردست کارخانہ ہے ۔ حضرت نے ناگواری سے فرمایا " کارخانہ ؟ شاہی ہے شاہی " ۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا " میں رحیم صاحب کو بڑوں میں دیکھنا چاہتا ہوں ، مگر ان پر محویت غالب رہتی ہے ۔ مجھے دیکھو میں ہر طرف سے ہوشیار ہوں ان کو ہر وقت ہوشیار کرتا جاتا ہوں " ۔

کبھی حضرت کے سامنے صاحبزادوں اور خلفاء کے تعلق سے اظہار خیال کیا جاتا اور رحیم پاشاہ صاحب کا بھی نام لیا جاتا تو حضرت کو ناگوار گذرتا ۔ فرماتے " رحیم صاحب کو دوسروں کے ساتھ کیوں ملاتے ہو ؟ رحیم صاحب الگ ہیں رحیم صاحب کے جیسا ایک نہیں ہے " ۔

مدرسہ فوقانیہ میک سے وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد جب موصوف مستقلاً شہر میں منتقل ہوگئے تو " جامع مسکن " واقع مچھلی کمان میں قیام پذیر ہوئے ۔ حضرت " مدینہ منزل " واقع کالا ڈیرہ ملک پیٹھ میں تشریف رکھتے تھے ۔ موصوف روزانہ شام میں مچھلی کمان سے ملک پیٹھ اپنے والد کی خدمت میں پیدل تشریف لیجاتے ۔ رات میں ان کی خدمت میں حاضر رہتے ۔ جس طرح بن پڑتا ان کو آرام پہنچاتے ۔ اور بعد نماز فجر صبح کے درس میں جو آپ ہی کی خاطر حضرت نے بطور خاص شروع فرمایا تھا شریک رہ کر گھر لوٹتے ۔ تقریباً پندرہ سولہ سال آپ نے اپنے اس طریقہ عمل کو جاری رکھا ۔ گرمی ہو ، جاڑا ہو ، برسات ہو آپ کے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا ۔ آپ کے اس معمول میں تبدیلی صرف اس وقت ہوتی جب کہ آپ ناسازی طبع کی وجہ سے باہر نکلنے سے معذور ہوتے ۔

حضرت کے وصال سے تقریباً تین ماہ پیشتر رات میں حضرت کو سخت اختلاج ہونے لگا ۔ فرمایا رحیم صاحب کو بلاؤ " اس وقت موصوف دالان میں استراحت فرما رہے تھے ۔ سنتے ہی حاضر خدمت ہوئے ۔ ان سے حضرت نے فرمایا " رحیم صاحب تم میرے بازو لیٹ جاؤ اولاد سے بھی راحت پہنچتی ہے ۔ چنانچہ موصوف تخت پر چڑھ کر اپنے والد کے بازو دیوار کی جانب لیٹ گئے ۔ عبدالرحیم صاحب اپنے والد سے بیس سال چھوٹے تھے ۔ اس وقت حضرت کی عمر شریف کا ترانواں (۹۳) سال ختم ہوکر چند روز ہوئے تھے ۔ اور موصوف کا سن ۷۳ سال تھا ۔ تخت پر دونوں کو بازو بازو لیٹا دیکھا تو بے اختیار حضرت کا یہ شعر پیشِ نظر ہوگیا ۔

ایک صورتیا میں دو دو مورتیا
کون مولا کون بندہ میں کیا جانوں

مجھے تو یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ رحیم پاشا صاحب کو جیسا کہ حضرت نے پیشتر فرمایا تھا بڑوں میں دیکھنے کے خیال سے ان کی حیات کا سامان کر رہے ہیں اور ان کی روح میں وہ طاقتیں بہم پہنچا رہے ہیں کہ آئندہ پڑنے والے بار کی تاب لاسکیں ۔ موصوف کتنی دیر تک اپنے والد سے لگے ہوئے لیٹے رہے ۔ جب حضرت نے ان سے فرمایا " مجھے اب سکون ہوگیا " تب وہ اٹھے اور حضرت کی اس عنایت پر قدم بوسی حاصل کی ۔ اور اپنی جگہ واپس ہوئے ۔

حضرت کی بیانویں (۹۲) سالگرہ کے موقع پر دورانِ سماع برادرم مولوی وقار الدین صدیقی وقارؔ کے اشعار " صندل لگاؤں تجھے اومرے ہریالے بنے " جب قوال نے پڑھنا شروع کیا تو حضرت اپنی گدی پر رحیم پاشا صاحب کو بیٹھنے کا اشارہ فرما کر خود اپنے حجرہ میں تشریف لیجانے کے لئے اٹھے اور خادمین کے سہارے تشریف لے گئے ۔ رحیم پاشا صاحب کو حضرت کی مسند پر رونق افروز دیکھ کر اہل محفل میں دو قسم کے تاثرات پیدا ہوئے ۔ ایک تاثر تو یہ پیدا ہوا کہ حضرت نے اس طرح موصوف کی جانشینی کا اعلان فرمایا ہے ۔ اور دوسرا تاثر ساتھ ہی یہ پیدا ہوا کہ حضرت کے وصال فرما جانے کے بعد ہم سب کا کیا حال ہوگا ۔ بس ایک قیامت برپا ہوگئی اور گریہ گلوگیر ہوگیا ۔ سب نے دیکھا کہ علی پاشا صاحب نذر لے کر برادرِ مکرم کی طرف بڑھ رہے ہیں ۔ ابھی وہ نذر پیش کرنے نہ پائے تھے کہ محی الدین پاشا صاحب نے پیش قدمی کی اور نذر پیش کردی ۔ ساتھ ہی علی پاشا صاحب نے نذر گذرانی ۔ دونوں بھائیوں کے نذر پیش کرنے کے بعد وابستگان نے نذر پیش کرنی شروع کی اور یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا ۔ اسنے میں محفل میں پھر ہل چل پیدا ہوئی ۔ حضرت کی دوبارہ محفل میں رونق افروزی ہوئی ۔ کسی نے رحیم پاشا صاحب سے کہہ دیا کہ حضرت یاد فرمارہے ہیں ۔ وہ مسند سے اٹھے اور حضرت کے قریب پہنچے تو حضرت نے جواب طلب کرنے کے انداز میں ان سے فرمایا " تم گدی سے اٹھے کیوں ؟ میں بٹھا کر گیا تھا " ۔ حضرت گدی پر تشریف فرما ہونے لگے تو میں نے بڑھ کر قوال سے کہا کہ وقارؔ کی نعت " آیا بنا آیا ہریالہ " شروع کر ۔ نعت کے شروع ہوتے ہی رنگ محفل پھر بدل گیا ۔

محفل کے اختتام کے بعد حضرت اپنے حجرہ شریف میں جب تشریف فرما ہوئے تو فرمایا " آج رحیم صاحب کی جانشینی تھی اور سب کا امتحان تھا " ۔ پھر نذروں کی تفصیل سنی ۔ علی پاشا صاحب نے نذر دینے میں جو پہل کی تھی اس پر بیحد خوشی کا اظہار فرمایا ۔

حضرت کے وصال کے بعد زیارت کے موقع پر حضرت کی جانشینی کی تقریب بھی حسب قاعدہ نظام العمل میں شامل تھی ۔ " صدیق گلشن " میں ہزاروں کا مجمع تھا ۔ حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت فقیر پاشا جو حضرت کے بڑے داماد اور مرشد زادے تھے جانشینی کی رسم کی ادائی کے سلسلہ میں بطور خاص مدعو تھے ۔ جب جانشینی کی رسم کی ادائی کا وقت آیا تو حضرت رحیم پاشا صاحب اٹھے اور اندر جاکر کپڑے تبدیل کئے اور اپنے والد کے کپڑے زیب تن کرکے عمامہ اور شاہا طلب فرمایا ۔ بھائیوں نے حاضر ہوکر عرض کیا ۔ " جانشینی کی رسم کی ادائی کے سلسلہ میں حضرت کی گدی کے قریب رکھا گیا ہے " موصوف نے فرمایا " مجھے باوا جان خود بحیثیت جانشین اپنی گدی پر پہلے ہی بٹھا چکے ہیں " ۔ فوراً عمامہ اور شاہا لایا گیا اور خدمت میں پیش کردیا گیا ۔ آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھا اور شاہا پہن کر محفل میں تشریف لائے اور اپنے والد کی مسند پر خود رونق افروز ہوگئے ۔

علی پاشا صاحب نے حضرت کے سارے وابستگان کی جانب سے پراثر تقریر فرمائی اور آخر میں اعترافاً عرض کیا کہ " ہم سب خادم اب آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور وعدہ کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ آپ کے بھی اسی طرح مطیع اور فرماں بردار رہیں گے جس طرح ہم سب حضرت کے مطیع و فرمانبردار رہ چکے ہیں " ۔ اس کے بعد علامتی نذر پیش فرمائی اور جانشین عبدالقدیر کی حضرت فقیر پاشا کے ہاتھوں گل پوشی عمل میں آئی ۔ محفل سماع شروع ہوئی " بر تو ایں محفلِ شاہانہ مبارک باشد " کے اشعار پڑھے جانے لگے ۔ افرادِ خاندان اور اہلِ سلسلہ نے گلپوشی شروع کی اور نذریں پیش کیں ۔ یہ سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا ۔

اختتام محفل پر حضرت فقیر پاشا نے اس بات پر اظہار حیرت فرمایا کہ " رحیم صاحب برسوں اضلاع پر رہے مگر وہ نذر لیتے وقت ہر شخص سے اس کے لائق محبت و شفقت کا اظہار کر رہے تھے اور اس کو حسب حال دعا دے رہے تھے اپنے والد کے مریدوں سے پوری طرح سے

ان کی واقفیت کا مجھے اندازہ ہوا تو خوشی کے ساتھ ساتھ مجھے انتہائی حیرت بھی ہوئی"۔

من تو شدم تو من شدی ایک مرتبہ رحیم صاحب نے درس میں دوسروں کے ساتھ خود بھی حضرت کی تعریف کرنی شروع کی۔ حضرت نے ان سے فرمایا "میں تم کو بار با تاکید کر چکا ہوں کہ تم میری تعریف نہ کیا کرو۔ تمہارا میری تعریف کرنا مجھے پسند نہیں آتا۔ مجھے اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے منہ سے اپنی تعریف آپ کر رہا ہوں"۔ پھر دوسروں سے مخاطب ہوکر فرمایا "میری تعریف بھی کرو تو اعتدال سے کرو۔ تعریف دراصل عطایائے الہٰی کی ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں غلو کو گنجائش نہیں۔ جتنی بھی تعریف کرو کم ہے۔ اور خدا تو وہ ہے جس نے ان کو بھی پیدا کیا اس کی تعریف ہی کیا ہوسکتی ہے"۔ اس کے بعد اپنے سر پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا "پھیلتا جارہا ہوں" پھر فرمایا "سمٹا تو دل عاشق پھیلا تو زمانہ"۔

اوصافِ حمیدہ مولوی عبدالرحیم صاحب کی شخصیت اتنی جامع اور متنوع تھی کہ وہ ہر موضوع اور موقع سے اس خوبی سے عہدہ برا ہوتے کہ ان کی صحبت میں جی لگتا اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ فلاں کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈنا چاہیئے۔ آپ گفتگو مسکرا کر کرتے تھے۔ لہجہ ہمیشہ نرم، پروقار یا شگفتہ ہوتا تھا۔ موصوف کی صحبت سے کوئی اٹھتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ اس نے کوئی اچھی بات سیکھی، یا کوئی نیا حوصلہ اور اچھا جذبہ اس میں پیدا ہوگیا۔ کوئی پریشان و مایوس آیا تو آپ کے یہاں سے بشاش اٹھا۔ رنج یا غم لے کر آیا تو آپ کی باتوں سے اس کا غم غلط ہوگیا۔ ہر شخص محبت و احترام کے جذبات لے کر آتا اور مطمئن و مسرور واپس جاتا۔ جس سے آپ کی طبیعت نہ ملتی کبھی اس کی ہمت ہی نہ ہوتی کہ آپ کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیف قلب نہ کی۔ کسی سے مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ کسی کے علم سے، نہ کسی کی دولت سے، نہ کسی کے اقتدار سے۔

رات بھر بظاہر سوتے نظر آتے مگر جاننے والے ان کے خراٹوں سے خوب سمجھتے تھے کہ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ رات رات بھر ذکرِ الہٰی میں رہتے، حبس دم کرتے جاتے۔ نیند کی اس کمی کو دن کے کسی حصہ میں پورا کرتے نہیں پائے گئے۔ یہ خود بھی کچھ کم خرق عادت نہیں ہے۔ گھنٹوں نماز فجر کے بعد دعاؤں میں مصروف رہتے ایک نشست پر بیٹھے بیٹھے پاؤں شل ہوجاتے۔ مگر اس کا احساس ان کو اس وقت ہوتا جب وہ اٹھنا چاہتے۔ درود کثرت سے پڑھتے تھے۔

حضرت کی جانشینی قسامِ ازل نے روزِ اول سے آپ کے حق میں دی تھی، وہ پوری ہوکر رہی۔ اپنے والد کے ہزارہا مریدین کو سنبھالے رہنا، ہر ایک کو حضرت کے انداز کی محبت دینا اور اسی شفقت سے پیش آنا، حضرت کی مقرر کردہ محافل کو اسی شان سے اپنے انتقال تک جاری رکھنا اور سب کو مرکز پر مجتمع رکھنا واقعتاً آپ کا حصہ تھا۔ گویا آپ کی حیات حضرت کی حیات کا تتمہ تھی۔ آپ کو اپنے والد اور مرشد سے جو عشق تھا وہ نظام و خسرو کی یاد تازہ کرتا تھا۔ آپ کے منقبتی اشعار جو آپ نے اپنے والد کی شان میں لکھے ہیں اس بات پر دلیل روشن ہیں۔

مولوی عبدالرحیم صاحب ہر بات استفناء قلبی کے انداز میں اپنے والد سے پوچھ پوچھ کر کرتے تھے۔ بعض وقت اظہار کردیتے کہ باوا اس طرح فرمائے۔ بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے رجوع کرتے اور حکم حاصل کرکے عمل کرتے۔ بعض وقت بے اختیار اظہار فرمادیتے کہ میں حضور کی طرف متوجہ ہوا تو حضور نے فرمایا "کیا ہے عرب کے بیٹے" اور اس بات پر فخر محسوس کرتے کہ حضور نے مجھے عرب کے بیٹے کہہ کر مخاطب فرمایا۔ آخر زمانہ میں تو ہر بات حضورؐ سے پوچھ پوچھ کر اجازت حاصل کرکے کرتے تھے۔

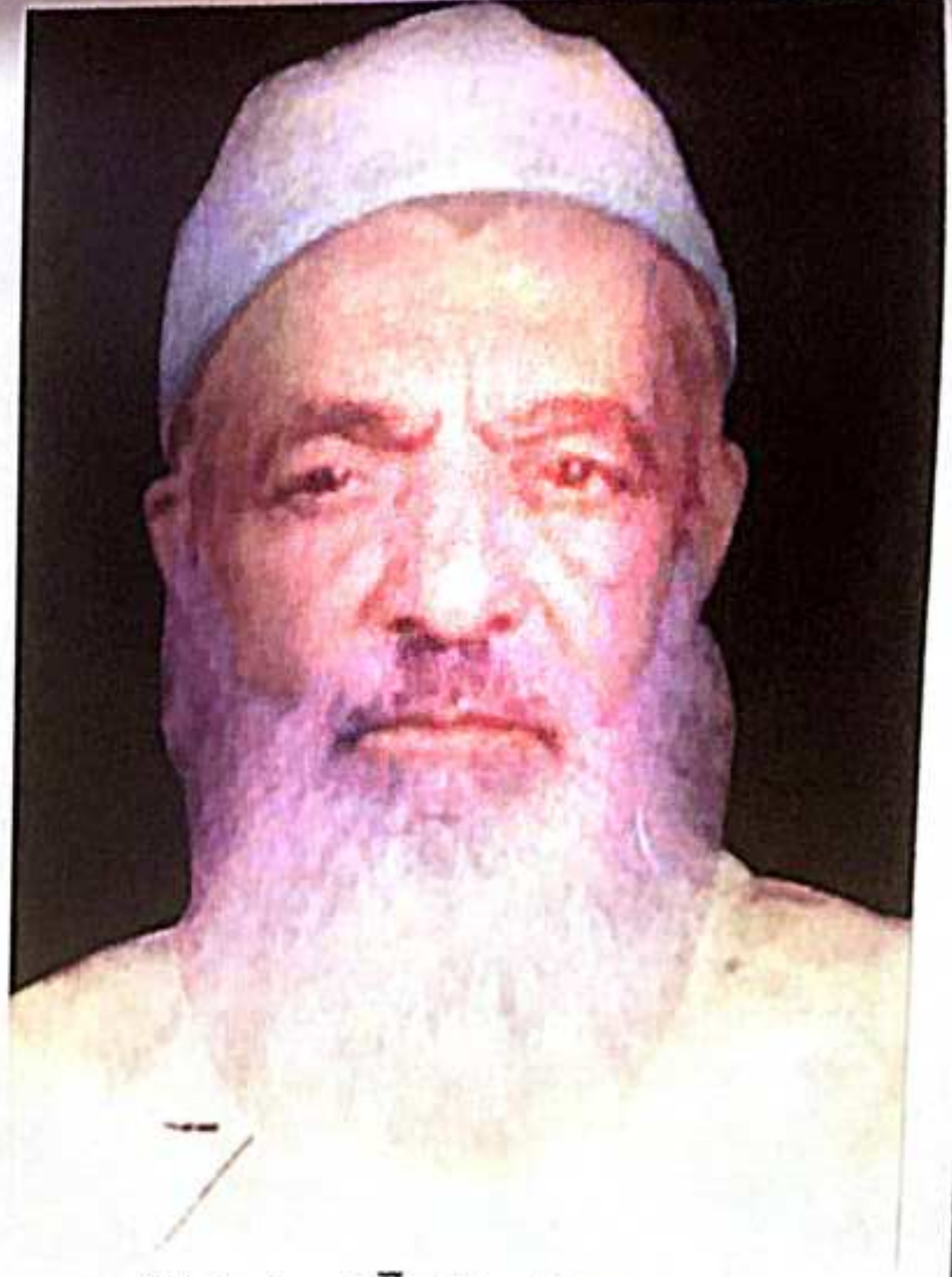

حضرت محمد عبدالرحیم صدیقی حیرتؔ فرزند وخلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ اوّل

حضرت ابوتراب علی صدیقی خاکیؔ فرزند وخلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ دوّم

حضرت ابوالقاسم محمد بادشاہ صدیقی مسلّم فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشین سوم

حضرت حسین شجاع الدین صدیقی عزت فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشین چہارم

حضرت حسن محی الدین صدیقی غیرتؔ
فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ

حضرت ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحر العلومؒ

حضرت غوث محی الدین صدیقی فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ
جانشینِ پنجم

حضرت احمد عبدالشکور صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ

عبداللہ

آپ کی زوجہ محترمہ حیدری بیگم صاحبہ آپ کے ماموں اور حضرت کے عم زاد بھائی مولانا احمد حسین صدیقیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ موصوفہ کا شمار بلا مبالغہ ان خواتین میں تھا جن کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کی خواتین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وفات — آخر عمر میں حضرت عبدالرحیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی صحت گرنے لگی تھی عمر کا تقاضہ تھا۔ اسی (۸۰) سال پورے کرنے چند روز باقی تھے۔ ماہِ صیام شروع ہوا تو گھر والوں کے اصرار کے باوجود روزے رکھنے سے باز نہ آئے۔ طبیعت زیادہ نڈھال ہونے لگی جب بھی روزے نہ چھوڑے پچیس (۲۵) روزے پورے کرنے کے بعد ایک ہاتھ اور ایک پاؤں پر فالج ہوا تو روزے ترک کرنے پر مجبور ہوگئے۔ دوران ماہِ صیام اپنی چھوٹی صاحبزادی کلثوم بیگم سے رازدارانہ انداز میں فرمایا کہ "بیٹے اس سال ہماری دو عیدیں ہیں۔ ایک یہاں کی اور دوسری وہاں کی"۔ چنانچہ عین عیدالفطر کے روز بعمر ۸۰ سال یکم شوال ۱۳۸۸ھ بوقت عصر بال بچوں کو خدا کے حوالے کرکے اپنے والد کے پاس بارگاہِ محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمیشہ کے لئے جا پہنچے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا گویا حضرت نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ بمقام "صدیق گلشن" اپنے والد ماجد کے راست پائین میں مدفون ہوئے۔

آل و اولاد — آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں چھوڑیں۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

(تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی ابوتراب علی صدیقیؒ

حضرت کے تیسرے صاحبزادے مولوی ابوتراب علی صدیقی قادری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ علی پاشا عرف تھا۔ خاکیؔ تخلص فرماتے تھے۔ تاریخ ولادت ۱۰/ شوال ۱۳۲۳ھ ہے۔ بچپن سے نہایت ذہین اور حق گو رہے۔ حضرت کے صاحبزادوں میں کالج میں حضرت کے شاگرد رہنے کا شرف صرف آپ کو حاصل رہا۔ انٹرمیڈیٹ کے دور میں جامعہ ازہر کے علماء کا ایک وفد بغرض معائنہ جامعہ عثمانیہ بھی آیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے انٹرمیڈیٹ میں حضرت کے موصوف ہی واحد شاگرد تھے۔ جامعہ ازہر کے ایک عربی کے پروفیسر حضرت سے اجازت لے کر کلاس میں آئے اس وقت موصوف حضرت سے ترمذی شریف کا درس لے رہے تھے اور عربی متن نہایت روانی کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ معائنہ کنندہ پروفیسر غور سے سننے لگے۔ پڑھنے کی روانی، لہجہ اور صحیح پڑھنے کی بناء پر ان کو گمان ہوا شاید کتاب معرب ہے۔ وہ قریب پہنچے، انہوں نے کتاب کو دیکھا۔ متن پر اعراب لگے ہوئے نہیں تھے۔ وہ متعجب ہوئے اور مسلسل سننے لگے۔ تقریباً آٹھ صفحات سننے کے بعد انہوں نے حضرت سے سوال کیا کہ "کیا یہ بچہ عرب ہے؟ حضرت نے جواب دیا "یہ میرا بچہ ہے" پروفیسر صاحب کی حیرت خوشی میں مبدل ہوگئی اور فرطِ مسرت سے انہوں نے کہا "کیوں نہ ہو آپ کا بچہ ہے"۔

شادی پھر ملازمت — بی۔اے کامیاب کرنے کے بعد آپ کی شادی کردی گئی۔ آپ کو ساتھ ہی ایم۔اے کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ تین بچے ہوجانے تک اپنے والد کے زیرِ پرورش رہے۔ بالآخر آپ نے فطری مناسبت کی بناء پر محکمہ تعلیمات میں ملازمت کے لئے درخواست دے دی۔ چنانچہ آپ کا تقرر ابتداءً منصری پر مریال گوڑہ کے وسطانیہ مدرسہ پر کردیا گیا۔ بعد ازاں محبوب نگر کے وسطانیہ مدرسہ پر مستقل جائداد پر تبادلہ عمل میں آیا۔ ساتھ ہی آپ نے ڈپ ایڈ بھی کرلیا۔ محکمہ کے معائنہ کنندہ افسروں کو آپ کی صلاحیتوں اور انتظامی قابلیت کا اندازہ ہوا تو آپ کو وسطانیہ کی صدر مدرسی دی گئی۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں، محنت اور کارکردگی کی بناء پر آپ نے پانچ وسطانیہ مدرسوں کو یکے بعد دیگرے فوقانیہ تک پہنچایا۔ آپ میں خوبی یہ تھی کہ آپ کو کام کرنا بھی آتا تھا اور کام لینا بھی آتا تھا۔

ملازمت کے دوران حضرت کے توجہ دلانے پر آپ نے ایم اے بھی کرلیا۔ وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہونے سے چند سال پیشتر آپ نے اپنے والد کی کبر سنی اور خدمت گذاری کے جذبہ کے تحت شہر میں تبادلہ کے تعلق سے محکمہ میں درخواست دی۔ چنانچہ آپ کا تبادلہ شہر حیدرآباد کی مشہور و معروف قدیم درسگاہ مدرسہ فوقانیہ دارالعلوم پر بحیثیت مددگار کردیا گیا۔ آپ نے اسی مدرسہ سے وظیفہ حسنِ خدمت حاصل فرمایا۔

روایتِ حدیث حضرت کے دولت خانہ پر صبح کے خصوصی درس میں جو بعد نماز فجر شروع ہوکر تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوتا تھا۔ حضرت نے اس درس میں کئی کتابوں کا سبقاً سبقاً درس بھی دیا تھا۔ اب موصوف کے شہر میں تبادلہ کی بناء پر اپنے کالج کے قدیم شاگرد اور فرزندِ ارجمند جن کے تعلق سے حضرت نے کئی بار فرمایا تھا کہ " اطاعت علی پاشا پر ختم ہوگئی "۔ اب حدیث کے کام کو آئندہ جاری رکھنے کے مدِ نظر صحاح ستہ کی روایت دینے کے خیال سے حدیث کا درس شروع فرمایا۔ موصوف کے طفیل اہلِ درس کو حضرت سے صحاح ستہ کی روایت لینے کی سعادت نصیب ہوئی جن میں یہ خاکسار بھی شامل تھا۔ حضرت کے منشاء کے مطابق اس قحط الرجال کے زمانہ میں حضرت کا حدیث کے سلسلہ کا کام موصوف کے ذریعہ ان کے بالکل فرتیش ہونے تک جاری رہا۔ اور صحاح ستہ کی مکمل سند لینے والوں کی تعداد الحمدللہ کافی حد تک پہنچ چکی تھی۔

موصوف حدیث کے درس کے دوران اپنے تلامذہ کو غلطیوں پر اس طرح ٹوکتے گویا آپ کے سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے۔ دورانِ درس، حدیث کی عبارت دہرادیتے باوجودیکہ آپ حافظ الحدیث نہ تھے۔ اس سے آپ کے حدیث میں غیر معمولی شغف کا اندازہ ہوتا تھا۔ عربی ادب اور قواعد پر کافی عبور تھا۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا حدیث تھا۔ وہ اسی کوشش میں لگے رہتے کہ ان کا ہر عمل حدیث کی متابعت میں رہے۔ فرماتے تھے " حدیث پڑھتے پڑھاتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوں "۔

حضرت کے جانشین اول مولانا عبدالرحیم صدیقی صاحب اپنے دور میں درگاہ کے سارے انتظامات موصوف ہی سے متعلق رکھے تھے۔ حضرت کے اس ارشاد " میری گدی سے چھوٹ کر علی پاشا کی گدی نکلے گی وہ رحیم صاحب کے ماتحت نہیں رہیں گے "۔ مگر موصوف نے برادرِ معظم کی اسی طرح اطاعت فرمائی جس طرح وہ اپنے والد کی اطاعت میں سرگرم رہتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم صاحب کے وصال کے بعد دیگر درگاہوں کے طور طریق اور روایات سے ہٹ کر اکبر اور ارشد کو پیش نظر رکھ کر متفقہ طور پر موصوف کو سجادہ نشینی کے لئے بھائیوں نے نامزد کیا۔ حضرت کا موصوف کے تعلق سے یہ ارشاد " علیا کی سالاری " وہ سب پر مسلسل کھلتا جارہا ہے۔

خدمات وصال سے پیشتر جب کہ آپ کی عمر ۸۵ سال تھی۔ جسم میں پہلے کی سی طاقت نہیں رہی تھی مگر ہمت جوان تھی۔ عزم صمیم رکھتے تھے گو ہر ایک کی سن لیتے تھے۔ مگر کرتے وہی تھے جس کا داعی قلبِ متقاضی ہوتا۔ حضرت نے آپ سے فرمایا تھا " علی پاشا تم ارادہ کرو اللہ پورا کرے گا "۔ چنانچہ " صدیق گلشن " میں وہ سارے تعمیری کام کرڈالے جو لاکھوں کی مالیت رکھتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ وسیع سماع خانہ، زنانہ ہال، کتب خانہ، نیاز خانہ، حضرت کی درگاہ کا نہایت وسیع چبوترہ، درگاہ کے اطراف وسیع اراضی کے احاطہ کی دیوار وغیرہ۔

مولانا عبدالرحیم صدیقی صاحب کے دور میں حضرت کی قائم کردہ گیارہ (۱۱) اور سترہ (۱۷) کی محفلیں گھر پر ہی ہوا کرتی تھیں۔ موصوف نے اپنے دور میں ان محفلوں کو درگاہ میں منتقل فرمادیا۔ نافِ شہر میں نہ ہونے کی بناء پر درگاہ میں لوگوں کا اجتماع دشوار نظر آرہا تھا۔

مگر آپ نے درگاہ پر مرکزیت کو ضروری خیال کیا ۔ الحمد للہ وابستگان کی کثیر تعداد شریکِ محافل ہونے لگی ۔ آپ نے ان کی سہولت کے مدِ نظر محفلوں کے اختتام پر طعام تبرک کا انتظام فرمادیا تھا ۔ جو پچیس سال سے زائد عرصہ سے جاری ہے ۔ اس قسم کے اہتمام میں مداومت آسان نہیں آپ کے پاس سب کی سمائی تھی ۔ کام کرنے والوں کی قدر فرماتے تھے ۔ خود اس خادم کے پاس کی چار سالانہ محفلیں آپ کی سرپرستی میں آپ کے وصال تک درگاہ ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں ۔ موصوف کا انمٹ کارنامہ یہ ہے کہ درگاہ سے متصلہ حضرت کی زائد اراضی کو آپ نے حضرت کی آل و اولاد میں تقسیم فرمادیا ۔ آپ کی بدولت " صدیق گلشن " میں ایک کالونی بن گئی ۔ اور پورا خاندان متحد و متفق حضرت کے زیرِ سایہ آرام و اطمینان کی سانس لے رہا ہے ۔

حسرت اکیڈیمی | حضرت کے تصانیف کی اشاعت کے پیشِ نظر حسرت اکیڈمی قائم فرمائی ۔ اور حضرت کے تصانیف کے نئے ایڈیشن طبع فرمائے ۔

بزمِ حسرت صدیقی | خاندان کے نوجوانوں اور وابستگانِ سلسلہ میں ذوقِ شعر و سخن پیدا کرنے کے خیال سے آپ نے اپنے دولت خانہ پر ہر ماہ مشاعرہ منعقد کرنا شروع کیا تھا جو مولانا عبدالرحیم صاحب جانشین بحرالعلوم کے زیرِ صدارت ہوا کرتا تھا ۔ یہ ماہانہ مشاعرہ جس میں حیدرآباد کے دیگر شعراء بھی مدعو کئے جاتے تھے ۔ چند سال تک بالالتزام جاری رہا ۔ بعد میں حضرت کے عرس کے موقع پر منعقد کیا جانے لگا اور الحمد للہ برسوں سے جاری ہے ۔

آپ کی دیرینہ آرزو یہی تھی کہ اپنے والد اور مرشد کی درگاہ پر گنبد تعمیر کریں اور حضرت کی تفسیر " تفسیر صدیقی " کو جو کراچی پاکستان میں مکمل طبع ہو چکی ہے ، یہاں بھی طبع کرائیں ۔ چنانچہ تفسیر صدیقی کے چند پارے طبع کروائے اور گنبد کا نقشہ منظور کرو اکر کام شروع کروانا چاہتے تھے کہ بیماری نے زور پکڑا اور بسترِ علالت پر دراز ہوگئے ۔

آپ جس محفل میں تشریف لے جاتے محفل میں رونق آجاتی ۔ ہر جگہ صدارت آپ کے قدم چومتی تھی ۔

آپ نے دو حج کئے ۔ آخری مرتبہ کی حاضری کے وقت آپ کو چلنے پھرنے میں زحمت اٹھانی پڑ رہی تھی ۔ متحرک کرسی (ویل چیر) پر مواجہ شریف میں حاضر ہونے کی حکومت کی جانب سے اجازت ملی ۔ چنانچہ آپ نے متحرک کرسی پر مواجہ شریف میں حاضری دی ۔ دراصل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی تھی ۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے حاصل تھی ۔ آپ سے سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ ۸۵ سال ۳ ماہ ۱۹ دن کی عمر پاکر ۲۶ / صفر ۱۴۰۹ھ روز شنبہ بوقت فجر وصال فرمایا ۔

نمازِ جنازہ مکہ مسجد میں ادا کی گئی ۔ جمعہ نہ ہونے کے باوجود نماز ظہر میں مصلیوں سے نمازِ جمعہ کا منظر پیش ہو رہا تھا ۔

ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں اپنے والد کے پائیں میں برادرِ مکرم کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی ۔ جس میں حیدرآباد کے علمائے کرام ، مشائخینِ عظام کی کثیر تعداد شریک تھی ۔

آپ کی زوجہ محترمہ عزیز النساء بیگم صاحبہ حضرت نور الدین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے اور داماد مولانا شاہ عبدالرحیم قیصی القادری کی نواسی اور ڈاکٹر اعتماد الحق صدیقی کی صاحبزادی ہیں ۔ آپ کے چھ فرزند ہیں • ۔ سب شادی شدہ اور برسرِ روزگار ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

• تین صاحبزادوں کا انتقال ہوچکا ہے ۔

مولوی ابوالقاسم محمد صدیقی

حضرت کے چوتھے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم محمد صدیقی صاحب قادری ہیں ۔ محمد پاشا عرف ہے مسلم تخلص فرماتے ہیں ۔

تاریخ ولادت ۱۵ / شعبان ۱۳۲۶ھ ہے ۔

بچپن سے مستقل مزاج اور نہایت مستغنی واقع ہوئے ہیں ۔ موصوف کے بچپن کا ایک واقعہ میری والدہ محترمہ نے بیان فرمایا تھا ۔ گھر میں بچے زیادہ تھے ۔ ناشتہ میں انڈوں کی سہولت کے خیال سے مرغیاں منگوائی گئی تھیں ۔ بچوں کی دلچسپی کی خاطر ہر بچہ کے نام سے ایک ایک مرغی موسوم کردی گئی تھی ۔ ایک مرتبہ شام میں جب مرغیاں بند کی جانے لگیں تو ایک مرغی کم تھی ۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ محمد پاشا کی مرغی غائب ہے ۔ ان سے کہا گیا کہ میاں ! تمہاری مرغی غائب ہے ذرا باہر تلاش کرو ۔ محمد پاشاہ نے کہا ۔ ایک فقیر گھر پر آیا تھا ۔ مجھ سے کہا " اللہ کے نام پر کچھ دو " ۔ میرے پاس تو دینے کے لئے کچھ نہ تھا ۔ اس نے نام اللہ کا لیا تھا مجھے اس کو معاف کرو کہنا پسند نہ آیا ۔ اچانک مجھے اپنی مرغی کا خیال آیا میں نے اس کو پکڑکر فقیر کو دے دیا ۔ وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا ۔ یہ سن کر سب متعجب ہوئے کسی نے ان کو کچھ نہ کہا بلکہ بیحد خوش ہوئے ۔

موصوف کو نوعمری سے ورزش اور سپاہ گری کے کاموں سے فطری طور پر دلچسپی تھی ۔ آپ نے حضرت سے لٹھ ، بنوٹ ، جمبیہ ، تلوار کا کام سیکھا ۔ پیراکی میں بھی کمال پیدا کیا ۔ تالاب میر عالم کے لگاتار کئی کئی چکر لگایا کرتے ۔ سلکتے ہوئے پاؤلوں میں موصوف کا جواب نہ تھا ۔ بجلی کی طرح سلکتے ہوئے اتنی دور تک جاتے کہ حیرانی ہوتی ۔ ان کی سلک دیکھنے میں جتنی آسان نظر آتی عملی طور پر اتنی ہی مشکل تھی ۔ لوگ ان کو سلکتا ہوا دیکھ کر خود بھی کوشش کرتے تو تلوے آلودہ ہوکر زخمی ہوجاتے ۔ موصوف نے تلوار کی پھینک کی اتنی مشق کی کہ روزانہ چار چار گھنٹے تک پھینک کیا کرتے تھے ۔ بنوٹ میں انھوں نے خوب مہارت پیدا کرلی تھی ۔ ۔ حضرت نے ان کے تعلق سے فرمایا تھا ۔ یوں تو بہت لوگوں نے بنوٹ سیکھی مگر محمد پاشانے تو بنوٹ کے مکمل فن کو کتابی صورت دے دی ۔ چنانچہ حضرت نے ان کو بطور بنوٹ خلافت کے اپنے ہاتھ کی نہ صرف لکڑی عنایت فرمائی بلکہ محبوب علی بادشاہ (نظام الملک نواب میر محبوب علی خان آصفجاہ) کے ہاتھ کی سیدھی تلوار جو حضرت کے پاس تھی وہ بھی عنایت فرمادی ۔

حضرت نے موصوف کو کشتی سیکھنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ آپ نے مولا بخش پہلوان سے کشتی سیکھی ۔ نبی بخش پہلوان سے بھی چند روز داؤ پیچ سیکھے تھے ۔

حضرت نے مجمع السلاسل کا ایک شجرہ مرتب فرمایا تھا ۔ موصوف نے برادرِ طریقت رحیم الدین قادری صاحب کی مدد سے نہایت تفصیلی شجرہ تیار کیا اور اس کو طبع کروایا ۔

غیبت سے آپ کی زبان نا آشنا تھی ۔ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل دینے سے احتراز کرتے تھے ۔ مرنجاں مرنج تھے ۔ سب سے ملے کے ملے پھر الگ کے الگ ۔ آپ کا برتاؤ ہر شخص سے نہایت شریفانہ رہا ۔ وہ باتیں جو کردار کو زنگ آلود کردیتی ہیں ان سے آپ کا دامن بےداغ رہا ۔

ملازمت | دوران ملازمت اپنے فرائض نہایت تن دہی اور جانفشانی سے ادا کئے باوجودیکہ آپ میٹرک ٹرینڈ تھے ۔ آپ کو جماعت دہم کی سائنس تفویض کی گئی حالانکہ مدرسہ میں گرانجویٹ اساتذہ موجود تھے ۔ صدر مہتمم تعلیمات کا معائنہ ہوا تو انھوں نے صدر مدرسہ سے

موصوف کو جماعت دہم کی سائنس دینے کی وجہ دریافت کی ۔ صدر مدرسہ نے جواب دیا " میں نے یہ مضمون مدرسہ کے متعلقہ مدرسین میں سب سے بہتر صلاحیت و مضمون سے زیادہ شغف رکھنے والے کو بطور خاص تفویض کیا ہے ۔ آپ ان سے سوالات کیجئے اور طلباء کا بطور خاص معائنہ کرکے اطمینان فرمالیجئے ۔ صدر مہتمم نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ رپورٹ معائنہ میں موصوف کی کارکردگی کی ستائش کی ۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ آپ فوقانیہ نامپلی پر کارگذار تھے ۔

فوقانیہ نامپلی پر کارگذار رہنے کے زمانہ میں امساک باراں کی وجہ سے خلقت پریشان تھی ۔ مسجدوں اور دیگر مقامات پر بارش کے لئے اجتماعی دعائیں کی جارہی تھیں ۔ مندروں میں خصوصی بھجن گائے جارہے تھے ۔ صدر مدرسہ اور مدرسین نے باہم طے کیا کہ یہاں مدرسہ میں طلباء کو زیر سماں مجتمع کرکے بارش کے لئے دعا کرنا چاہئیے ۔ چنانچہ طلباء کو صحن مدرسہ میں جمع کیاگیا ۔ اور صدر مدرسہ نے موصوف سے خواہش کی کہ آپ بارش ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں ہم سب آمین کہتے ہیں ۔ موصوف نے کسر نفسی کا اظہار کیا ۔ جب صدر مدرسہ اور ساتھی مدرسین کا حد سے زیادہ اصرار بڑھا تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دیر تک دعا فرماتے رہے ۔ ختم دعا پر ابھی طلباء کلاسوں میں واپس ہو ہی رہے تھے کہ تقاطر شروع ہوگیا ۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور کافی دیر تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی ۔ اور اس کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے مسلسل دس دن تک چلتا رہا ۔

طلباء میں ستھرا کردار پیدا کرنے کی غرض سے ان کو اس انداز میں نصیحتیں کرتے گویا وہ آپ کے بچے ہیں ۔ طلباء اور ساتھی اساتذہ بلکہ صدر مدرسہ ہر ایک کے پاس خاص احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔

رات دن درود و سلام میں گذرتی تھی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی دعائیں پڑھتے رہتے ۔ مختلف عنوانات پر عربی میں دعائیں جمع فرمائیں ۔ باوجودیکہ آپ کا مضمون اختیاری عربی نہ تھا ۔ آپ نے جو مناجات اور سلام بزبانِ عربی لکھے ہیں اس کو سننے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عشق و محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور آدمی کا خیال خدا و رسول سے وابستہ ہوجاتا ہے ۔ اور آپ کے اس طرح لکھنے پر حیرت بھی ہوتی ہے ۔ سرکار دوعالم سے ربط و محبت کے یہ سارے تماشے ہیں ۔

حضورؐ کی عنایت | ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ و سلم مجھے اپنے ساتھ اپنے حجرہ مبارک میں لے گئے ہیں ۔ جس میں سفید فرش بچھا ہوا ہے درمیان میں نیچے بیٹھ کر کام کرنے کی میز ہے ۔ کمرہ کی دیواروں میں قدیم وضع کے محراب بنے ہوئے ہیں ۔ اور کچھ طغرے بھی لکڑی کی کھونٹیوں پر آویزاں ہیں ۔ اوپری جانب کے لمبے محراب میں سے کاغذوں کا ایک بنڈل حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے نکالا اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا تم اپنا کام کرو اور میز کے پاس تشریف فرما ہوگئے میز کے سیدھے جانب کی طرف میں بھی بیٹھ گیا اور بنڈل کھولنے لگا ۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے طغروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا " یہ محمد پاشا کی محنت کا نتیجہ ہے ۔ محمد پاشا کا شکریہ " ۔

حج و زیارت | آپ نے تین حج کئے ۔ پہلے حج میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کی جاگتے میں اس طرح زیارت ہوئی گویا آپ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ۔ دوسرے حج میں آپ کی والدہ (یعنی حضرت کی چوتھی زوجہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ) جو حج و زیارت کی غرض سے حاضر ہوئی تھیں شدید طور پر علیل ہوگئیں ۔ ان کی خدمت اور تیمارداری کی سعادت خدا کی طرف سے آپ کو نصیب ہوئی ۔ ونیز حج و زیارت میں موصوف کی وجہ سے محترمہ کو بے حد مدد ملی ۔ محترمہ نے موصوف کو خوب دعائیں دیں ۔ تیسرے حج میں آپ کی محویت اور بے خبری دیکھ کر وہاں کے لوگ آپ کو بتا کر کہتے تھے کہ یہ آدمی عاشقِ رسولؐ ہے ۔

موصوف کا بضمن نعت شعر ملاحظہ ہو ۔

مری دیوانگی پر ہنس رہے ہو اہل دنیا تم
قیامت میں دکھا دونگا جو نسبت ہے محمد کی

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی ۔ کھانا پینا بھی سادہ اور لباس بھی سادہ ۔ رہن سہن بھی سادہ ۔ " صدیق گلشن " میں مکان تعمیر کرنے سے پہلے آپ کرائے کے مکان میں ایک عرصہ تک فروکش رہے ۔ آپ جس محلہ میں رہے اہل محلہ آپ کی موجودگی اپنے لئے باعث خیرو برکت سمجھتے تھے ۔ اور کثرت سے مرید ہوتے تھے ۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ آپ سے سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا ۔

مولانا ابو تراب علی صدیقی صاحب جانشین دوم حضرت بحرالعلوم کے وصال فرما جانے کے بعد بھائیوں نے متفقہ طور پر موصوف کو بحیثیت جانشین سوم منتخب کیا ۔

آپ کی زوجہ محترمہ شمس النساء بیگم صاحبہ مولوی ضیاء الدین انصاری صاحب کی صاحبزادی ہیں ۔ تین صاحبزادے • اور چار صاحبزادیاں اس وقت بقیدِ حیات ہیں ۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی حسین شجاع الدین صدیقیؒ

حضرت کے پانچویں صاحبزادے مولوی حسین شجاع الدین صاحب صدیقی قادری ہیں ۔ حسینی پاشا عرف ہے ۔ عزّت تخلص فرماتے تھے ۔ تاریخ ولادت ۶ / شوال ۱۳۲۷ھ ہے ۔ (مولانا ابو القاسم صدیقی کے انتقال پر آپ کو متفقہ طور جانشین تسلیم کیا گیا) ۔

اپنی والدہ کے وفات کے وقت بچوں میں موصوف ہی چونکہ سب سے چھوٹے اور کمسن تھے لہذا ماں کی محبت بھی باپ ہی کو دینی پڑی ۔ بچپن سے والد کا لاڈ و پیار ملنے کی بناء پر موصوف میں والد سے محبت کی جہت ادب پر ہمیشہ غالب رہی ۔ اور حضرت کے وصال تک محبت کا یہی انداز برقرار رہا ۔ بحیثیت مرشد نظر کھلی تو محبت کو مزید تقویت پہنچی ۔ غلامی کی جہت بھی محبوبیت کے رنگ میں اس طرح نمایاں ہوئی ۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہی وجہ تھی کہ موصوف کو اپنے والد کی خدمت کا زیادہ موقع ملا ۔ جب گھر سارا سوتا رہتا حضرت ذکر میں خود اپنے آپ سے بھی بے تعلق رہتے ۔ صرف خراٹوں سے پتہ چلتا کہ اس وقت فلاں صفت سے ذات کی طرف متوجہ ہیں ۔ اس وقت صرف موصوف ہی رات رات بھر والد کی خدمت میں چپی کرتے جاگتے نظر آتے ۔ اسی خدمت کے صلہ میں کہاں کہاں سے نہ معلوم کیا کیا نعمت نصیب ہوئی کہ ایک عرصہ تک آپ پر ایک خاص کیفیت طاری رہی ۔

حضرت عبدالرحیم صاحب کے بعد صاحبزادوں میں سب سے پہلے موصوف ہی کو خلافت سے سرفرازی ہوئی ۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی ۔ موصوف نے اسماء الہٰی کی بے شمار زکوٰتیں دی ہیں ۔ (یعنی کسی اسم کو لاکھ سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا) جس کا سلسلہ تا عمر جاری رہا ۔ تقریباً ۱۵ اسماءِ الہٰیہ کی زکوٰتیں تو ایک ایک کروڑ تک جا پہنچیں ۔ موصوف صاحب کشف بھی ہیں ۔ آپ کے کشف کی صحت کی بعض مرتبہ حضرت نے تصدیق فرمائی ہے ۔ بڑے بڑے اولیاء سے ربط پیدا کرکے ان سے بات کر لینا آپ کے لئے کچھ دشوار نہیں ۔

• اس وقت دو صاحبزادے بقیدِ حیات ہیں ۔

نظام باطن سے بھی آپ کا تعلق حضرت کی توجہ ، عطا اور دعاؤں کا نتیجہ ہے ۔

ایک زمانہ آپ پر سے ایسا بھی گذرا کہ رات میں ہاتھ میں تسبیح لے کر گھر سے نکلتے جو محلہ رکاب گنج میں قریب ہائی کورٹ واقع تھا ۔ یا ھو اللہ ھو کے نعرے لگاتے پہاڑی شریف حضرت بابا شرف الدینؒ کا راستہ لیتے ۔ جنگل اور سنسان سڑک پر اندھیری رات میں راستہ چلنا کچھ آسان کام نہ تھا ، مگر توحید کا یہ متوالا اپنی مستی میں چور یا ھو اللہ ھو کے نعرے مارتا فجر کے قریب پہاڑی شریف پہنچتا ۔ اور نماز فجر پڑھ کر گھر لوٹتا ۔

حضرت پر ایک وقت ایسا بھی گذرا کہ آنکھ کی پتلی ترخ گئی ہے ، کرب کا عالم ہے ، کسی کل چین نہیں ۔ حسینی پاشا صاحب کا ہاتھ پکڑے اِدھر سے اُدھر ، اُدھر سے اِدھر ٹہل رہے ہیں ۔ رات پوری آنکھوں میں بھور ہوگئی ۔ اللہ کے حبیب کی اس رات کی یہ خدمت موصوف کی زندگی کا اصل سرمایہ ہے ۔

عشق اللہ و یاد اللہ کی دولت سے جو مالا مال ہوا دنیا اس کی نظروں میں بے حقیقت ہوئی ۔ یہی حال موصوف کا ہوا ۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد آگے تعلیم حاصل کرنے کی لگن ہی باقی نہ رہی ۔ مجبوراً صدر محاسبی سرکار عالی میں بحیثیت امیدوار مقرر ہوگئے اور بغیر تنخواہ کے سات برس کام کرتے رہے ۔ بعد میں آپ کا استقلال عمل میں آیا ۔ صدر محاسبی کا امتحان کامیاب کیا ۔ پھر گلبرگہ میں بحیثیت محاسب خرچ تبادلہ کیا گیا ۔ کچھ عرصہ کے بعد وہیں کی صوبہ داری میں آپ کو منتقل کردیا گیا ۔ آپ نے مال کا امتحان بھی کامیاب کیا ۔ اس کے بعد مرہٹی زبان میں ریجنل لینگویج کا امتحان دیا ۔ جس میں فرسٹ آئے ۔ کچھ عرصہ مہتمم اوقاف ضلع پربھنی کی جائداد پر کام کرنے کے بعد بالآخر بحیثیت تحصیلدار تعلقہ ہوسانگر پر ترقی پائی اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ۔

موصوف نے زندگی بھر کسی کو دکھ نہیں دیا ۔ اور نہ کسی اور صورت سے کسی کے مفاد کو گزند پہنچایا ۔ جب کبھی آپ کے مفاد کو نقصان پہنچایا گیا تو اس وقت بھی صرف مدافعت فرمائی ۔ کبھی کوئی ناشائستہ لفظ اپنے مخالفین کے لئے بھی استعمال نہیں کیا ۔

حضرت کے پاس حضرت خواجہ میاں صاحب (حضرت کے پیر و مرشد اور ماموں) کی عطا کردہ وہ تسبیح تھی جو حضرت خواجہ کے استعمال میں رہتی تھی ۔ حضرت فرمایا کرتے تھے " یہ تسبیح دیکھنا رحیم صاحب کو ملتی ہے یا حبیب علی کو - مگر یہ تسبیح حسینی پاشا صاحب کی تقدیر میں لکھی تھی ۔ حضرت نے موصوف کو تسبیح عطا کرتے ہوئے فرمایا " میں یہ تسبیح جان کی جتن رکھا ہوں ۔ تم بھی جان کی جتن رکھنا " ۔ موصوف نے تسبیح کو واقعی جان کی جتن رکھا ۔ مجھے بھی کئی بار حضرت کو یہ تسبیح پڑھتا ہوا دیکھنا نصیب ہوا ۔

راگ راگنیوں کے سکھانے کے سلسلہ میں حضرت نے موصوف اور حضرت کے ایک مرید سید فخر الدین صاحب قادری کے پیچھے بڑی محنت کی تھی حضرت اپنے قدیم مکان واقع رکاب گنج میں تشریف رکھتے تھے ۔ موصوف اور فخرالدین صاحب راگنیوں میں اشعار گاتے ، حضرت پر استغراق اور بیخودی کا عالم طاری ہوجاتا ۔ ان کے ساتھ خود بھی گاتے موقع موقع سے راگنی کے اعتبار سے تان پلٹے بھی لگاتے ۔ آنکھوں سے توحید کی مستی ٹپکتی ، حال و حیرت کا عالم طاری ہوجاتا ۔ بعض وقت تو بیخودی میں لوٹنے تک لگتے ۔ موصوف اِدھر گاتے اور اُدھر حضرت کی کیفیات دیکھنے میں گم ہونے لگتے اور اپنے آپ سے بے خبر ہوجاتے ۔ اس زمانہ میں راتوں میں یہ شغل اکثر جاری رہتا تھا ۔

موصوف اپنے والد سے ناک نقشہ ، چہرہ مہرہ میں بہت مشابہ تھے ۔ محفل سماع میں جب موصوف پر محویت طاری ہونے لگتی تو لوگوں کی نظریں آپ پر مرکوز ہونے لگتیں ۔ جب کیفیت میں آنکھوں سے مستی بھی نمایاں ہونے لگتی تو حسن محی الدین صاحب

(حضرت کے فرزند) برملا اشارہ کرکے کہنے لگتے - قدیر پیا کو دیکھو، قدیر پیا سرکار - اپنے بھائی کی اس طرح سب کو توجہ دہانی پر موصوف مسکرانے لگتے - ان کا مسکرانا مزید قیامت ڈھاتا - ایسا معلوم ہوتا کہ واقعی حضرت تشریف فرما ہیں - اور گویا ہم حضرت ہی کو دیکھ رہے ہیں۔

موصوف کا دیوان " افکارِ عرت " زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے - آپ کے اشعار میں حضرت کی روح جلوہ گر ہے۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جن پر حضرت کے اشعار ہونے کا دھوکہ ہوتا ہے - اشعار پڑھنے کا آپ کا مخصوص انداز ہے جو بہت دل آویز ہے۔

آپ کی امتیازی چال ڈھال، شگفتہ مزاجی، موہ لینے والی مسکراہٹ ہر ملنے والے پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی - آپ کے وسیع معلومات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت کی علمی صحبتیں کافی حد تک میسر آئی ہیں - آپ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف تھے۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے - آپ سے بھی سلسلہ رشد و ہدایت جاری رہا۔

آپ کی زوجہ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ • مولوی سردار حسین صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔
(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ منسلکہ)

مولوی حسن محی الدین صدیقیؒ

حضرت کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حسن محی الدین صاحب صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے - محی الدین پاشا عرف تھا - غیرت تخلص فرماتے تھے تاریخ ولادت ۲۹ / ذی الحجہ ۱۳۳۲ ھ ہے - آپ حضرت کی دوسری زوجہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ کے فرزند اکبر تھے۔ ابتداءً جب بات کرنے لگے تھے تو اپنے والد کو آوا جان سے مخاطب کرتے تھے - آپ ہی وہ واحد صاحبزادے ہیں جو حضرت کے سینے پر بیٹھ کر مرید ہوئے تھے۔

موصوف کی تعلیمی زندگی نہایت شاندار رہی - اول جماعت سے ایم اے کی ڈگری لینے تک ہر سال فرسٹ ان فرسٹ آتے رہے - میٹرک میں فرسٹ ان فرسٹ آنے کی بناء پر طلائی تمغہ عطا ہوا تھا - اسی طرح ایم اے کی ڈگری لیتے وقت بھی طلائی تمغہ ملا - ایم - اے کے بحیثیت ریسرچ اسکالر ایک مقالہ " ابن حزم " پر بزبان اردو لکھا - اس کا انگریزی میں ترجمہ مستشرقین کی آرا کے لئے بھجوایا گیا تھا جنھوں نے بیحد سراہا - اس زمانہ میں جامعہ عثمانیہ میں پی - ایچ - ڈی نہیں تھا - اس لئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں ملی - کالج کے دور میں وہ تعلیمی وظائف سے اپنی ساری ضروریات کو پورا کرلیتے تھے - کسی پر کم زیادہ بوجھ کبھی نہ ڈالا۔

ریڈر گلبرگہ کالج | ایم - اے کے بعد آپ نے نظامیہ طبیہ کالج میں داخلہ لیا تھا - قریب دو سال طب یونانی کی تعلیم حاصل فرمائی اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا اور سلکِ ملازمت میں منسلک ہوگئے - ابتداءً کمشنر پولیس کے آفس میں اہلکاری پر تقرر ہوا جو آپ کے لئے بلکہ سب کے لئے سوہانِ روح تھا - پھر آپ نے اپنے خاندانی پیشہ تعلیم و تعلم کی طرف توجہ فرمائی اور کالج میں لکچرر مقرر ہوئے - گلبرگہ کالج میں بحیثیت ریڈر برسوں کام کیا اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے - کالج میں ساتھی اساتذہ اور طلباء میں ہر دل عزیز تھے - اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - کالج کی ہمہ جہتی ترقی میں ہر طرح دلچسپی لی۔

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا - اتنا وسیع کہ وہ ہر فن اور ہر موضوع پر نہ صرف سیر حاصل گفتگو کرسکتے تھے بلکہ پڑھا سکتے تھے - وہ علمی مجلس سے خوب واقف تھے - یہی سبب تھا کہ وہ جس محفل میں جا بیٹھتے اپنی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے اسے باغ و بہار بنادیتے۔

• مولوی حسین شجاع الدین صدیقی صاحب کا انتقال ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ ھ کو ہوا اور موصوفہ اپنے شوہر سے تقریباً دو ماہ قبل انتقال کرگئیں۔

بوڑھوں ، جوانوں اور بچوں میں وہ یکساں مقبول تھے ۔ بوڑھوں میں سنجیدہ ، جوانوں میں ظریف اور بچوں میں بچہ ۔ جوانی میں وہ ایسی ایسی کہانیاں سناتے تھے کہ سننے والے مسحور ہوجاتے بڑا مزہ لیتے اور اٹھنے کا نام نہ لیتے ۔ اس وقت ان کی لسانی کا اندازہ ہوتا ۔ ایک مرتبہ وہ الف لیلیٰ کی کہانی کے منتخبہ حصے بطور کہانی کئی روز تک سناتے رہے ۔ وہ اس طرح کہ رات کے کھانے کے بعد بچے بڑے سب جمع ہوجاتے اور کہانی شروع ہوتی اور رات دیر گئے تک چلتی ۔ ان کا حافظہ خدا داد تھا ۔

والی بال کے بیحد شائق تھے آپ نے کرکٹ اور فٹبال کھیلا ہے ۔ شطرنج کے اچھے کھلاڑی تھے ۔ ٹیبل ٹینس میں بھی ہاتھ منجھا ہوا تھا ۔ بلیرڈ کے بھی چمپین تھے ۔ اردو انگریزی کی شاید ہی کوئی ناول ہوگی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو ۔ اردو ادب کے سارے مشاہیر کا لٹریچر دیکھ ڈالا ۔ تاریخ پر بھی اچھی نظر تھی ۔ مشہور شعراء کے دیوان آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں ۔ اور ہر بڑے شاعر کے چندہ اشعار یاد تھے ۔ خود بھی علم عروض کے ماہر تھے ۔ بیت بازی کے مقابلوں میں آپ کے ذوق سلیم کا اندازہ ہوتا تھا ۔ نہایت بذلہ سنج واقع ہوئے تھے ۔ وہ یارِ شاطر تھے کبھی بارِ خاطر نہ ہوئے ۔ وہ زمانہ کے نشیب و فراز سے گذر چکے تھے ۔ اچھا وقت تو اچھا تھا برے وقتوں کا مقابلہ جس استقلال سے کیا وہ انھی کا حصہ تھا ۔

غیر معمولی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے ۔ جب کبھی وہ بڑے آدمیوں کی معیت میں ہوتے اس وقت بھی انھوں نے اپنے معمولی دوستوں سے کترانے کی کبھی کوشش نہیں کی ۔ بلکہ جب موقع مل جاتا وہ ان کا تعارف ان بڑوں سے کرادیتے انھوں نے اپنے معمولی دوستوں میں کبھی احساس کمتری پیدا ہونے نہیں دیا ۔ ان کی یہ وضعداری ان کے بڑے پن کا بین ثبوت ہے ۔ آپ فطرتاً بہت شریف الطبع انسان تھے ۔ گو ہر قسم کی سوسائٹی انھوں نے دیکھی تھی مگر کسی سوسائٹی کا اثر ہرگز قبول نہیں کیا ۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا ۔ بعض اوقات ان کا ظاہر بہت کھرا دکھائی دیتا تھا ۔

وہ جب کبھی کسی مسئلہ پر گفتگو کرتے تو نہایت صفائی اور دیانت سے کرتے تھے ۔ انھوں نے کبھی سخن پروری سے کام نہیں لیا ۔ کوہ وقاری کے باوجود حد درجہ متواضع بھی تھے ۔ آپ کی ذات جامع صفات تھی ۔ ان کی طرح گوناگوں اوصاف کا حامل بہت مشکل سے ملے گا ۔ وہ ہر ایک سے اپنی امتیازی خندہ پیشانی سے ملتے تھے ۔ کبھی کبھی وہ قہقہہ مار کر بھی ہنستے تھے ۔ اور ان کے قہقہوں میں عجیب دل آویزی ہوتی تھی ۔ ویسے سنجیدگی کے ساتھ ساتھ موہ لینے والی مسکراہٹ تو ہر وقت ان کے چہرہ پر رقصاں رہتی ۔

آپ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ روشن دماغ ، روشن دل اور روشن چراغ تھے ۔

اپنے والد اور مرشد سے نسبت نہایت قوی تھی ۔ رندی آپ کا مذہب تھا اور مستی آپ کا مشرب تھا ۔ محفل سماع آپ کی وجہ سے پر کیف رہتی تھی ۔ آپ کی کیفیت اہل محفل کو پر کیف بنا دیتی تھی ۔ آپ کیا گئے قوالی کا مزہ جاتا رہا ۔ اپنے روزانہ وظائف پر زندگی بھر مداومت کی ۔ آپ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف تھے ۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔

انتقال سے کچھ ہی عرصہ قبل انہیں احساس ہوگیا تھا کہ ان کا سفر زندگی اپنی آخری منزل میں ہے ۔ اس لئے وہ موت کا خیر مقدم کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتے تھے ۔ آپ نے ۱۱ / رجب ۱۴۰۳ھ کو انتقال فرمایا ۔ اب بھی جب کبھی وہ یاد آجاتے ہیں ۔ ان کی کمی سے ایک خلا سا محسوس ہونے لگتا ہے ۔ ان کی مسکراتی ہوئی صورت سامنے آجاتی ہے تو احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور ہم میں موجود ہیں ۔

آپ کی زوجہ محترمہ آپ کی خالہ زاد بہن سیدہ امتہ اللہ عرف سردار پاشا، مولوی سید محمد اسرار الرحمٰن صاحب چشتی کی صاحبزادی تھیں ۔ آپ کو ایک صاحبزادہ اور چار صاحبزادیاں ہیں ۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی عبدالقادر معین الدین صدیقیؒ

حضرت کے ساتویں صاحبزادے مولوی عبدالقادر معین الدین صدیقی قادری رحمتہ اللہ علیہ تھے ۔ قادر پاشا عرف تھا ۔ حضرت محبت سے قدو شاہ پکارتے تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۳۳۵ ھ ہے سقوط حیدرآباد کے فوراً بعد ہجرت کرکے پاکستان منتقل ہوگئے تھے ۔ کراچی میں سکونت پذیر تھے ۔ سیدھے سادھے بھولے بھالے جنتی آدمی تھے ۔ وہ عمر بھر سچائی کے پرستار رہے ۔ ان کی زندگی بیحد سادہ تھی ۔ انہوں نے اپنی ضرورت کو ممکنہ حد تک محدود کر رکھا تھا ۔ قناعت ان کے مزاج میں اس درجہ بسی ہوئی تھی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ۔ وہ حد درجہ مضبوط طبیعت کے انسان تھے ۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں اور پاکیزہ سیرت کے مالک تھے ۔ وہ مزاج کے بھی بہت نرم تھے ۔ کسی نے کبھی ان کے منہ سے کوئی نازیبا لفظ نہیں سنا ۔ میں نے کبھی ان کو غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا ۔ درشتی اور تلخی انہیں چھو نہیں گئی تھی ۔ کسی کو ان کی شکایت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا ۔ نہ انھیں کسی کی شکایت کرتا ہوا پایا گیا ۔ وہ تحمل اور بردباری کے پیکر تھے ۔ تلخ بات کا جواب نرمی سے دیتے تھے ۔ اصل میں آپ نے اپنا پیار کر اپنے نفس پر قابو پالیا تھا ۔ ان کے چہرے سے انکسار اور معصومیت ٹپکتی تھی ۔ کبھی حد اعتدال سے آگے نہ بڑھے ۔ عفو اور درگذر ان کا شیوہ تھا ۔ سوائے دعا کرنے کے موذیوں کے حق میں تک بددعا نہ کی ۔ وہ یاس اور ناامیدی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے ۔ تاریک ایام میں بھی انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری ۔ سیدوں کے صفات اس صدیقی فاروقی سے بدرجہ اتم نمایاں تھے ۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ وہ دوسروں کے کام آئیں ۔ وہ اپنے چھوٹوں پر نہایت شفقت سے پیش آتے تھے ۔ اور بڑوں کی اطاعت گذاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے ۔ انھوں نے بندگانِ خدا کی بہت دعائیں لیں ۔ سوائے خدا کے کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کیا نہ کسی کے شرمندہ احسان ہوئے ۔ ان کی ساری زندگی تسلیم ورضا کا عملی درس تھی ۔ شکوہ شکایت سے ان کی زبان عاری تھی ۔ تقدیر کے آگے ان کا سر ہمیشہ سرنگوں رہا ۔ ان کا قلب قلب مطمئنہ تھا ۔ جس کو دنیا کی کوئی سختی مرتعش نہیں کر سکتی تھی ۔ ان کی تکالیف کا سوائے خدا کے کوئی ہمراز نہیں تھا ۔ ان کی لو خدا سے لگی تھی ۔ وہی آپ کا کارساز اور مددگار تھا ۔ پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی تنگی کشادگی میں اور حالت صبر حالت شکر میں مبدل ہوگئی ۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے موصوف ریل میں سفر کر رہے تھے اور دورانِ سفر نیند میں خراٹے لے رہے تھے خراٹوں سے اللہ اللہ صاف سنائی دے رہا تھا ۔ ڈبہ میں بعض لوگ حضرت کے جاننے والے بھی موجود تھے ۔ انہوں نے خراٹوں میں اللہ اللہ کی آواز سن کر بے اختیار آپس میں کہا ۔ کیوں نہ ہو شیر کا بچہ شیر ہی ہے "۔

حضرت کے فرزند ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے تو فرمایا " میں کراچی پہنچا تو دیکھا ہر طرف نفسانفسی ہے ۔ ہمارے کتنے ہی ملنے والے اور رشتہ دار وہاں موجود تھے مگر کسی نے مطلقاً توجہ نہیں کی سوائے قادر پاشا بھائی کے کہ انہوں نے مجھے اپنے پاس جگہ دی اور وہاں قدم جمنے تک ممکنہ مدد دی اور ہر طرح ساتھ دیا "۔ انہوں نے اپنے بھائی کے متعلق مزید فرمایا " مجھے قادر پاشا بھائی کا مطلق اندازہ نہیں تھا ۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ پاکستان میں انہوں نے حضرت کی پوری طرح سے نیابت کرکے برادران سلسلہ کو ایک مرکز پر مجتمع کرلیا ہے ۔ اور محفلیں ان کی سرپرستی میں پورے اہتمام سے جاری ہیں ۔ اور لوگ

حضرت محمد عبدالقادر معین الدین صدیقی
فرزند و خلیفۂ بحرالعلومؒ

ان سے بڑی عزت اور عقیدت سے پیش آتے ہیں ۔

مولوی ابوتراب علی صاحب جب پاکستان تشریف لے گئے تھے تو موصوف ہی کے پاس قیام فرمایا تھا ۔ حالانکہ وہاں کے برادرانِ سلسلہ اور خود موسیٰ پاشا صاحب کا اصرار تھا کہ وہ کچھ دن ان کو بھی مہمان داری کا موقع عنایت کریں ۔ مگر علی پاشا صاحب نے باوجود بے حد اصرار کے قبول نہ کیا ۔

موصوف کا خط بہت پاکیزہ اور منشیانہ تھا ۔ میرے پاس ان کا ایک گرامی نامہ ہے جسے موصوف نے پاکستان سے ارسال کیا تھا ۔ میں نے تبرکاً اس کو محفوظ رکھا ہے ۔

۱۹۶۱ ء میں بمقام کراچی ایک حادثہ میں آپ کا انتقال ہوگیا ۔ موصوف کے انتقال کرجانے کی اطلاع حضرت کو آخر دم تک نہیں دی گئی ۔ باوجود شادی طور پر اطلاع نہ ملنے کے حضرت نے اپنے صاحبزادوں کی تعداد میں ایک کی کمی کردی ۔ جب کبھی احیاناً موصوف کا تذکرہ نکلتا تو حضرت سنی ان سنی کردیتے یا کوئی اور گفتگو شروع فرمادیتے ۔

شرافت ، انسانیت اور روح و سیرت کی پاکیزگی کی بلندی جو ان میں نظر آتی تھی وہ کسی فرد واحد میں مشکل ہی سے شاید نظر آئے ۔ ان کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ انسانِ کامل کی مجسم تصویر تھے ۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔

میری جتنی بھی یادیں ان کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ہیں وہ سب جذبہ احترام پر مبنی ہیں ۔

آپ کی زوجہ محترمہ حفصہ مولوی محمد عمر قادری صاحب کی صاحبزادی ہیں ۔ یہ اپنے شوہر کی ہر اعتبار بہترین رفیقہ حیات ثابت ہوئیں ۔ موصوف کو تین صاحبزادے ہیں جو بقیدِ حیات ہیں ۔ تینوں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقیؒ (تمغہ امتیاز)

حضرت کے آٹھویں صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ موسیٰ پاشا عرف تھا ۔ تاریخ ولادت ۲۲ / ربیع الاول ۱۳۳۱ ھ ہے ۔ آپ حضرت کی چوتھی زوجہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ کے فرزند اکبر تھے ۔

جامعہ عثمانیہ سے ایم ۔ بی ۔ بی ۔ یس کی ڈگری لی ۔ ۱۹۵۵ ء میں ہجرت کرکے پاکستان منتقل ہوگئے ۔ ۱۹۶۰ ء میں انگلستان سے عملِ تخدیر (Anaesthesia) میں تخصیص حاصل کی ۔ انگلستان سے واپس ہونے کے بعد " لیاقت میڈیکل کالج " جام شورو میں بحیثیت چیف انستھیٹسٹ Chief Anaesthetist خدمت انجام دی ۔ ۱۹۶۵ ء میں لڑائی کے موقع پر افواج پاکستان کو اپنی خدمات پیش کیں ۔ اور فوج ہی کے ہورہے ۔ ابتداء تقرر میجر کے رتبہ پر ہوا ۔ ۱۹۶۹ ء میں غیر معمولی طبی خدمات انجام دینے پر حکومت پاکستان کی جانب سے تمغہ امتیاز عطا کیا گیا ۔ ۱۹۶۹ ء کے آخر سے ۱۹۷۳ ء کی ابتداء تک سعودی عرب میں سکنڈمنٹ Secondment یعنی " انتداب " پر فرائض انجام دیتے رہے ۔

جامعہ ازہر | ۷۳ ۔ ۱۹۷۳ ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر طبی وفد کے ساتھ مصر بھجوائے گئے ۔ وہاں جب شیخ جامعہ ازہر سے ملاقات کے لئے لے جایا گیا تو سرکاری طور پر ترجمان فراہم کئے گئے تھے ۔ یہ ملاقات تقریباً ۴۵ منٹ تک جاری رہی ۔ آپ نے شیخ سے سلجھی ہوئی عربی میں گفتگو فرمائی ۔ شیخ نے حیران ہوکر پوچھا کہ اتنی اچھی عربی میں آپ اس طرح جو بے تکان گفتگو کررہے ہیں یہ آپ کے لئے کیسے ممکن ہوا ۔ موصوف نے اپنے والد کا نام لیا اور ان کا مختصر تعارف کرایا ۔ حضرت کی کتاب " الدین " جو بزبان عربی ہے وہ شیخ کی نظر سے گزر چکی تھی ۔

شیخ نے نہایت عزت اور گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔

لفٹنٹ کرنل کے عہدہ پر پہنچنے کے بعد آپ فوج سے سبکدوش ہوئے۔

پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد آپ دو مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ حضرت کی زندگی میں پہلی مرتبہ اور حضرت کے وصل فرما جانے کے بعد دوسری مرتبہ۔ پہلی مرتبہ کی تشریف آوری کے موقع پر چونکہ وہ پاکستان کے شہری کی حیثیت سے آئے تھے حضرت نے ایک جلسہ کیا تھا۔ جس میں پاکستان میں اپنے جانشین کی حیثیت سے ان کی جانشینی کی رسم ادا فرمائی۔ اپنے کپڑے پہنا کر باقاعدہ ان کو مسند پر بٹھایا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کی گلپوشی کی اور حضرت کے وابستگان نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ اور علامتی نذریں پیش کیں۔

موصوف نہایت ذاکر شاغل اور بڑے مرتاض انسان تھے۔ اسمائے الٰہی کی بیشمار زکواتیں دی تھیں۔ ایک مرتبہ دورانِ ذکر انھوں نے دیکھا کہ سورج کی روح اپنے تمام نظام شمسی کے سیارگان کی ارواح کے ساتھ حاضر خدمت ہے موصوف نے فرمایا "میں محض اللہ کے لئے اس کی یاد کر رہا ہوں۔ نظام شمسی کی ارواح کو تابع کرنا میرا مقصد نہیں ہے"۔ اور واپس کر دیا۔ اس واقعہ کا انھوں نے حضرت سے تذکرہ کیا تو فرمایا "جیب میں ڈال لینا تھا کسی کونے میں پڑے رہتے تھے"۔

الحمد للہ آپ کو حج و زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ سعودی عرب میں بحیثیت ڈاکٹر ملازمت کے زمانہ میں آپ نماز جمعہ مسجد نبوی میں ادا فرماتے تھے۔ اور جب بھی موقع ملتا کعبۃ اللہ شریف پہنچ کر طواف کیا کرتے۔ سینکڑوں طواف کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا "ہمارے پاس سوٹڈ بوٹڈ دو فقیر ہیں۔ ایک پیر نجم الدین گیلانیؒ دوسرے موسیٰ"۔ ایک مرتبہ فرمایا "موسیٰ میری طبیعت پر ہے اُن کو میری جامعیت ملی ہے"۔

ایک مرتبہ موصوف نے صلوٰۃ الغوثیہ پڑھی۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے مثال میں محسوس طریقہ سے موصوف کو ملاقات کا شرف بخشا۔ گویا کہ وہ عالم شہادت میں جسم سے ملاقات کر رہے ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان کی شخصیت، ان کی بات چیت، ان کی وضع قطع دل میں کُھب جاتی ہے۔ ان کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ اور بار بار ذکر کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ان سے ملنے کو تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ وہ دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں کے ایک فرد موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی صاحب بھی تھے۔ وہ اپنے والد کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کی زندگی کی پاکیزگی ان کے چہرہ سے ہویدا تھی۔ ان میں ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ جو بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ ان کی زندگی بہت بھرپور تھی۔ وہ بندگانِ خدا کی خدمت بالکل بے غرض ہوکر کرتے تھے۔ جس میں ذاتی مفاد، نمود و نمائش کو مطلق دخل نہ تھا۔ اور نہ وہ کوئی کام حصول جاہ کی خاطر سے انجام دیتے تھے۔ ان میں خدمت الناس کی بڑی لگن تھی۔ اور زبان پر ہمیشہ خدا اور رسول کا نام رہتا تھا۔

بے غرض انسانی خدمت کا بحیثیت ڈاکٹر انھوں نے جو نادر نمونہ زندگی بھر پیش کیا وہ انتہائی روح پرور ہے۔ وہ ہر وقت مشکلکشائی پر آمادہ رہتے تھے۔ دفع الوقتی سے کبھی کام نہ لیا۔ بڑے آدمی تھے مگر دوسرے بڑے آدمیوں کی طرح نہ تھے۔ وہ فقیر منش نہیں فقیر تھے۔ دراصل ان کے پاس شاہی میں فقیری تھی اور فقیری میں شاہی۔ ان کی زندگی کے ساز میں دھیما سُر کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ پاکستان میں صدیقی قدیری گھرانے کے تنہا اجالا تھے۔

جوانی سے یہ بات ان کے پیش نظر رہی کہ مغرب کی مادیت کو اسلام کی روحانیت سے زیر کیا جائے ۔ اور روحانیت کے حصول میں اپنی کوششیں جاری رکھیں ۔ چنانچہ ایک آپریشن کے مریض کو نہ بیہوش کیا اور نہ آپریشن کے مقام کو سُن کر دینے کا انجکشن دیا بلکہ مریض سے اتنا کہا کہ میں تمہارا پیٹ یہاں سے یہاں تک چاک کروں گا ۔ اور انگلی پھیر کر مقام آپریشن سے مریض کو واقف کرادیا اور اس کو یقین دلایا کہ تم کو عمل جراحی کا نہ تو احساس ہوگا اور نہ کسی قسم کی تکلیف پھر ساتھ ہی عمل جراحی کے ذریعہ اس کا پیٹ چاک کیا ۔ مریض کو آپریشن کا احساس تک نہ ہوا ۔ انگلستان کے ڈاکٹروں میں تہلکہ مچا اور سارے ڈاکٹر متحیر ہوگئے ۔ اس واقعہ کی خبر وہاں کے اخبارات میں تک چھپی ۔

وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے پیغام کو اس کی ابتدائی سادگی اور دل آویزی کے ساتھ مغرب کے سامنے پیش کیا جائے ۔ ان کا یہ ولولہ ان کے دل سے کبھی نہ نکلا ۔ ان کو یورپ میں طویل مدت تک مقیم رہنے کا موقع قدرت کی جانب سے اگر ملتا تو ان میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی کہ وہ اپنے ان خیالات کو وہاں عملی جامہ پہنا سکیں ۔ مگر ان کی عمر نے رفاقت نہ کی لہذا ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا ۔

حضرت سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا ۔ یہ ہیڈروجن بم سے کئی جہاز جو سمندر میں لنگر انداز ہیں کیا روحانیت سے ان کو بے اثر کیا جاسکتا ہے ؟ حضرت نے جواب دیا مسلمان کا یقین کامل ان کو بے اثر کرسکتا ہے ۔ موسیٰ پاشا اس جانب توجہ کریں تو کرسکتے ہیں ۔

موصوف کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ ۱۲ / ماہ فبروری ۱۹۸۵ ء م ۲۱ / جمادی الثانی ۱۴۰۵ ھ روز کو موصوف کا انتقال بعمر ۷۳ سال پاکستان ، کراچی میں ہوا ۔ ہزارہا سوگواروں کی موجودگی میں اس زندہ جاوید کے جسد کو سپرد خاک کیا گیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے انتقال سے خانوادہ قدیری کا ایک آفتاب غروب ہوگیا ۔

آپ کی زوجہ محترمہ کنیز فاطمہ مولانا الیاس برنی صاحب فاروقی صدر شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ کی صاحبزادی تھیں ۔ •

آپ کو دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں ۔ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی احمد عبدالشکور صدیقی

حضرت کے نویں صاحبزادے مولوی احمد عبدالشکور صدیقی قادری ہیں ۔ احمد پاشا عرف ہے ۔ تاریخ ولادت ۲۰ / ذیقعدہ ۱۳۳۰ ھ ہے ۔ جامعہ عثمانیہ سے معاشیات میں ایم اے کیا ۔ بی ایڈ بھی کامیاب ہیں ۔ فطرتاً طالب علم ہیں ۔ آپ کو رات دن مطالعہ سے فرصت ہی نہیں ۔ ٹہلتے ہوئے مطالعہ فرماتے ہیں ۔ دنیا سے مطلقاً سروکار نہیں ۔ گھریلو معاملات سے کوئی واسطہ نہیں ۔ نہ خود کسی کی برائی کرتے ہیں اور نہ کسی کی برائی سنتے ہیں ۔ برائی تو برائی ہے کسی کی اچھائی میں بھی بے ضرورت دخل انداز نہیں ہوتے ۔ ان سے کوئی کام ایسا نمایاں ہی نہیں ہوتا جو قابل گرفت ہو ۔ وہ حقیقت پسند واقع ہوئے ہیں ۔ نہایت متقی اور پرہیزگار آدمی ہیں ۔ نام و نمود سے سخت متنفر ہیں ۔ کسی چیز میں غلو یا تصنع سخت ناپسند ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ اظہار حقیقت میں خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو ، پیر کے ساتھ یا پیغمبر کے ساتھ ، اعتدال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئیے ۔ وہ شروع سے نہایت سنجیدہ اور متین واقع ہوئے ہیں ۔ گنے چنے آدمیوں سے شاید وہ بے تکلف ہونگے ۔ تضیع اوقات کے لئے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہے ۔ بہت ہی کم گو واقع ہوئے ہیں ۔ رسمی باتیں تو وہ کرنا ہی نہیں جانتے ۔ نہایت خوددار انسان ہیں ۔ متواضع اور با اخلاق ہیں ۔ ہر ایک کے تعلق سے نیک ظن ہیں ۔ بزرگوں کے ساتھ حد و ادب پورا برقرار رکھتے ہیں ۔ ہر ایک سے وضعداری کے ساتھ ملتے ہیں اور اخلاص سے پیش آتے ہیں ۔

• موصوفہ بھی اپنے شوہر کے انتقال سے اندرون ایک سال انتقال کرگئیں ۔

آپ کی سیرت و شخصیت کا کمال یہ ہے کہ کسی حالت میں نہ اپنے حدود سے خود متجاوز ہوتے ہیں اور نہ دوسرا متجاوز ہوسکتا ہے۔ ان کی وضع قطع، رہن سہن اور انداز میں شروع سے اس وقت تک بہت کم تبدیلی ہوئی۔ ان کی سیرت میں ایسی پختگی ہے کہ ان کو زمانے کے ساتھ اپنے آپ کو بدلنے کی مطلق ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں جس درجہ یک رنگی اور توازن ہے وہ بہت کم لوگوں میں نظر آئے گا۔ آپ کی مثال ایسے شخص سے دی جاسکتی ہے جس کے شعور میں یہ حقیقت پیوست ہوگئی ہو کہ خدا حاضر و ناظر ہے اس لئے اس کو خلوت اور جلوت میں کہیں بھی خدا کے بتائے ہوئے راستہ سے انحراف نہ کرنا چاہیئے۔

تجوید کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن کی روایت بھی حضرت ہی سے حاصل ہے۔ بعض دینی کتابوں کے درس میں بھی شریک رہے۔ حضرت کے پاس تفسیر کا جو درس ہر اتوار کو ہوتا تھا اس میں پابندی سے شریک رہتے تھے۔ بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے۔
پنجوقتہ نماز کے سختی سے پابند ہیں۔ اور پابندی اس کی کرتے ہیں کہ نماز اول وقت ادا ہو۔ اور نماز میں خشوع پوری طرح برقرار رہے۔ بلاناغہ تلاوت قرآن بھی فرماتے ہیں۔

پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد آپ نے تعلیمات میں اپنی خدمات پیش کیں۔ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اور نہایت کامیاب ہیڈ ماسٹر۔

آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ حبیب محمد صاحب صوبہ دار کی صاحبزادی نواب حبیب یار جنگ بہادر کی پوتری اور نواب نصیر جنگ بہادر کی نواسی ہیں۔ آپ کو تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔ صاحبزادی شادی شدہ اور صاحبزادے زیر تعلیم ہیں (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

مولوی غوث محی الدین صدیقی

حضرت کے دسویں صاحبزادے مولوی غوث محی الدین صدیقی قادری ہیں۔ • غوث پاشا عرف ہے۔ تاریخ ولادت ۱۳۵۲ھ ہے۔ نظام کالج میں بی۔ اے تک تعلیم پائی۔ حضرت کے صاحبزادوں میں موصوف ہی سب سے چھوٹے ہیں۔ حضرت کے نور نظر اور لخت جگر ہیں۔ حضرت کی کبر سنی تھی اور موصوف کی نو عمری لہذا یہ حضرت کے دل سے بہت قریب تھے موصوف کے مستقبل کے بارے میں حضرت کا تفکر عمر کا اقتضاء تھا۔ موصوف کی شادی بھی حضرت کے وصال فرماجانے کے بعد والدہ محترمہ کے زیر سرپرستی ہوئی حضرت کی بے انتہا دعائیں اور توجہ آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا آپ کے قدموں میں ہے۔ دل دنیا کی دلفریبیوں سے بے تعلق ہے۔
تجارت آپ کا پیشہ ہے۔ آپ رات دن اپنے کام کی دھن میں رہتے ہیں۔ خطرہ و خسارہ مایوسی و بیزاری اور طعن اغیار کو خاطر میں لائے بغیر اپنے مقصد کی طرف مسلسل رواں دواں ہیں۔ اسباب کو اس کا حق پوری طرح دیتے ہیں۔ مگر نظر مسبب پر پوری طرح قائم ہے۔ یہ حضرت کے خون کا اثر ہے۔ ظاہر و باطن میں پوری طرح یکسانیت ہے۔ عام طور سے تربیت میں کہیں کوئی کمی کسی میں رہ جاتی ہے تو وہ تنگ دستی یا فراخی میں بالضرور بڑی شدت سے ابھر آتی ہے۔ اچھے اچھے اس منزل پر ڈگمگا جاتے ہیں۔ مگر الحمدللہ اس راہ میں آپ کا قدم، ہر قدم پر استوار و ہموار ہے۔ جو مکمل تربیت کی دلیل ہے۔
جراَت سے اپنی بات کہتے ہیں۔ اور صبر کے ساتھ دوسرے کی سنتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کا یہ پہلو نہایت بے نظیر ہے۔ جو بات ان کو معلوم نہ ہو اس کو دوسرے سے پوچھ لیتے ہیں۔ قطعاً تکلف نہیں کرتے۔ خواہ وہ ان سے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ رشتہ ناتوں

• حضرت حسینی پاشا صاحبؒ کے انتقال کے بعد سے آپ ہی مسندِ سجادگی پر جلوہ فرما ہیں۔

کا بڑا پاس و لحاظ ہے ۔ خاندان کے افراد سے پوری طرح باخبر، ہمدرد اور ہردل عزیز ہیں ۔

آپ کی چھٹی حس بہت تیز ہے ۔ بعض وقت ایسی باتیں جو آپ کے ظاہری طور پر علم میں نہیں رہتیں ۔ وہ اچانک مجزاتی انداز میں پوچھ بیٹھتے ہیں یا بیان کردیتے ہیں ۔ جس سے سننے والوں کو حیرانی ہوجاتی ہے ۔

ایک اور وصف آپ کا بڑا خاص ہے کہ کسی بھی معاملہ میں جلد سوچتے ہیں اور صحیح تصفیہ کرتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا دماغ حاضر اور ذہن رسا ہے ۔

تقاریب میں وہ کاموں میں کتنے ہی منہمک کیوں نہ رہیں مہمانوں کو ایک لمحہ کے لئے نہیں بھولتے ۔ مہمان مختلف سطح کے ہونے کے باوجود کسی کو یہ شکایت نہیں پیدا ہوتی کہ داعی نے کسی کے لئے کمی یا زیادتی روا رکھی ۔ یہی وہ عجیب و غریب ملکہ یا خلوص ہے جس نے موصوف کو سب میں ہردل عزیز بنا رکھا ہے ۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے ۔

آپ کی زوجہ محترمہ سکندر النساء بیگم صاحبہ مولوی سید سلیمان علی عابدی صاحب کی صاحبزادی ہیں ۔ آپ کو تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں بڑے فرزند اور دو بڑی صاحبزادیوں کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے ۔ (تفصیلات کے لے ملاحظہ ہو شجرہ)

دوسرے داماد مولوی محمد انور الدین صدیقیؒ

حضرت کے دوسرے داماد مولوی محمد انور الدین صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بحرالعلوم کے عم زاد بھائی حضرت مولوی محمد نور الدین صدیقی صاحبؒ کے فرزند اکبر تھے ۔ تاریخ ولادت پنجشنبہ ۱۰ / جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ تھی ۔ موصوف راقم الحروف کے والد ماجد تھے ۔

ابتدائی ملازمت پیمائش کے سررشتہ سے شروع ہوئی ۔ جس زمانہ میں عثمان ساگر (گنڈی پیٹ) کی شروعات ہوئی تھیں اس وقت آپ بحیثیت اوورسیر اس کی پیمائش کرنے والوں میں شامل تھے ۔ بعد میں اپنے والد کے فرمانے پر اس تکلیف دہ ملازمت کو ترک کردیا ۔ اور بحیثیت صیغہ دار دفتر نظامت تعلیمات میں آپ کا تقرر عمل میں آیا ۔ اسی زمانہ میں آپ کی شادی حضرت کی صاحبزادی خدیجہ بیگم صاحبہ سے ہوئی ۔ شادی کے بعد آپ نے صدر مہتمم تعلیمات میدک مستقر بلدہ کے دفتر میں بحیثیت سررشتہ دار ترقی پائی اور وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہونے سے تقریباً دو سال پیشتر تک وہیں کام کیا ۔ نظامت تعلیمات میں بحیثیت منتظم ترقی پائی اور وہاں تقریباً دو سال کام کرنے کے بعد وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے ۔

سررشتہ داری کے دور میں مولوی فیض الدین صاحب (بیرسٹرایٹ لا) صدر مہتمم تھے ۔ ان کو والد کی شرافت، دیانت، قابلیت پر پورا اعتماد تھا ۔ ساری مراسلت والد کیا کرتے بحیثیت صدر مہتمم ان کی دستخط سے حکم احکام جاری ہوتے ۔ اسی بناء پر تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ کے سارے صدر مدرسین اور پرنسپل صاحبان والد سے ملاقات کرنے والد کے اجلاس پر آتے رہتے اور خصوصی ربط رکھتے تھے ۔ اور آپ سے بیحد عزت و تکریم سے پیش آتے تھے ۔ اصل میں یہ سارے لوگ آپ کو اصل کرتا دھرتا سمجھتے تھے ۔ ان میں سے بعض تو والد سے ملنے گھر پر تک آیا کرتے تھے ۔ تعطیل کیا رہتی والد کے لئے بجائے راحت کے زحمت ثابت ہوتی ۔ صبح سے شام تک

مدرسین کا ایک نہ ختم ہونے والا تانتا بندھا رہتا ۔ اتنی مہلت ہی نہ ملتی کہ آپ خاصہ سے فراغت حاصل کرسکیں ۔ ہر ایک سے نہایت خوش دلی اور خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے ۔ ان کے مسائل میں اللہ واسطے پوری طرح مدد کرتے ۔ یہی وجہ تھی کہ تمام مدارس کے سارے مدرسین اور صدر مدرسہ سب کے پاس ہردلعزیز اور محترم ہستی تھے ۔ کسی سے تحفہ تحائف باوجود اصرار کے ہرگز قبول نہ کرتے ۔ انسان کو نعمت کے مطابق اگر ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے ۔ اللہ نے آپ کو نعمت سے زیادہ ظرف عطا فرمایا تھا ۔ گو معجزہ کا زمانہ نہیں رہا لیکن محبت اور خلوص میں اب بھی بڑی کرامتیں پوشیدہ ہیں ۔ یہ حقیقتیں والد کے طرز عمل سے کھل کر میرے سامنے آئیں ۔

والد کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ اہل خاندان کو اس وقت ہوا جس وقت میرے منجھلے بھائی مولوی وقار الدین صدیقی وقار بارہ تیرہ سال کی عمر میں آم کے درخت کی کرم خوردہ کمزور ٹہنی کے ٹوٹ جانے کے باعث درخت سے سر کے بل زمین پر آرہے تھے ۔ سر میں شدید چوٹ لگنے اور زیادہ خون بہہ جانے کے باعث بیہوش ہوگئے تھے ۔ اور دواخانہ عثمانیہ میں زیر علاج تھے ۔ عیادت کی غرض سے مدرسین ، احباب اور رشتہ دار اس قدر کثیر تعداد میں روزآنہ آیا کرتے کہ دواخانہ میں مریض کی شہرت ہوگئی تھی ۔ اور ڈاکٹرس ، نرسس ، بیمار اور دیگر آنے جانے والے حیران تھے ۔ لوگوں کی زبان پر تھا کہ اگر ناظم تعلیمات کے لڑکے کو اس طرح حادثہ پیش آتا تو اس کے عشر عشیر لوگ بھی بغرض عیادت شاید زحمت گوارا نہ کرتے ۔

خاندان کے بیشتر تعلیم یافتہ نوجوانوں کو آپ کی وجہ سے تعلیمات میں ملازمت کا موقع حاصل ہوا ۔ والد کی یہ صفت میرے لئے ناقابل فراموش ہے کہ وہ اگر کسی کی مدد کرتے یا کسی قسم کا سلوک مسلوک کرتے تو پھر اس کا تذکرہ زبان پر کبھی نہ لاتے اور نہ ممنونیت کے خواہشمند رہتے ۔

مولوی فیض الدین صاحب کے ترقی پاکر ناظم تعلیمات ہوجانے کے بعد ان کی جگہ پر مولوی احمد حسین خان صاحب پرنسپل سٹی کالج تشریف لائے تھے ۔ ان کے دور میں بھی ان کا طرز عمل آپ کے ساتھ فیض الدین صاحب سے کچھ کم نہ رہا ۔ قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری ۔ مولوی احمد حسین خان صاحب اپنے اصولوں کے سخت پابند ، نہایت قابل ، محنتی اور تجربہ کار تھے ۔ اور ساتھ ہی ساتھ مردم شناس بھی تھے ۔

والد کی طبیعت میں بلا کی نفاست تھی ۔ جوانی میں اپنے زمانے کے نہایت فیشن ایبل لوگوں میں آپ کا شمار تھا ۔ حقیقی معنوں میں بالکل جنٹلمین مگر تھے پوری طرح اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ۔ آپ جس تہذیب کے نمائندے تھے وہ تہذیب اب ختم ہوچکی ہے ۔ حیدرآباد میں دستیاب ہونے والے انگلش فرموں کے قیمتی پارچہ جات خریدتے اور عمدہ سلائی کا ضرورت سے زیادہ اہتمام کرتے ۔ آپ کے زیر استعمال جتنی اشیاء ہوتیں ان سب پر میڈ ان انگلینڈ یا میڈ ان جرمنی لکھا ہوتا تھا ۔ شیروانی موسم کا اعتبار کرتے ٹوئیڈ ، سلک ، مول اسکن ، شارک اسکن کی ہوتی ۔ ایسو کا پاجامہ ، ململ کا کرتا سر پر کرسٹی ٹوپی ، پیسر میں کالا پمپ شوز ، قیمتی پاتابے استعمال کرتے ۔ عابد ، میر حسن اور یونس کی دوکانوں سے جو اس وقت حیدرآباد کی مشہور اور بڑھیا شاپیں تھیں سامان کی خریدی کرتے ۔

حیدرآباد میں ابتداءً انگلینڈ سے چند سیکلیں مارکٹ میں آئی تھیں جس میں سے ایک سیکل حضرت بحرالعلومؒ کے عم زاد بھائی مولوی احمد حسین صدیقی صاحب نے خریدی اور ایک سیکل والد نے خریدی اور غالباً تین چار سیکلیں یہاں کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے خریدیں ۔ والد فرماتے تھے اس زمانے میں ۔ چونکہ سیکل پہلی بار یہاں دیکھنے میں آئی تھی تو راستہ چلنے والے سیکل سوار کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ اور پولیس کا جوان بازو سے گذرنے پر باقاعدہ سیلوٹ کرتا تھا ۔

لے نے فیشن ایبل ہونے کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے ۔ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتے ۔ رمضان میں زندگی بھر تراویح کی پابندی کی ۔ مسجدوں کو آباد کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے ۔ ہر جمعہ برسابرس بعد نماز فجر یا نماز عصر تا مغرب ختم خواجگان پڑھتے ۔ نہایت ذاکر شاغل اور تہجد گذار تھے ۔ وظیفہ حسنِ خدمت حاصل کرنے کے بعد رات میں سوتا ہوا گھر والوں نے نہیں دیکھا ۔ البتہ دن میں کچھ دیر سوجاتے تھے ۔ آپ کا قلب جاری تھا ۔ صوت سرمدی شدت سے کھلتی تھی ۔ والدہ جب تک بقید حیات رہیں انہوں نے اور والد نے صوتِ سرمدی کا شغل برسوں کیا ۔ صوتِ سرمدی اور دل کی حرکت کو یکساتھ ذات بے چوں پر منطبق کرنے سے سارا عالم کھل جاتا ہے ۔ والد کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل تھی ۔ والد اور والدہ میں باہم جو محبت تھی خاندان میں بطور مثل پیش کی جاتی تھی ۔ خود حضرت والد سے بے حد محبت رکھتے تھے ۔ اکثر فرماتے تھے نواب دولھے میاں (یعنی میرے والد) اور یوسف پاشا (یعنی حضرت کے بھتیجے اور داماد محمود عبدالصبور صدیقی صاحب) سے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی ۔ والد کے آداب و تمیز کی تعریف کرتے اور ان کا خود بھی بڑا لحاظ فرماتے ۔

زندگی میں جتنے خارزاروں میں سے آپ کو وقتاً فوقتاً گزرنا پڑا آپ کی وضعداری نے دوسروں کو اس کا احساس ہونے نہ دیا ۔ آپ جس محفل میں تشریف لے جاتے اہلِ محفل پر آپ کی باوقار شخصیت کا اثر پڑتا لوگ اپنی جگہ سنبھل جاتے ۔ اور آپ مرکز توجہ بن جاتے ۔ ابتداء میں چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی رکھتے تھے ۔ وظیفہ پر سبکدوش ہوجانے کے بعد بڑھالی تھی ۔

آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا ۔ اردو ادب سے خاص لگاؤ تھا ۔ علمی اور ادبی ماہوار رسالے مثلاً نیرنگ ، سب رس ، ہمدرد ، مخزن ، تمدن عصمت ، زمانہ وغیرہ ۔ مختلف رسالوں کی خصوصی اشاعتیں ، سالنامے منگواتے اور خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرتے ۔ میں ہوش سنبھالنے کے بعد دیکھا کرتا تھا کہ وہ اہل قلم حضرات مثلاً منشی پریم چند ، باقر علی داستاں گو ، مرزا عظیم بیگ چغتائی ، قاضی عبدالغفار ، فرحت اللہ بیگ ، شوکت تھانوی ، راشد الخیری ، علی عباس حسینی ، کرشن چندر ، کنہیالال کپور وغیرہ کے رسالہ جات یا مضامین جب بھی شائع ہوتے خرید کر لاتے ، عام طور پر تعطیل یا پھر رات میں والدہ کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے ۔

خواجہ حسن نظامی اور ملا واحدی کا جاری کردہ رسالہ " نظام المشائخ " اور خواجہ صاحب کا رسالہ " منادی " مولانا ابو کلام آزاد کے اخبارات " الہلال " اور " البلاغ " بھی مطالعہ میں رہا کرتے ۔ مولانا آزاد کے پرزور اداریوں کو بیحد پسند فرماتے تھے ۔ اور غالبؔ کے رقعات کی بھی تعریف کرتے تھے ۔

صاحب طرز ادیبوں مثلاً مولانا ابوکلام آزاد ، خواجہ الطاف حسین حالی ، علامہ شبلی نعمانی ، مولوی نذیر احمد ، محمد حسین آزاد ، مولانا سلیمان ندوی خود حضرت کا اور دیگر اہل قلم کا لٹریچر آپ کے مطالعہ میں رہتا تھا ۔ اہلِ سلسلہ بزرگان دین اور بعض ممتاز صوفیا کی تصانیف بھی نظر سے گذر چکی تھیں ۔

فقہ حنفیہ پر پوری طرح نظر تھی ۔ حدیث میں تجرید البخاری کا حضرت سے درس لیا تھا ۔ حضرت نے روایت کی سند بھی عطا کی تھی ۔ فنِ تجوید کی تعلیم بھی حضرت ہی سے پائی اور تجوید کے ساتھ پورا قرآن سنا کر حضرت سے سند روایت بھی حاصل فرمائی تھی ۔

اپنی ادبی زندگی کا آغاز بعض مضامین لکھ کر کیا ۔ آپ کے مضامین میں منظر نگاری ، جذبات کی ترجمانی ، زبان کی سادگی ، شگفتگی اور روانی پائی جاتی تھی ۔ تراکیب کی حسین آمیزش ، پُراثر مکالمے ، طنز و مزاح اور تنقید سے آپ کے مضامین مملو ہوتے تھے ۔ بعض مزاحیہ مضامین میں اسلوب شوخی و بے باکی تک بھی جا پہنچا تھا ۔ آپ کے مضامین کے مطالعہ سے آپ کی نگاہ کی وسعت ، احساسات کی لطافت اور قوتِ بیانی کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا تھا ۔ آپ خود بھی صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے ۔

آپ نے بچوں کے لئے روحِ جغرافیہ ،اور جغرافیہ الطفل دو رسالے لکھے تھے ۔ جو تعلیمات کے نصاب کے عین مطابق تھے ۔ داخل نصاب کئے جانے کے سلسلہ میں گورنمنٹ میں پیش بھی ہوئے ۔ وہاں سجاد مرزا صاحب جو ٹیچرس ٹریننگ اسکول کے پرنسپل تھے ان کی کتابیں بھی ساتھ ہی پیش ہوئی تھیں ۔ والد کی دونوں کتابیں بے حد پسند کی گئیں ۔ مگر سجاد مرزا صاحب کی کتابوں کو منظور کرکے شریک نصاب کیا گیا ۔ اور والد کی دونوں کتابیں بھی زائد از نصاب کے طور پر رکھی گئیں ۔ البتہ اتنا ضرور رعایت رکھی گئی کہ یہ دونوں کتابیں اگر کسی اسکول میں پڑھائی جائیں تو اس کی اجازت رہے گی ۔ چنانچہ آپ کی دونوں کتابیں ایک عرصہ تک مختلف مدارس میں پڑھائی جاتی رہیں ۔ اور بہت مقبول ہوئیں ۔

حضور نظام حکیم السیاست بھی تھے ۔ انھوں نے اہل سنت والجماعت اور اہلِ تشیع کے درمیان یکساں تعلق پیدا کرنے کی غرض سے ایک راہ نکالی اور تفضیلیت کو اختیار کیا ۔ خلفائے راشدین کے جو مدارج اہلِ سنت و الجماعت میں مسلمہ ہیں اس سے گریز ایک فتنہ تھا ۔ وہ بادشاہ تھے کچھ مذہبی پیشوا تو نہ تھے ۔ مگر اس کا اثر یہاں کے مشائخین پر جن کی اکثریت سادات کی تھی بُرا پڑا اور ان کو اہلِ سنت و الجماعت کے مسلک سے ہٹانے اور تفضیلیت کی طرف مائل کرنے کا موجب بنا ۔ چنانچہ والد نے ایک کتاب " الفضائل " نہایت مبسوط تالیف فرمائی ۔ جس میں دین کی پہچان ، محمد رسول اللہ کی شان ، قرآن کی عظمت ،حدیث کا مقام ،اسلام کی اخوت ، ملت میں اہلِ بیت اطہار ، صحابہ کرام کی فضیلت ، خلفائے راشدین کے مدارج قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں صراحتاً پیش فرمایا ۔ اس کتاب کے ملاحظہ سے قرآن و حدیث پر آپ کی نظر کی گہرائی اور دینی فہم و ادراک کی صحت مندی کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت ، شخصیت ، نقطہ نظر ، وسعت علم ، اصابت فکر کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ وہیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے خیالات ، جذبات اور افکار کے اظہار کے لئے جو زبان ، لہجہ اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ موقع و محل کے اعتبار سے کتنا مناسب اور درست ہے ۔ اور آپ کی قوت استدلال اظہار حق میں کتنی قوی اور مستحکم ہے ۔ یہ کتاب جو (۲۰۱) صفحات پر مشتمل ہے ماہ ربیع الاول ۱۳۷۶ ھ میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر علماء میں مقبول ہوئی ۔

حضرت نے اس کتاب کو کامل طور پر سماعت فرمانے کے بعد اپنی رائے اس طرح تحریر فرمائی احسنت ما کتبت فماذا بعد الحق الا الضلال (آپ نے جو لکھا خوب لکھا پس اب حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے) گویا کتاب پر قرآنی آیت کے ذریعہ مہر توثیق ثبت فرمادی ۔

آپ نے فاتحہ کے جواز پر بھی دل نشین انداز میں ایک رسالہ " لزوم فاتحہ " کے نام سے لکھا ہے جو پسند کیا گیا ۔ آپ نے فرمایا تھا کہ " اس کی دوبارہ اشاعت کے وقت ٹائٹل بدل کر رسالہ کو کسی اور موزوں نام سے موسوم کردیا جائے " ۔

کتاب الفضائل جب پریس میں دوران طباعت تھی اسی زمانہ میں ایک مرتبہ آپ اپنے پلنگ پر نیم دراز لیٹے ہوئے تھے ۔ اچانک غنودگی سی معلوم ہوئی ۔ آپ نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ کو مخاطب کرکے السلام علیکم فرمایا والد نے جواب میں و علیکم السلام کہا اور احتراماً اٹھ بیٹھے اور بیدار ہوگئے ۔

اسی زمانہ میں ایک مرتبہ والد کرسی پر تشریف فرما تھے ۔ اچانک غنودگی سی طاری ہوئی اور دیکھا کہ حضرت بحرالعلوم عبدالقدیر ، امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے اور والد کو مخاطب کرکے فرمایا " یہ حضرت مولیٰ ؓ ہیں آپ سے ملو ، والد نے حضرت مولیٰ ؓ سے شرف قدم بوسی حاصل کیا ۔ اور ساتھ ہی بیدار ہوگئے ۔ (ایک مرتبہ والد نے مجھ سے فرمایا روز جب میں نیند سے بیدار ہوتا ہوں تو میری نظر سب سے پہلے چچا حضرت کے چہرہ انور پر پڑتی ہے) ۔

اصل میں والد بغیر کسی نمائش اور دعوؤں کے باطناً بڑے مرتبہ کے فقیر تھے ۔ جس کو انھوں نے زندگی بھر پوشیدہ رکھا تھا ۔

مگر آپ کی موت نے بالآخر ظاہر کردیا کہ یہ خاک نشین در حقیقت عرش پرواز تھا ۔ عام طور پر لوگ عرش پروازی کی باتیں تو کرتے ہیں مگر ان کو خاک نشینی تک صحیح طور پر نہیں آتی ۔

انسان اور موت میں آج تک مفاہمت نہ ہوسکی اور نہ آئندہ ممکن ہے ۔ انسان موت تو تسخیر کرسکا ہے اور نہ کرسکتا ہے اور نہ موت انسان کے کارناموں کو بے نو کرسکتی ہے ۔ موت مامور و مجبور ہے اپنے کو بدلنا اس کے لئے ممکن نہیں مگر انسان موت کی طرح مجبور نہیں وہ اپنے کو لاانتہاہی حد تک بہتر اور برتر بنا سکتا ہے ۔ صرف یہی نہیں وہ مرکر نہیں مرتا بلکہ زندہ جاوید ہوسکتا ہے اور ہوجاتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ خدا اور رسول کے رنگ میں رنگین ہوجائے اور اس کا آخری کلمہ - کلمہ طیبہ " رہے ۔

والد بھی ان ہی لوگوں میں کے ایک تھے ۔ جو مرکر بھی نہیں مرے اور زندہ جاوید ہوگئے ۔ ان کے زندہ جاوید ہوجانے کی خود ان کی موت نے گواہی دی ۔ اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ آخر زمانہ میں ان کی صحت گر چکی تھی ۔ آپ کے عم زاد بھائی اور برادرِ نسبتی حضرت کے صاحبزادے اور جانشین مولوی عبدالرحیم صدیقی صاحب کا انتقال ہوا تو سواری میں " صدیق گلشن " تشریف لائے ۔ سواری سے اترنے کی طاقت نہیں تھی ۔ مجبوراً سواری میں تشریف فرمارہے ۔ قبر تیار ہوچکی تھی اور حضرت کے ٹھیک پائین میں تھی ۔ یہ دیکھ کر اپنے فرزند میرے بھائی مصطفےٰ عتیق الدین صاحب سے فرمایا " رحیم صاحب بھائی ٹھیک پائین میں ہیں تو پھر میرے لئے جگہ کہاں ہے ؟ یہ ظاہر ہورہا تھا کہ وہ تیسر کی طرح ٹھیک پائنتی اپنی تدفین چاہتے ہیں ۔ چوبیس دن بعد آپ کی باری آئی ۔ (۲۳ ۔ شوال ۱۳۸۸ ھ) علی پاشا صاحب نے رحیم پاشا صاحب کے بازو قبر تیار کرنے کا حکم دیا اور کام شروع بھی ہوگیا تھا ۔ ہم بھائیوں نے حاضر ہوکر عرض کیا " والد حضرت کے ٹھیک پائین میں اپنی تدفین چاہتے تھے ۔ ان کی اس خواہش کی تکمیل ضروری ہے " ۔ علی پاشا صاحب نے فرمایا " وہ بڑے بھائی تھے اور بزرگ آدمی تھے ان کو بھائی جان کے پائنتی کس طرح دفن کیا جاسکتا ہے " ۔ ہم نے عرض کیا " رحیم پاشا صاحب والد کے مرشد زادے بھی تو تھے ۔ کچھ ہرج نہیں والد کی خواہش تو پوری ہوجائے گی ہمارے معروضہ کو علی پاشا صاحب نے بیحد اصرار پر قبول فرمالیا ۔ چنانچہ والد کی خواہش کے عین مطابق ان کی تدفین حضرت کے ٹھیک پائین میں عمل میں آئی ۔

وصال کے وقت والد کی عمر اسی (۸۰) سال سے چند ماہ (چار ماہ چودہ دن) متجاوز ہوچکی تھی ۔

اب اس زندہ جاوید کی موت کا حال بھی سنئے ۔

عین وصال کے دن حضرت کے صاحبزادے احمد پاشا صاحب اور ان کی محلِ محترمہ کو جو پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد پہلی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے تھے ۔ دوپہر کے خاصہ پر مدعو فرمایا تھا ۔ دونوں کی ہر طرح تواضع کی ۔ طبیعت میں اندرونی طور پر ناقابل بیان حالت گذر رہی تھی ۔ مگر اپنے پر اتنا قابو حاصل تھا کہ مہمان کو اندرونی افتادِ طبیعت کا اندازہ چہرے کے تاثرات سے تک نہ ہونے دیا ۔ اور پوری خوش دلی اور خوش گواری کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے ۔ ان کی ملازمت اور دیگر احوال اور بالخصوص اپنے فرزند میرے تیسرے بھائی محمد نورالدین صدیقی کے تعلق سے سوالات کئے ۔ اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ۔ طبیعت میں حد درجہ پستی تھی پلنگ پر نیم دراز ہوگئے اور اسی حالت میں گفتگو فرماتے رہے ۔

اسنے میں علی پاشا صاحب کے فرزند حسین پاشا عیادت کی غرض سے تشریف لائے تو ان کے لئے خاصہ کا اہتمام کروایا اور خود تواضع نہ کرسکنے کی معافی چاہتے رہے اور ان کی عیادت کی غرض سے زحمت کرنے کا شکریہ ادا کیا ۔ انتقال سے پون گھنٹہ پیشتر احمد پاشا صاحب نے واپسی کی اجازت چاہی ۔ ان کے لئے سواری منگوائی ۔ کسی کو کیا خبر تھی کہ خلوص و محبت و فرحت کا یہ پیکر مجسم کچھ دیر کا مہمان ہے ۔ دونوں میاں بیوی رخصت ہونے لگے تو ان کو خدا حافظ کہا اور یہ شعر بھی پڑھا

بہ سفر فتنست مبارکباد ÷ بسلامت روی و باز آئی

دونوں کے روانہ ہوتے ہی اپنی ایک بہو سے بستر درست کرنے کہا اور اپنے ایک فرزند سے فرمایا - تم فوراً جاؤ اور مبارک پاشا (ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی صاحب) کو فوری ساتھ لاؤ - میری طبیعت بگڑ رہی ہے - ہوش و حواس آخر تک پوری طرح برقرار رہے -

میری نظر والد کی آنکھوں پر پڑی تو ان میں ناقابل بیان مستی غیر معمولی چمک اور چہرے پر عجب طرح کی دمک اور تابش دیکھی جو میں نے آج تک کسی میں نہیں دیکھی تھی - دراصل پروردگار عالم کی یاد فرمائی اور نورِ محمدی کی ضو افشانی تھی - داعی قلب نے آگاہ کیا کہ ان کا وقت آخر آ پہنچا ہے قریب ہے کہ یہ اپنے رب سے جاملیں - میں فوراً والد کی خدمت میں جا پہنچا - ان کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا - ان کے ہاتھوں اور پیروں کو دبانے پیشانی اور سر کو سہلانے لگا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک پیش نظر ہوا تو درود پڑھتا گیا - اور چہرہ انور اور جسم اطہر پر غیر ارادی طور پر دونوں ہاتھ پھیرتا گیا - اور اپنے چہرہ اور جسم پر ملتا گیا - اپنی آخرت کا خیال آیا تو والد سے دعائے مغفرت کا طالب ہوا - اور عرض کیا " باواجان ! آپ میرے لئے دعا فرمائیے " - انھوں نے مجھے مختلف دعائیں دیں - میں نے پھر عرض کیا - باوا جان ! آپ میری مغفرت کی دعا فرمائیے - اس معروضہ پر آپ نے دعا دی " اللہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صحابی بنائے - یہ دعائیہ الفاظ جس میں درود شامل ہے والد کے آخری الفاظ تھے - مجھے محسوس ہوگیا کہ وہ اب ہماری طرف نہیں ہیں - والد نے کہنیوں کے بل پر اپنے اوپری حصہ جسم کو اونچا کیا اور لا الہ الا اللہ کا ذکر جہر سے کرنا شروع کیا اور باقاعدہ اپنے قلب پر ضرب لگانے لگے - اتنے میں ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی صاحب (مبارک پاشا) بھی آپہنچے اور پلنگ پر بیٹھ کر والد کے سر کو اپنے سینے سے سہار لیا - سارے بھائی اور بھاوجیں اور میری اہلیہ یہ سب پلنگ کے اطراف جمع ہوگئے - والد برابر لا الہ الا اللہ کا بالجہر ذکر کئے جارہے تھے اور باقاعدہ قلب پر ضرب بھی لگارہے تھے - ہم سب ان کے ساتھ ذکر میں شامل ہوگئے اچانک چہرے سے ایک کرب کی سی کیفیت نمایاں ہوئی اور ڈوبتی ہوئی آواز میں محمد رسول اللہ کے الفاظ سب کو صاف سنائی دیئے اور ان کی روح قفس عنصری سے آزادی حاصل کرکے حیات النبی سے نئی زندگی پائی -

مبارک پاشا صاحب نے والد کا سر اپنے سینے سے تکیہ پر رکھ دیا - بجائے رونے اور غم کا اظہار کرنے کے میں نے والد کی قابلِ رشک موت پر سب بھائیوں کو مبارکباد دی - ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے - پھر سب بھائی ایک دوسرے سے گلے ملتے گئے اور باہم مبارکباد پیش کرتے گئے - میری اہلیہ اور بھاوجیں بھی ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرکے ایک دوسرے سے گلے ملیں - ہم سب نے اپنے قلوب کو اس فضل عظیم پر شکر گذار پایا - اور اللہ نے ہم پر رحمت و سکینیت اتاردی والحمد للہ رب العٰلمین -

چوتھے داماد محمود عبدالصبور صدیقی

حضرت کے چوتھے داماد مولوی محمود عبدالصبور صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد عبدالمقتدر صدیقی فضل رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دوم تھے - تاریخ ولادت ۷/ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ روز دو شنبہ تھی - آپ مختون تولد ہوئے - یوسف پاشا عرف تھا - فضیلت تخلص فرماتے تھے -

ابتدائی تعلیم ضلع میدک کے اسکول میں ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد صدر مدرسہ تھے - حدیث و فقہ کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، تفسیر و فلسفہ کا درس اپنے بڑے چچا و خسر محترم حضرت بحرالعلوم سے لیا - عربی ادب میں مولانا سید ابراہیم صاحب ادیب اور مولوی سید نبی صاحب سے استفادہ فرمایا - مولوی عبدالواسع صاحب سے منطق پڑھی - فن تجوید میں آپ کے استاد حافظ قاری فضل علی صاحب تھے - ان کا اپنا ایک خاص لحن تھا - آواز میں مٹھاس اور درد بلا کا تھا - نہایت جید حافظ تھے -

موصوف نے عثمانیہ یونیورسٹی سے بی ۔ اے کامیاب کیا اور تعلیمات کے سررشتہ سے منسلک ہوگئے ۔ اور ساتھ ہی آپ کی شادی بعمر ۲۵ سال آپ کی چچازاد بہن حضرت کی صاحبزادی میمونہ بیگم عرف خواجہ بیگم صاحبہ سے کردی گئی ۔ آپ کا ابتدائی تقرر کاماریڈی کے وسطانیہ مدرسہ پر ہوا جو بعد میں فوقانیہ بنا ۔ ضلع نظام آباد اور ضلع محبوب نگر کے مدارس پر برسوں کام کرنے کے بعد آپ کا تبادلہ شہر حیدرآباد میں چنچل گوڑہ ہائی اسکول پر عمل میں آیا ۔ دورانِ ملازمت آپ نے ڈپ ۔ ایڈ کیا ۔ اور عربی ادب سے ایم ۔ اے بھی کیا ۔ بعد میں ورنگل کالج پر بحیثیت لکچرر مقرر ہوئے ۔ حیدرآباد میں ویمنس کالج ، نظام کالج ، چادر گھاٹ کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی میں عربی کے ریڈر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۔ وظیفہ حسنِ خدمت حاصل کرنے کے بعد بھی مختلف مقامات اور مساجد میں عربی کا درس جاری رکھا ۔ گھر پر بھی لوگ حاضر ہوکر استفادہ کرتے تھے ۔

انھوں نے اپنے شاگردوں سے کبھی فیس نہیں لی اور نہ کسی اور صورت میں ہدیہ یا نذرانہ ہی قبول کیا ۔ آج کل کے اساتذہ کی طرح انھیں اسباق پہلے سے تیار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ مضمون کی تفصیلات ان کے ذہن میں محفوظ اور تازہ رہتی تھیں ۔

آپ نے بچوں میں عربی کا ذوق پیدا کرنے کی خاطر عربی زبان میں متعدد ڈرامے کروائے جس کو اساتذہ اور صدر مدرسہ نے بہت پسند کیا خود بھی عربی زبان میں ایک ڈرامہ " عاقبتہ الخیانہ " لکھا جو مطبوعہ ہے ۔ ایک عرصہ تک نصاب میں شامل رہا ۔ معقول پسندی اور حسن تدبیر پر زیادہ زور دیتے تھے ۔ علوم پر اچھی نظر تھی بالخصوص عربی ادب پر حاضر علم تھا ۔ موصوف کے سامنے اردو یا فارسی کا کوئی اچھا شعر پڑھا جاتا تو اکثر وہ اس سے ملتے جلتے مضمون کا عربی شعر سنادیتے تھے ۔ تجوید پر موصوف کا رسالہ " مفتاح التجوید " نہایت بافیض رسالہ ہے اس کے بے شمار ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں ۔

دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں اہلیہ محترمہ اور چھوٹی لڑکی کے ساتھ اور دوسری مرتبہ ۱۹۸۰ء میں اپنے مخصوص مریدوں کے ساتھ ۔

۱۳۵۰ ھ میں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ عراق کا سفر فرمایا ۔ بغداد شریف ، کربلائے معلی ، نجف اشرف کاظمین شریفین ، سامرہ ، بصرہ وغیرہ کی مختلف درگاہوں پر حاضری دی اور فیوض سے مشرف ہوئے ۔

موصوف میرے خالو تھے اور رشتہ میں چچا ، ماموں اور پھوپھا بھی ہوتے تھے ۔ جس وقت وہ کاماریڈی کے مدرسہ پر کارگذار تھے میں جماعت دوم میں زیرِ تعلیم تھا ۔ ان کی بڑی لڑکی عارفہ شیر خوار بچی تھی ۔ خالہ صاحبہ کی تنہائی کا خیال کرتے میری والدہ نے والد سے کہہ کر مجھے موصوف کے ساتھ کاماریڈی روانہ کردیا ۔ میں تقریباً دو سال وہاں ان کے ساتھ رہا ۔ اس طرح مجھے موصوف کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ۔ موصوف کا تبادلہ جب حیدرآباد میں چنچل گوڑہ ہائی اسکول پر ہوا تو اس وقت میں بحیثیت مدرس وہاں کارگذار تھا اور جماعت نہم کا کلاس ٹیچر تھا ۔ تقریباً دو سال موصوف کے ساتھ ساتھی مدرس کی حیثیت سے کام کرنے کا بھی موقع ملا ۔ اسی بنا پر ان کی شخصی خوبیوں کو بچشم خود قریب سے دیکھنے کا مجھے موقع مل سکا ۔

فرائضِ منصبی کو محض فرض سمجھ کر نہیں پورا کرتے تھے بلکہ اس کے ادا کرنے میں لطف اٹھاتے ۔ موصوف سے طلباء مسرور بھی رہتے اور مرعوب بھی اور دل سے احترام کرتے تھے ۔ وہ اسکول ہو یا کالج سب سے الگ تھلگ رہتے تھے ۔ اور اپنے کام سے کام رکھتے تھے ۔

موصوف نہایت پاکیزہ سیرت کے مالک تھے ۔ وہ مزاج کے بہت نرم تھے ۔ بات کرتے وقت چہرے پر مسکراہٹ رقصاں رہتی اور انکساری اور معصومیت ٹپکتی تھی ۔

موصوف بالکل زاہد خشک نہ تھے ۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا ۔ باتوں ہی باتوں میں ایسے ایسے فقرے ، لطیفے کہہ جاتے کہ سننے

والوں کی طبیعت باغ باغ ہوجاتی ۔ وہ خود نہیں ہنستے تھے دوسروں کو ہنسادیتے اور خود مسکراتے تھے ۔ اس کے باوجود ہر موقع اور ہر مقام پر اپنا وقار قائم رکھتے تھے ۔ نہایت خود دار انسان تھے ۔ جسے دوست رکھتے اس سے نہایت خوش ہوکر آگے بڑھ کر ہی کھول کر ملتے اور کوئی نہ کوئی خوش دلی کا فقرہ ضرور کہتے ۔ ان میں وہ تمام صفات پائی جاتی تھیں جو انسان کو حقیقی معنوں میں قابلِ احترام بناتی ہیں ۔

موصوف کی زندگی نہایت سیدھی سادھی اور پاکیزہ تھی ۔ وہ پکے مولوی تھے ۔ بے سروپا باتیں نہ خود کرتے اور نہ سنتے تھے ۔ دل و دماغ نہایت متوازن تھا ۔ اور شخصیت نہایت دل آویز تھی ان میں تعلی نام کو نہ تھی ۔ تبسم ان کی شخصیت کا جز تھا ۔

نماز کے سختی سے پابند تھے ۔ احباب میں ہوتے تو اس خوبی سے نماز کے لئے اٹھ جاتے کہ دوسروں کو یہ محسوس بھی نہ ہوتا کہ وہ تو نماز پڑھنے جارہے ہیں ۔ اور دوسرے خوش گپیوں میں مصروف ہیں ۔ کسی کو ندامت میں مبتلا ہونے نہ دیتے اور نہ اپنی زندگی اور دین داری کی نمائش ہی کرتے موصوف نے فرائض مذہبی کو ڈرانے دھمکانے یا فخر و پندار کا ذریعہ کبھی نہ بنایا ۔

ملاقات کی غرض سے آنے والوں سے ہمیشہ محبت آمیز مدارات سے پیش آتے تھے ۔ پان بہت کھاتے تھے ۔ پان میں زردہ استعمال کرتے تھے ۔ ہر آنے والے کی تواضع پان سے ضرور کرتے ۔ بعض وقت تو اپنے ہاتھ سے پان بناکر پیش کردیتے تھے ۔ پان کا بٹوا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا ۔

وہ اخبار پڑھنے کے اس قدر خوگر تھے کہ بغیر اخبار پڑھے رہ نہیں سکتے تھے ۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ بھی فرماتے ۔ اسلامی ممالک کی ترقی اور خوشحالی اور وہاں کے سیاسی حالات کے بارے میں بیحد دلچسپی رکھتے تھے ۔ وہاں کی سیاسی اور مذہبی خرابیوں پر ملول ہوتے اور ان کی جا خوشحالی اور سلامتی کے لئے دعا فرماتے ۔

ایم ۔ اے کی تیاری کے زمانہ میں زوجہ محترمہ تقریباً دو سال دماغی توازن کھو بیٹھی تھیں ۔ اس پریشانی میں بھی موصوف کی پیشانی پر بل تک نہ آیا ۔ ان کی راحت کی جزئیات پر جیسی ان کی نظر تھی اس کی مثال بہت کم ملے گی ۔ ملازمت اور علمی مشاغل سے فرصت ملتی تو بیوی کی دلجوئی اور ان کا بیماری سے خیال ہٹانے کی مسلسل فکر کرتے ۔

ایک مرتبہ جب موصوفہ اپنے والد کے پاس مہمان تھیں ۔ حضرت نے ان کا حال ملاحظہ فرمایا تو بیٹی سے فرمایا " باوا ! یوسف لکھنے پڑھنے والا آدمی ہے دوسرا عبدالقدیر ہے اس کو تنگ مت کیا کرو ۔

وہ مکروہات دنیا میں کبھی بھول کر بھی نہ پھنسے ۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اسم بامسمیٰ اور یوسف بافیض تھے ۔

موصوف کی آخری اور طویل بیماری میں ان کی منجھلی لڑکی اور داماد اور نواسے (منجھلی لڑکی کے فرزند) شاہد نے جس محبت ، عقیدت اور دل جمعی سے ان کی خدمت اور تیمارداری کی ہے وہ قابلِ قدر ہے ۔ شاید بیٹا بھی ہوتا تو ایسی خدمت نہ کرسکتا ۔

علم کی یہ شمع جو عرصہ دراز سے اپنی آخری منزلیں طے کررہی تھی بالآخر ۲۹ / ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ بروز دوشنبہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی ۔ موصوف " مرقد عشاق " واقع عیدی بازار اپنے والد کے پائین میں مدفون ہیں ۔

میرے دل و دماغ میں ان کی قابل تقلید سیرت اور ان کی بےانتہا شفقت اور محبت کی ناقابلِ فراموش یاد محفوظ ہے ۔

موصوف کو بیعت و خلافت اپنے والد سے حاصل تھی ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری تھا ۔ خاصی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہیں ۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کی بناء پر اپنے منجھلے داماد فیاض الدین علی صدیقی کی ہر طرح تربیت فرمائی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے بعد اپنا جانشین منتخب فرمایا ۔ چنانچہ وہ اپنے خسرِ محترم کی پوری طرح نیابت کررہے ہیں ۔ والحمد للہ علی ذالک ۔

بڑے پوتے ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی

حضرت کے بڑے پوتے ڈاکٹر محمد عبدالعلیم صدیقی صاحب مولوی محمد عبدالرحیم صدیقی صاحبؒ کے فرزند اکبر ہیں ۔ مبارک پاشا عرف ہے ۔ ارمان تخلص فرماتے ہیں ۔ تاریخ ولادت ۲۶ / ذی الحجہ ۱۳۴۶ ھ ہے ۔

عثمانیہ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کی ڈگری لی ۔ خانگی پراکٹس کرتے ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ قرآنی آیتوں سے مایوس العلاج مریضوں کا علاج بھی کرتے ہیں ۔ مایوس العلاج مریض اللہ تعالیٰ سے مایوس ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ سے مایوس ہونے سے ایمان میں خلل پڑتا ہے ۔ آپ کے یہاں دوا سے بھی علاج کیا جاتا ہے اور دعا سے بھی ۔ مایوس العلاج مریضوں کے ایمان میں تقویت پہنچتی ہے اور ان میں خدا کی شکر گذاری پیدا ہوتی ہے ۔ خدا سے ربط و تعلق استوار ہوجاتا ہے مگر اس طرح لوگوں کے ایمان میں تقویت پہنچانے کے لئے آپ کے جیسا ایمان و یقین بھی درکار ہے اور ایسی شفاء کا پرتو بھی درکار ہے جو شافی مطلق آپ سے نمایاں کر رہا ہے ۔

فن تجوید کی تعلیم حیدرآباد کے مشہور قاری میر روشن علی صاحب سے حاصل فرمائی ۔ جو فن تجوید میں استاذ الاساتذہ کے منصب پر فائز تھے ۔ تجوید میں موصوف نے برسوں ریاض کیا ۔ مخارج کی ادائی میں کمال حاصل کیا ۔ خود مولوی روشن علی صاحب کے ہمدرس مولوی قاری کلیم اللہ حسینی صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ خود روشن علی صاحب اپنے اس شاگرد پر نازاں تھے ۔ تجوید کے ایک جلسہ میں مولوی روشن علی صاحب کے ہمدرس مولوی قاری کلیم اللہ حسینی صاحب نے دوران تقریر کہا کہ " مولوی روشن علی صاحب نے زندگی میں بے شمار قاری پیدا کئے جن میں بہت سے شاگرد نہایت ممتاز بھی نکلے ۔

مولوی سید نبی صاحب استاذ عربی جن کا عربی میں اول تا پنجم درسی کتابوں کا سلسلہ ہے اور نہایت معیاری ہے ۔ موصوف بغرض تحصیل علم ان کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے موصوف سے دوران تعلیم ایک عنوان دے کر اس پر مضمون لکھنے کہا ۔ آپ نے مضمون لکھ کر پیش کیا تو دیکھ کر فرمایا " یہ تو پکی پکائی ہانڈی میں لے اتارلی ہے " ۔ بعد میں وہ فرمایا کرتے تھے " میرے بعد عربی ادب میں میرا اگر کوئی جانشین ہے تو وہ عبدالعلیم صدیقی صاحب ہیں " ۔

عربی کے ایم ۔ اے کے طلباء آپ کے دولت خانہ پر جمع ہوتے اور آپ سے تحصیل علم کرتے ہیں ۔ کتنوں کو آپ کی بدولت ایم اے کی ڈگری مل سکی ۔ اب تو یہ عالم ہے کہ ایسے ریسرچ اسکالر جو ڈاکریٹ کی ڈگری حاصل کرنے مقالے لکھتے ہیں تو ان کے مقالوں میں آپ کی روح کار فرما رہتی ہے ۔ موصوف عربی ادب کے موجودہ ڈکشن سے بھی واقف ہیں جو عربی ممالک میں اس وقت رائج ہے ۔

تفسیر ، حدیث ، فقہ اور دیگر علوم دینیہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں ۔ آپ کو دیکھ کر کسی کو یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آپ کا علم کتنا مستحضر ، کتنا وسیع اور کتنا عمیق ہے ۔ اور کس کس فن میں کتنا کمال رکھتے ہیں ۔ حضرت اکثر آپ کو دعا دیا کرتے تھے کہ " اللہ تم کو میرا علم اور تمہارے باوا کا تقویٰ عطا کرے " ۔ مولوی عبدالرحیم صاحب سن پاتے تو اپنے دونوں کان پکڑتے اور سر جھکا دیتے ۔

موصوف کے بڑے چچا مولوی عبدالعزیز صاحب بڑے جامع الکمال انسان تھے ۔ حضرت کی آل اولاد میں موصوف سے بڑھ کر کوئی ان کی یاد تازہ کرنے والا دوسرا نہیں ۔ آپ کو دیکھنے سے آپ کے والد ، بڑے چچا اور دادا تینوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے ۔ ایسے وقت میں جب کہ دنیا بدل چکی ہے ، تصورات میں رنگینی باقی رہی نہ حرارت ، عزائم میں نہ استواری ہے نہ برکت ، زندگی کی رفتار ہی نہیں اس کا رخ بھی بدل گیا ہے ۔

آپ کی نفسیاتی اور ذہنی پرداخت میں جہاں آپ کے والد کا حصہ ہے وہیں آپ کی والدہ کا بھی حصہ ہے ۔ آغوش مادر سے آپ

براہ راست اپنے دادا کے آغوش میں آئے اگر یہ بات نہ ہوتی تو اتنا ہمہ جہت موصوف ہونا ممکن ہی نہ ہوتا ۔ موصوف حضرت کی دعاؤں سے پیدا ہوئے ، بڑے پوترے تھے ، اصل سے سود پیارا کا مصداق تھے ۔ حضرت کی خصوصی توجہ ، حضرت کا فیض روحانی اور حضرت کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں ۔ اصل میں آپ منتخبہ لوگوں میں کے ایک ہیں ۔

ایک مرتبہ آپ حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے ۔ حضرت نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا ۔ باوا! ایک وقت ایسا آئے گا اللہ تم کو بہت سرفراز کرے گا ، بہت سرفراز کرے گا ۔ (اور ساتھ ہی ساتھ کلمہ کی انگلی سے اس طرح اشارہ کرتے جا رہے تھے گویا بات کا یقین ہونے کا اظہار فرما رہے ہوں ۔) پھر فرمایا ۔ اس وقت تم اپنے باوا کو نہیں بھولنا رحیم صاحب کا مقام بہت بلند ہے ، بہت بلند ہے ، بہت بلند ہے ۔ اس وقت آپ اپنے والد کی گدی پر بحیثیت جانشین فائز ہیں ۔ بحمداللہ اپنے والد کا نقش قدم بنے ہوئے ہیں ۔ اور حضرت کی دعا سے اللہ نے بہت سرفراز کیا ہے ۔

ہر بات میں دوسرے سے سبقت لیجانے کا جذبہ ان میں بچپن سے تھا ونیز قوت ارادی کی پختگی کے باعث وہ ہر فن میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ کر اپنی سطح پر فرد فرید ہیں ۔ آپ ان لوگوں میں کے ایک ہیں جن کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ یہ آدمی ایسا ہے جو آسمان سے تارے توڑ کر لاتا ہے ۔ مگر آپ کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ تارے خود ٹوٹ کر آپ کے دامن میں جمع ہوجاتے ہیں ۔

انگریزی ، عربی ، فارسی ، اردو اور ہندی ، ہر زبان میں نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں ۔ جس کسی ممتاز صاحب طرز شاعر کے اسلوب و آہنگ پر اشعار لکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود شاعر کی روح حاضر خدمت ہوکر لکھا رہی ہے ، اگر آپ کے اشعار اور شاعر کے اشعار ملا دیئے جائیں تو تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے ۔ الفاظ کو برمحل و بے تکلف اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ذوق کو تسکین ہو ۔ آپ کو جواہر پاروں سے کھیلنا خوب آتا ہے ۔

آپ کا قد اوسط سے نکلتا ہوا ، سینہ کشادہ ، اعضاء متناسب ، رنگ گورا نکھرتا ہوا ۔ نقشہ نرم و نازک ، آنکھیں روشن جس سے جذبات کا اتار چڑھاؤ چھلکتا رہتا ہے ۔ نظر تیز و پر اعتماد ، انداز میں سنجیدگی ، متانت و بانکپن ، انگلیاں ایسی جن میں قلم ، شمشیر و رباب سب ہی زیب دیں ۔ آپ میں جمالیاتی ذوق بھی معیاری ہے ۔ ہر کام میں معقول پسندی اور حسن تدبیر کو بڑا دخل ہے ۔

آپ نے مختلف قسم کے عطریات تیار کئے ۔ سینٹ ایسے کہ باہر کے سینٹوں کا دھوکا ہو ۔ ہیر آئیل ایسا تیار کیا کہ بال گرنے سے رکیں ، گھن پیدا ہو اور مزید سفید ہونے سے بچ جائیں ۔ اسنو اور شمپو بھی تیار کرتے ہیں ۔ فونٹین پن کی انک ایسی کہ جو نِب کو خراب کرے اور نہ پانی سے دھل جائے ۔ نہایت خوشبودار ، خوش رنگ ، منقش صابن تیار کیا ۔ ان تمام اشیاء کو لوگوں نے بہت پسند کیا اور شوق سے استعمال کرتے ہیں ۔ اونی سوئٹر مختلف ڈزائن کے تیار کرتے ہیں ان میں اتنی صفائی ہوتی گویا مشین کے تیار کردہ ہیں ۔ سادہ جالی پر کشیدہ کا کام مختلف ڈزائنوں کے ساتھ اس انداز کا کہ کارگے کا دھوکا ہو ۔ کروشیا کا کام تو کشیدہ کے مقابلے میں کیا چیز ہے جس کا تذکرہ کیا جائے ۔ پنٹنگ میں بھی کافی مہارت ہے ۔

مولوی حشمت علی صاحب قادر رقم سے جو اپنے زمانے کے مشہور اور ممتاز خوش نویس تھے ۔ خط نسخ اور خط نستعلیق میں اصلاح لی اور مہارت پیدا کرلی ۔

کتابت کی روشنائی فونٹین پن کے لائق تیار کی اور بعض مضامین کی کتابت بھی کی ۔ مضامین کی طباعت کے بعد خط کا اندازہ ہوا اور نوک پلک جس طرح ابھر آئے اس کو دیکھ کر بعض خوش نویس بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے ۔

آپ کو بچپن سے ورزش کا بھی شوق رہا ۔ بنوٹ تو خاندان کا بچہ بچہ جانتا ہے ۔ سرکس کے کمالات سے سب کو حیران کردیا ۔

ہاتھوں پر چلنا تو آپ کے لئے معمولی بات ہے۔
نیل ورک اس طرح کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے گویا ڈائی کے ذریعہ ابھارا گیا ہے۔
تندرستی، زندہ دلی، استقلال اور استقامت کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ جو بات کرتے ہیں پتے کی اور دل لگتی بات کرتے ہیں۔ اپنے بڑوں کا حد درجہ ادب کرتے ہیں۔ بچوں سے اس طرح شفقت سے پیش آتے ہیں گویا وہ آپ کے دوست ہیں۔ ضرورت پر اس طرح مدد کرتے ہیں کہ خود اپنے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔
آپ کی گفتگو میں شگفتگی، رنگینی اور زیبائی رہتی ہے۔ جب آپ پر لطف باتیں کرنے پر اتر آتے ہیں تو بر محل لطائف یا برجستہ فقروں کی کمی نہیں رہتی ہے۔ سننے والوں کی طبیعت باغ باغ ہوجاتی ہے۔
آپ کا انداز گفتگو مریضوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں بیمار بھول جاتا ہے کہ وہ بیمار ہے۔ آدھی شفا تو آپ کی گفتگو سے ہوجاتی ہے۔ بحیثیت طبیب مریض کو مریض کی حیثیت سے دیکھتے ہیں خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔
آپ ایسے لوگوں سے علمی گفتگو نہیں کرتے جن کے بارے میں خیال ہوتا کہ اس کو علم کا گھمنڈ ہے۔ یا علم کی گہرائی یا وزن اس کو نصیب نہیں۔ یا صرف دنیوی اقتدار کا حامل ہے۔ اگر کوئی بات یا مسئلہ چھیڑ بھی دے تو اطمینان کے ساتھ ٹال جاتے ہیں۔ اگر کسی کو واقعتاً تحقیق کا شوق ہو اور بطور خاص آپ سے رجوع کرے تو نہایت خوشی، اطمینان اور اعتماد کے ساتھ متعلقہ مسئلہ کے بارے میں تمام نکات بڑے لطف اور وضاحت سے بیان کرکے تشفی فرما دیتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر غیر ضروری مباحث میں حصہ لینے سے گریز کرتے ہیں۔
آپ سے ملنے والے مسرور بھی رہتے ہیں اور آپ سے مرعوب بھی آپ کی موجودگی میں نہ کوئی کسی کی غیبت کر سکتا ہے اور نہ کسی کی عیب جوئی خود آپ کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہی نہیں جس سے بدمزگی پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے یا اونچے گھرانے والوں کو زیب نہیں دیتے۔ گفتگو بلند آواز سے کرتے ہیں کانا پھوسی سخت ناپسند ہے۔
کسی سے مرعوب ہونا تو جانتے ہی نہیں، مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا ہے تو اس سے اتنی ہی فروتنی سے ملتے ہیں اور جو بڑا، بڑا بن کر آتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ بڑے ہوکر ملتے ہیں خاندانی وقار کسی مقام پر متاثر نہیں ہوسکتا۔ آپ میں مصلحت اندیشی ضرور ہے مگر مصلحت پر مبنی ہرگز نہیں۔
دراصل آپ کی ذات ایسی ہے جو اپنی جگہ پہاڑ کی طرح اٹل اور قائم ہے۔
آپ کی زوجہ محترمہ معراج فاطمہ سید جمال الدین صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کو چھ صاحبزادیاں ہیں۔ بڑی صاحبزادی شادی شدہ ہیں مابقی صاحبزادیاں زیرِ تعلیم ہیں۔ ۱ ●

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

حسین عطاء اللہ صدیقی

حضرت کے پوتے مولوی حسین عطا اللہ صدیقی صاحب ● ۲، مولوی ابو تراب علی صدیقی صاحب کے فرزند دوم ہیں۔ حسین پاشا عرف ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۳/ شوال ۱۳۵۱ھ ہے۔
آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ حضرت کے آخری خلیفہ ہیں۔ کلام مجید اور صحاح ستہ کی روایت آپ کو اپنے والد سے حاصل ہے۔ بی کام تک تعلیم پائی۔
موصوف کی زندگی میں مختلف نشیب و فراز آئے۔ جو کسی کی زندگی میں نہیں آئے۔ آپ کو بدتوفیقیوں سے سابقہ پڑا۔ جن کی رگوں

● ۱ اب صرف چھوٹی صاحبزادی کی شادی باقی ہے۔ ● ۲ حسین پاشا کا انتقال ۱۹ ذوالحجہ (۲/ جولائی ۱۹۹۰ء) کو ہوگیا۔ (اکیڈیمی)

میں آپ خون بن کر دوڑ رہے تھے مگر ان ہی کی بدولت آپ کی آنکھوں سے خون ٹپک پڑا ۔ لیکن آپ کے قلب میں حزن و ملال کا نام و نشان نہ تھا ۔ اور آپ کی روح بدستور تابندہ تھی ۔ تقدیر الٰہی بعض وقت جن کو برگزیدہ بنانا چاہتی ہے ناکامی میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے ۔ جو ہمیشہ کامرانی کا موجب بنتی ہے ۔

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ مولویوں کے خاندان کا یہ فرد تجارتی سٹے بٹوں سے نابلد تجارت کے شوق میں اجناس کی دوکان سجا بیٹھا ۔ کاروبار چل نکلا دیکھتے ہی دیکھتے گردشِ دوراں کا شکار ہوا کوئی چلتر ہوتا تو اپنا دیوالیہ نکال کر یا دوسروں کو ڈبو کر خود ساحل سے جا لگتا اور اپنی جان بچا کر پھولے نہ سماتا ۔

یہاں دنیوی حساب کتاب سے زیادہ اخروی حساب کی فکر تھی اس آسمانی سلطانی بارگراں کو تقدیر کے ساتھ ہم آہنگ پاکر بلاکسی رنج و ملال کے اپنے دوش پر اٹھالیا ۔ توفیق تائید الٰہی ساتھ ہوئی تو رفتہ رفتہ بار گراں سے عزت کے ساتھ سبکدوشی نصیب ہوئی نہ صرف یہ بلکہ اس فضلِ عظیم نے آپ کو گراں مایہ بھی بنادیا ۔

اس امتحانی دور میں آپ نے ہزار منہ ہزار باتیں سنیں ۔ ایسے زمانہ میں آدمی نہایت حساس ۔ احساسِ کمتری کا شکار ، زود رنج اور تنک مزاج ہوجاتا ہے ۔ اور سب سے تعلقات اور روابط میں توازن قائم رکھنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ مگر آپ نے پورے وقار اور مستعدی کو برقرار رکھا ۔ اور مسکراتے ہی رہے ۔ یہ اس فقیر پر ڈالی جانے والی مالی افتاد تھی جس میں عزت داؤ پر لگی تھی ۔ مگر اللہ نے ہر طرح عزت رکھ لی مگر اس افتاد کے نتیجہ میں دنیا نظروں میں بے حقیقت ہوگئی ۔ نظر مردم شناس بن گئی ۔ خواہشات مردہ ہوگئے ۔ اور نفس گداختہ ہونے لگا ۔ اور صبر کی منزل سے گذر کر تسلیم و رضا کی منزل میں استقامت گزیں ہوا ۔

خدا سے نسبت جڑی تو حمیت دین متقاضی ہوئی کہ ان مسلمانوں کو جو اپنی جہالت سے شرک کی لعنت میں بعض نام نہاد فقراء کی وجہ سے گرفتار ہیں جو فقراء کا ڈھونگ رچا کر علویات کے نام پر سفلیات کا زور چلا رہے تھے ان کو شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے ایمان کے نور درخشاں کی طرف کھینچ لیا جائے اور خدا اور رسول اور دین اسلام کی طرف پھر سے متوجہ کیا جائے ۔ چنانچہ آپ نے ان مسلمانوں کو جو شیخ صدو ، نرسو اور کالی کو ماننے لگے تھے اور ان کے نام پر پیسے دے رہے تھے اور ان کے نام کے چراغ جلا رہے تھے اور ان کے نام پر زندہ جانور دفن کر رہے تھے ۔ ان مشرکانہ افعال سے توبہ لی اور خوب استغفار پڑھوایا ۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی تاکید کی اور نماز پر لگا دیا ۔

موصوف کی بدولت سینکڑوں عورتیں اور مرد بلکہ خاندان کے خاندان شیاطین اور ملاؤں سے چھٹکارا پائے اور شرک کی لعنت سے بچے اور نور ایمان سے ان کے قلوب منور ہوئے ۔

چھ سات سال پیشتر تقریباً چھ سات سال تک آپ نے حسبۃً للہ یہ خدمت انجام دی اس زمانہ میں آپ کی بیٹھک • صدیق گلشن • کے کتب خانہ کے ہال میں رہتی تھی ۔ صبح سے رات دیر گئے تک مسلسل آیات قرآنی اور اسماء الٰہی پڑھ پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کرنے ، وقت پر کھانا نہ کھانے اور صرف چائے اور پان پر اکتفا کرنے اور ایک نشست پر گھنٹوں بیٹھے رہنے کی بناء پر آپ کی صحت گرنے لگی ۔ آپ کے والد کو اپنے فرزند کی صحت گرتی ہوئی نظر آئی تو متفکر ہوگئے ۔ اور آپ کو اس طرح جان لیوا بار لینے سے تاکیداً روکنا شروع کیا ۔ بالآخر بمصداق جان ہے تو جہان ہے ، حکماً • صدیق گلشن • کی اس طویل بیٹھک کو قطعی طور پر روک دیا ۔ اور صبح و شام ایک ایک گھنٹہ اہلِ غرض کو گھر پر وقت دینے کی اجازت دی ۔ چنانچہ اس پر عمل کیا جانے لگا ۔ اسی دوران آپ نے ایک ایڈیڈ اسکول میں جو فوقانیہ تھا ۔ بحیثیت محاسب دفتر خدمت قبول کرلی اور ساتھ ہی • صدیق گلشن • میں اپنے حصہ میں آئی ہوئی معطیہ زمین پر مکان کی بنیاد ڈالی اور رہائش کے

قابل چند کرے تیار کر کے اس میں منتقل ہوگئے ۔ آپ کئی برس سے اس میں فروکش ہیں ۔ اور دادا کے زیر سایہ سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہے ۔ صدیق گلشن ۔ میں آپ کی اس بیٹھک کا دور جس کا تذکرہ اوپر ہوا ہے بڑا تاریخی دور گزرا ہے ۔ جو مدتوں یاد رہے گا ۔ مختلف النوع امراض اور مختلف اقسام کے پریشان حال لوگ کثیر تعداد میں صبح سے رات دیر گئے تک موصوف کو گھیرے رہتے ۔ شیطان زدہ کی چیخ و پکار بعض کا یہاں سے وہاں تک اور وہاں سے یہاں تک لوٹنا اور بھاگ دوڑ ۔ اور ہر قماش کے اہل غرض کا ہجوم و ہنگامہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ اس ماحول میں آپ آخر زندہ کیسے ہیں ۔ اور ہوش و حواس برقرار کس طرح ہیں ۔ جہاں ہر شخص آپ کے حسنِ اخلاق ، شرافت ، کشادہ قلبی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا ۔ اور آپ کے چہرہ بشرہ سے ناگواری کا شائبہ تک نمایاں نہ رہتا ۔ اور چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ ہی رقصاں رہتی ۔ اور آپ کا یہ حال رہتا کہ نہ کسی سے الجھتے نہ اکتاتے ۔ اور نہ بے توجہی برتتے ۔ تھکنا اور ہارنا گویا وہ جانتے ہی نہ تھے ۔ آپ کی خلقی شگفتگی اور ملاطفت اس سارے ہنگامے پر غالب ضرور رہتی ۔ آپ اصل مقصد یخرجهم من الظلمات الی النور کو نظر انداز کر کے موقتی جزئیات میں الجھنا نہیں چاہتے تھے ۔ بلکہ آپ کا تو یہ حال رہتا کہ گویا پارس بنے بیٹھے ہیں ۔ جہاں کسی کے سر کو آپ کے ہاتھ نے چھولیا بس وہ کندن ہوگیا ۔ یہی وجہ تھی کہ ہر آنے والا آپ کے گُن گاتا ، بالآخر آپ کا مرید ہوجاتا اور اپنے گذشتہ مشرکانہ یا مکروہ اعمال سے تائب ہوکر آپ کے حلقہ ذکر میں آپ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہوا نظر آتا جو ہر پنجشنبہ بعد نماز مغرب ہوا کرتا تھا ۔ جس میں مرد اور عورتیں قریب ڈیڑھ ہزار کے شریک رہتے تھے ۔ آپ کی ان کرامتوں کا شہرہ دور دور تک جا پہنچا ۔ اضلاع سے تک لوگ رجوع ہونے لگے تھے ۔ حلقہ ذکر میں ہر ہفتہ صرف بھونگیر سے تقریباً پچاس نفوس بہ پابندی شریک رہتے تھے ۔ دراصل یہ حضرت کا فیض ہے جو جاری تھا اور آج بھی جاری ہے ۔ اور انشاء اللہ جاری رہے گا ۔

حضرت کے وصال سے آج تک حضرت کے عرس کے انتظامات آپ سے متعلق رہے ہیں ۔ جس میں دنیا بھر کی سرگرمیوں سے سابقہ پڑتا ہے آپ کی سرکردگی میں ہر کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام پاتا ، نہ اپنے طور طریق سے منتظم عرس ہونے کا اظہار کرتے اور نہ اپنی اہمیت ہی جتاتے ۔ آپ کو دیکھ کر یہ محسوس ہونے لگتا کہ شرافت ، اولوالعزمی ، خلق اور خدمت خلق در حقیقت اس چند روزہ زندگی میں بندہ کے لئے خالق کی طرف سے بڑا انعام ہے ۔

آپ کی زوجہ سیدہ خیر النساء جیلانیہ مولوی سید محی الدین احمد قادری صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہیں جن کا پدری اور خاندانی سلسلہ حضور غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے ۔

نواسے محمد وقار الدین صدیقی

حضرت کے نواسے برادرم مولوی محمد وقار الدین صدیقی صاحب • مولوی محمد انور الدین صدیقی صاحب کے فرزند دوم ہیں (راقم الحروف کے منجھلے بھائی ہیں) وقار تخلص فرماتے ہیں ۔ منجھلے صاحب عرف ہے ۔ تاریخ ولادت ، / جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ ھ ہے ایم اے ایل ایل بی کامیاب ہیں بی ۔ ایڈ بھی کیا ہے ۔ بحیثیت لکچرر عربی سٹی کالج سے حال ہی میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے ہیں ۔

فن تجوید حضرت سے سیکھا ۔ تجوید سے حضرت کو قرآن سنایا ۔ اور سند روایت حاصل فرمائی ۔ صحاح ستہ کی بھی روایت حضرت ہی سے حاصل ہے ۔

حضرت نے قرآن مجید کی تفسیر لکھانی شروع کی جو " تفسیر صدیقی " کے نام سے موسوم ہے ۔ حضرت لکھاتے اور مظہر الدین قادری لکھتے ۔ ان کی غیر حاضری یا دیگر اوقات میں لکھنے کا کام موصوف سے لیتے ۔ جب تفسیر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو حضرت نے پھولوں کے تین

• مولوی وقار الدین صاحب کا انتقال ۱۳/ جمادی الثانی ۱۴۱۳ ھ (۸/ دسمبر ۱۹۹۲ ء) میں ہوا ۔

بار منگوائے ایک بار خود پہنا اور ایک ایک بار ان دونوں کو پہنایا ۔ اور فرمایا " یہ خادم قرآن ہیں " اس وقت خادم قرآن کی واحد نشانی اللہ رکھے آپ رہ گئے ہیں ۔ اور خدمت قرآن میں مصروف ہیں ۔ چند مسجدیں مقرر کرلی ہیں ، دن بھی مقرر کردیئے ہیں ، کلام پاک کی تفسیر بیان کرتے ہیں ۔ حضرت کی اجازت سے یہ سلسلہ کئی سال سے جاری ہے ۔

جو لوگ کلام پاک کی تفسیر و تعبیر کی نزاکتوں کو جانتے ہیں وہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف اپنے نانا و مرشد کی محبت میں ان کے علم و عرفان ، قرآن فہمی اور اس کی بصیرت میں کس قدر رنگے ہوئے ہیں اس سے خود موصوف کے فضائل علمی اور واردات قلبی پر روشنی پڑتی ہے ۔

علم ان کا مزاج بن چکا ہے ۔ تقویٰ و طہارت پیدائش سے ساتھ لائے ہیں ۔ اللہ رسول ، مرشد اور محبوبانِ خدا کی محبت گھٹی میں پڑی ہے ۔ آداب و تمیز و اخلاق ، انسانیت و شرافت متانت و بردباری ورثہ میں ملی ہیں ۔ جانی و مالی نقصانات پہنچنے کے باوجود تسلیم و رضا کی منزل سے صبر کی منزل میں نزول نہیں کیا ۔

اپنی اہلیہ کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہیں ۔

شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ ہے ۔ اشعار میں جدت ، طرز ادا کی ندرت اور پھر سلاست کے ساتھ ساتھ درد و سوز کی اثر انگیزی جادو جگاتی ہے ۔ مشاعروں میں آپ کا کلام سننے کے لئے لوگ سراپا شوق و انتظار ہوتے ہیں ۔ جب آپ اپنا کلام سناتے ہیں تو سننے والے اچھل پڑتے ہیں اور مجمع میں ایک ہمہمہ سا پیدا ہوجاتا ہے ۔ بعض اشعار پر مجمع سے نعرہ تحسین بلند ہوتا ہے کہ دیر تک کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ۔

آپ کے کلام کی اثر انگیزی ، پڑھنے کے انداز ، خوش الحانی اور آواز کے ترنم میں غیر معمولی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو آپ کے کلام کا حقیقت میں جزو معلوم ہوتے ہیں ۔

اردو ، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں یکساں قدرت بیان قائم ہے ۔ اور ان تینوں زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے ۔ اور مقبول خاص و عام ہے ۔

نثر میں ادبیت اور معنویت ہے ۔ موقع محل کے لحاظ سے کہیں تفہیمی انداز ہے اور کہیں فصاحت و بلاغت ہے ۔ خیالات کی رفعت ہے ۔ ماورائی بصیرت ہے ۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کے چار فصلوں کی آپ نے اس انداز میں پیچ در پیچ گتھیاں سلجھائی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر آپ خود اپنے آپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں ۔

آپ کو بیعت و خلافت حضرت سے حاصل ہے ۔ سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہے ۔

آپ کی زوجہ محترمہ کلثوم بیگم صاحبہ • مولوی عبدالرحیم صدیقی صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں ۔ آپ کی بڑی اور منجھلی صاحبزادیاں شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں ۔ منجھلی صاحبزادی امریکہ میں ایک حادثہ میں اپنے دو کم سن بچوں کے ساتھ داغ مفارقت دے گئیں ۔ جسد مع بچوں کے حیدرآباد لایا گیا اور " صدیق گلشن " میں تدفین عمل میں آئی ۔ بڑے فرزند ملازم ہیں ۔ چھوٹی لڑکی اور تین فرزند زیر تعلیم ہیں ۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو شجرہ)

• موصوفہ کا بھی انتقال ۱۲ / رمضان ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۲ / جنوری ۱۹۹۰ء کو ہوا ۔

علمی خدمات

خدمتِ قرآن اور خدمتِ حدیث وفقہ

خدمتِ قرآن

	صفحہ
مجدد	۲۵۶
خدمتِ قرآن ۔ حفاظتِ قرآن ۔ علمِ قراءت	۲۵۸
قاریٔ سبعہ	۲۵۹
نزولِ قرآن	۲۶۰
قرآن کی سلاست ۔ فصاحت و بلاغت ۔ اعجاز ۔ اسلوب ۔ تاثیر ۔ کتابت ۔ تفسیرِ صدیقی	۲۶۱، ۲۶۲
مختلف مکاتیبِ خیال کی گمراہ کن کارستانیاں ۔ ظاہریت کے دلدادہ ۔ گمراہ صوفیہ ۔ منکرین فقہ	۲۶۲
دو قرآن کے دعویدار ۔ حدیث کی صحت میں شک و شبہ ۔ امام کی اِتباع کو تقلیدِ شخصی کا الزام	۲۶۳
جامع فقہی مذہب کا شاخسانہ	۲۶۳
تجدیدِ ایمان کے لئے مسلمانوں کو کلمہ پڑھوانے والے ۔ قادیانی ۔ امامیہ ۔ تفضیلی	۲۶۴
تفسیر کرنے کا حق کس کو	۲۶۴
حضرت کے اساتذہ ۔ عربی ادب پر نظر ۔ مختلف علوم پر عبور	۲۶۵
تقسیماتِ اربعہ	۲۶۶
عدمِ نسخِ قرآن ۔ ایک تاریخی واقعہ	۲۶۷
شانِ نزول سے احتراز ۔ حدیث کی ضرورت و اہمیت	۲۶۸
بعض اُصول	۲۶۹
تفسیرِ صدیقی کے مقاصد	۲۷۱
فرقہ امامیہ ۔ حدیث کا حال ۔ اسلام کے تباہ کرنے کے منازل کیا ہیں	۲۷۴
تفضیل کا مسئلہ	۲۷۵
خلافت کا مسئلہ	۲۷۶
خلافتِ منصوص ۔ شہادتِ امام حسین کا ماتم	۲۷۷
مشاجراتِ صحابہ کے اسباب اور غلط فہمیوں کی وجوہات	۲۷۸
تکفیرِ صحابہ ۔ تقیہ اور اُس پر اسلام کا خاتمہ	۲۷۹
اسلامی ریاستوں کو کس نے تباہ کیا	۲۸۰
مسئلۂ طینت	۲۸۱

عبداللہ

مرزا غلام احمد کے دعوے ۲۸۲
صاحبِ وحی ۔ نبی ۔ رسول ۲۸۳
پیغمبر یا رسول ۔ کیا فرق ہے نبی اور رسول میں ۲۸۴
بروز کی تحقیق ۔ رسول ۔ ولی ۲۸۵
خاتم الانبیاء ۔ خاتم الاولیاء ۲۸۶
ولایت و رسالت ۔ ولایت کا مرتبہ بڑا یا رسالت کا ۔ ولی ، نبی ، رسول اور خاتم النبیین کا فرق ۲۸۷
مصلحِ قوم اور پیغمبر کا فرق ۔ نبی اور ولی کا فرق ۔ نبی اور ساحر کا فرق ۲۸۸
معراجِ النبیؐ ۲۸۹
قرآن کے بعض معرکۃ الآرا مقامات ۲۹۸
ایمان کیا چیز ہے ۔ غیب کی قسمیں ۲۹۹
مانعین نسخ کے دلائل ۳۰۱
عصمت و حفاظت کا فرق ۳۰۴
اِسناد کی قسمیں ۔ مجاز کے لئے قرینہ ۳۰۶
یاجوج و ماجوج کون ہیں ۳۱۶

خدمتِ حدیث و فقہ ۳۱۸

بحرالعلوم کے روایتِ حدیث میں اساتذہ ۳۱۸
فقہِ اسلامی کا پہلا ماخذ قرآن ۔ دوسرا درجہ حدیث ۳۲۰
ناجی فرقہ ۳۲۲
منافقین و زندیقین ۳۲۴
معیار الکلام ۳۲۵
قرآن و حدیث کے بعد تیسرا ماخذ اجماع ۳۲۸
فقہِ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ۳۳۲
کوفہ میں علمِ فقہ ۳۴۲
مدینہ منورہ میں توسیعِ فقہ ۳۴۳
اختلافِ ائمہ کے بارے میں حضرت کے ارشادات ۳۴۵
معیار الکلام میں اُصول و کلیاتِ فقہ ۳۴۸
شہادت کا ایک اہم مسئلہ ۳۴۹
وضو کا قائم مقام تیمم ۳۵۶

خدمتِ قرآن

مُجدِّد

افرادِ امت میں بعض لوگ مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہوتے ہیں ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچ کر راہِ اعتدال کو پرکھنے کی جو صراطِ مستقیم ہے خاص قابلیت رکھتے ہیں ۔ علوم نقلیہ و عقلیہ میں وسعت نظری ، کمال ذکاوت اور قوت اجتہاد رکھتے ہیں ۔ قوم کے مزاج اور ان کے امراض سے بخوبی واقف ہوتے ہیں ۔ اور مرض کے مطابق علاج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ ایسے ہی افراد مجدد کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض تو شریعتِ اسلامیہ کے لئے تَن مَن دَھن کی بازی لگا دیتے ہیں اور بعض تو احیائے شریعت میں یہاں تک سرگرم کار ہوجاتے ہیں کہ بدعتِ سیئہ اور ضلالت کی حکومت کو پاش پاش کردیتے ہیں اور اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک خدا کے نام کا بول بالا نہ ہوجائے اور دین اللہ کے لئے خالص نہ ہوجائے ۔ دنیا میں حکومت الٰہیہ کو قائم کردیتے ہیں اور یہی وراثت و نیابتِ انبیاء ورُسل کا کامل مرتبہ ہے ۔ اور مجدد کامل کی تعریف ان پر صادق آتی ہے ۔

خلفائے راشدین بالخصوص حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اسی جامعیت کے ساتھ جاری رکھا ۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرتِ علیؓ ۔ ان چاروں کے علاوہ ایک حد تک سوائے عمر ابن عبدالعزیزؒ کے آپ کوئی دوسرا نام نہیں بتلاسکتے جن پر مجدد کامل کی تعریف صادق آسکے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ خبردی جو ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے ۔ " ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا " ۔ اللہ ہر صدی کے سرے پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے " ۔ مگر اس حدیث سے بعض لوگوں نے بالکل ہی ایک غلط تصور اخذ کرلیا ۔ انہوں نے علی راس کل مأۃ سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لیا ہے اور من یجدد لھا کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے ۔

اس طرح کا غلط تصور اخذ کرنے والے عمر ابن عبدالعزیزؒ کے بعد اس شان کا ہر صدی کے آغاز یا اختتام پر کوئی شخص بتلاسکتے ہیں ؟ تاریخ تو پیش نہیں کرسکتی ۔ تو پھر کیا حدیث سے انکار کردیں گے من کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اس لئے من سے مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور بہت سے اشخاص بھی ہوسکتے ہیں ۔ گروہ بھی ہوسکتے ہیں ۔ اس کا واضح مطلب یہ بھی تو نکالا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گذرے گی جس میں دین کو تازہ کرنے والوں کو اللہ نہ اٹھاتا رہے ۔ کیا ضروری ہے کہ تمام دنیا کے لئے صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو ۔ ایک ہی وقت میں بہت سے ملکوں یا مقامات پر بہت سے آدمی تجدید دین کے لئے سعی کرنے والے ہوسکتے ہیں ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پیغمبر کی طرح وہ مجدد ہونے کا دعویٰ بھی کریں ۔ یا یہ کہ ان کو مجدد کے خطاب سے نوازا بھی جائے ۔ یا یہ کہ مجدد کے لئے ثبات حق میں سر دینا پڑے ۔ جس طرح کہ حضرت امام حسین نے اپنا نمونہ پیش کیا کہ راہِ حق میں بھائی ، بھتیجے ، بھانجے اور بیٹے آنکھوں کے سامنے کٹ گئے یہاں تک کہ خود بھی اپنا سر کٹا دیا مگر پائے ثبات میں لغزش نہ آئی ۔ کیا اس طرح کی شہادت کسی اور کے حصہ میں آج تک آسکی ؟ یا حضرت سعید ابن المسیب کی طرح اتباع سنت و قیام حق کی راہ میں

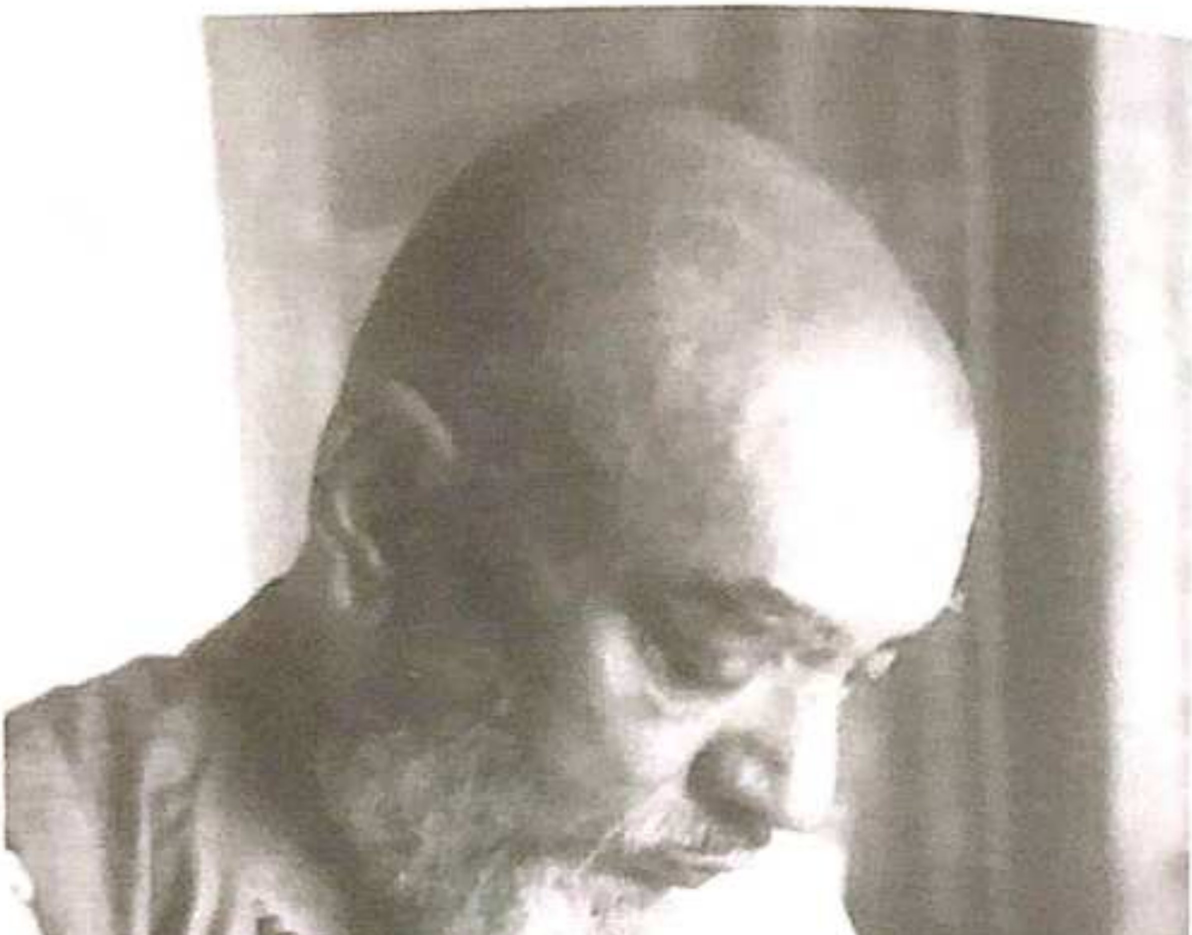

مفسر۔ محدث۔ مفکر
پروفیسر حضرت العلامہ محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں سو (۱۰۰) دروں کی ضرب مردانہ وار برداشت کرلینے کا شرف کیا کسی اور مجدد کو ملا یا امام دار الہجرت حضرت مالک بن انسؒ کی طرح کوئی اور مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ مشکیں اس زور سے کس دی گئی تھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا تھا اور ستر کوڑوں کی ضربیں ان کے جسم اقدس پر پڑرہی تھیں تو اسی اونٹ کی پیٹھ پر کھڑے ہوکر جس پر تشہیر و تذلیل کے لئے سوار کرایا گیا تھا پکار کرکہا۔ جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے جو نہیں جانتا جان لے کہ میں ہوں مالک، انس کا بیٹا اور اس مسئلہ کا اعلان کرتا ہوں کہ جس کے اعلان سے جبراً روکا جارہا ہے کہ ۔ طلاق مکرہ ۔ کوئی چیز نہیں ۔ یا پھر مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کی طرح کوئی اور مثال پیش کی جاسکتی ہے جنہوں نے ایک نہیں تین عظیم فرمانرواؤں یعنی مامون، معتصم اور واثق باللہ کے دور میں قید خانے میں رہنا اور ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا قبول کیا مگر قرآن کو مخلوق ہرگز تسلیم نہیں کیا یہ سعادتیں انہی بزرگوں کے حصہ کی تھیں ۔ ضروری نہیں کہ اسی قبیل کے واقعات ہر مجدد کے ساتھ پیش آئیں ۔

یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجدد وہی ہے جو غیر شرعی حکومت یا دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں سے اقتدار چھین کر عملاً حکومت کو اس نظام پر قائم کردے جسے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافة علی منهاج النبوة کے نام سے موسوم کیا ہے ۔ یعنی نبوت کے طریقہ پر خلافت ۔ اس قدر جامعیت کے ساتھ عمل کرنا سوائے امام مہدی کے دوسرے کے بس کی بات فی الحال تو نظر نہیں آتی ۔

مجددین کو چھوڑیئے پیغمبروں پر نظر فرمایئے ۔ بعض وقت تو ایک ہی وقت میں کئی کئی پیغمبر خاص خاص قوموں کے لئے مبعوث ہوئے اور انہوں نے اپنی نبوت یا رسالت کے فرائض انجام دیئے تو انہوں نے اپنی طرف سے اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی ۔ باوجود اس کے سوائے چند پیغمبروں کے حکومتِ الٰہیہ کو قائم کرنے اور خدا کے فرامین کو پوری طرح نافذ کرنے میں ان کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی ۔ یہ ان کی تعلیم کا نقص نہیں تھا بلکہ قبول کرنے والوں میں قبولیتِ حق کا فقدان اور جہالت کی کار فرمائی کا نتیجہ تھا ۔ سوائے اس کے کہ یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر پر غلبہ پایا ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی خدائی کا تختہ الٹا ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہالت پر فتح پائی ظلمت کدہ دہر کو نورِ ایمان و عرفان سے معمور کردیا اور سلطنتِ الٰہیہ کو قائم فرماکر اللہ واحد قہار کے سامنے سب کو سرنگوں کردیا ۔ اپنے جانثاروں اور مالک الملک کے لئے جان دینے والے سرفروشوں کو تیار کرکے جاہلیت کے ہاتھوں سے جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کا درپے تھا حکومت و اقتدار کو چھین لیا اور حکومتِ الٰہیہ کو قائم فرماکر قوانینِ الٰہیہ کو ۲۳ سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا دیا ۔ اور اسلامی نظامِ حکومت، خالص اسلام کی اساس پر اس طرح مرتب فرمائی کہ آئندہ اسی اساس پر اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوسکے اور اسلام پھلتا و پھولتا رہے ۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد سے آج تک جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبہ یا چند شعبوں ہی میں کام کیا ۔

مجدد کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کرے اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کرے ۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ مجدد کوئی ایسا کام دنیا کے سامنے پیش کرے گا یا ایسے اصول پیش کرے گا جس میں انوکھا پن ہوگا یا کوئی خاص جدت ہوگی ۔ لوگ متجدد اور مجدد میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ایسا گمان رکھتے ہیں ۔ دین میں نئی باتیں نکالنے والا متجدد ہے ۔ اور دین میں نئی نکالی ہوئی باتوں کو خارج کرکے دین کی اصل باتوں کا پھر سے احیا کرنے والا اور حق و باطل میں تمیز کروانے والا مجدد ہوتا ہے ۔

اب میں اسی تمہید کی روشنی میں بحر العلوم علامہ مولانا عبدالقدیر صدیقیؒ کی ان کوششوں کو پیش کرتا ہوں جو دین کے مختلف

شعبوں میں حضرت نے اپنے حلقہ اثر میں جو بے حد وسیع تھا اپنے عمل سے تعلیم و تربیت یا اپنی قلمی کاوشوں کے ذریعہ انجام دی ہیں۔ اصول و کلیاتِ فقہ کی رو سے کتاب بھی مثلِ خطاب کے ہے۔

خدمتِ قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تم میں کے اچھے وہ ہیں جو خود قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں (کنز العمال ۱۲۹) (یہ حدیث حضرت سعیدؓ سے مروی ہے اور ابن ماجہ سے ماخوذ ہے۔)

امام حفص الکوفی کی روایت سے حضرت نے سینکڑوں کو قرآن پہنچایا اور دوسروں کو پہنچانے اور روایت کو آگے بڑھانے کے قابل بنایا۔ حضرت کے پاس قرآن شریف کی روایت کی بہت اہمیت ہے۔ روایت سے کتاب کی حفاظت اور تصدیق ہوتی ہے۔

حفاظتِ قرآن

حضرت نے فرمایا۔ دنیا میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی حفاظت قرآن مجید کے برابر کی گئی ہو۔ ہندوؤں کی وید، پارسیوں کی ژند اور دساتیر بلکہ تورات و انجیل تواتر تو کجا خبر احاد سے بھی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ قرآن شریف کی حالت یہ ہے کہ زمانہ نبوت سے اب تک لاکھوں اس کے راوی، اس کے حافظ اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔ کوئی شہر تو کیا کوئی قصبہ ایسا نہ ہوگا جس میں چند جید حافظ نہ ہوں۔ کیا مجال کوئی حافظ تراویح میں ایک کلمہ کے عوض دوسرا کلمہ پڑھ دے یا زیر زبر ہی کی غلطی کردے اور سامع اس کو لقمہ نہ دے"۔

فرمایا۔ دنیا میں اسلام ہی ایک باقی رہنے والا دین ہے۔ تو اس کا منبع، اس کی مقدس آسمانی کتاب اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے۔ جو چیز محفوظ ہی نہ ہو، جس کی صحت کا پتہ نہ ہو، جس کی روایت ہی مسلسل نہ ہو، کس برتے پر اس کی تبلیغ کی جائے گی۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون (الحجر۔ آیت ۹)

علمِ قراءت

فرمایا۔ علمِ قراءت (تجوید) ایک مستند علم ہے جو حضور نبی کریمؐ سے یوں تو سارے صحابہ نے سنا مگر فنِ قراءت حسب ذیل صحابہ کرام حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابی ابن کعب سے سلسلہ روایتِ قراءت جاری ہے اور اس کے مشہور سات امام: (۱) حضرت نافع مدنی۔ (۲) حضرت ابن کثیر مکی۔ (۳) حضرت ابو عمرو بصری۔ (۴) حضرت ابن عامر شامی۔ (۵) حضرت عاصم کوفی۔ (۶) حضرت حمزہ کوفی (۷) حضرت علی کسائی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے دو راوی یا شاگرد ہیں۔ ان ساتوں ائمہ کے طریقہ قراءت میں بعض بعض مقامات پر فرق ہے۔ اور وہ فرق صرف اعراب و سکنات یا بعض اہم مخرج حروف کے ابدال کا ہے۔ یعنی کوئی امام، مد کو طویل کرتے ہیں۔ کوئی متوسط یا قصر سے پڑھتے ہیں۔ اور کوئی زیر کی طرف جھکا کر اور یہ ہر ایک طریقہ حضور نبی کریمؐ سے سنا ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ نے ہشام بن حکیم کو ایک دفعہ نماز میں سورہ فرقان کو اس طریقہ سے پڑھتے ہوئے سنا جسے حضرت عمرؓ نے نہیں سنا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان سے دریافت کیا تو حضرت ہشامؓ نے کہا میں نے حضور سے اسی طرح سنا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے

انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاکر عرض کیا ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہشامؓ سے وہ سورت پڑھوائی اور پھر حضرت عمرؓ سے بھی وہ سورت کو پڑھوایا ۔ دونوں نے اپنے اپنے طریقہ سے پڑھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی نسبت فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے ۔ پھر حضور نے فرمایا ان ھٰذا القران انزل علیٰ سبعۃ احرف فاقرؤا ماتیسر منہ ۔ یعنی بے شک قرآن مجید سات طور پر اترا ہے ۔ جو بھی طریقہ جس پر آسان ہو ویسا ہی پڑھے ۔ (تجرید البخاری)

قاری سبعہ

ان سات طریقوں سے پڑھنے والے کو " قاری سبعہ " کہتے ہیں ۔ اور بعد میں مزید تین شاگرد بھی رہے ۔ کمال علم کی وجہ سے ائمہ قراءت میں شمار کئے گئے جس کے سبب " ائمہ عشرہ " کہتے ہیں ۔ الغرض ان حضرات کے طریقہ قراءت کے اختلاف کے باوجود قرآن کے معنیٰ و مفہوم میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا ۔ اور یہ اختلاف ایسا ہرگز نہیں کہ اس سے قرآن کے معنی و مفہوم بدل جائیں ۔

فرمایا : " فقیر نے حضرت قاری تونسیؒ کے پاس شاطبیہ پڑھی اور سبعہ سے قرآن شریف کے ڈیڑھ دو جز سنائے ہیں ۔ جب قاری صاحب نے یہاں سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو میں نے چھوٹے ماموں صاحب یعنی حضرت مولانا سید عمر صاحب قبلہ کے پاس حضرت امام عاصم کوفیؒ کی قراءت اور سیدنا شعبہؒ اور سیدنا حفصؒ دونوں حضرات کی روایت کے مطابق پورا قرآن سنایا ۔ خدا کا بڑا ہی فضل ہے اور ان بزرگوں کی نیک نیتی کا سبب ہے کہ سینکڑوں آدمیوں نے میرے پاس پورا قرآن حضرت حفصؒ کی روایت کے مطابق سنایا " ۔

فرمایا : " ہماری روایت کے سوا اگر کوئی شخص ایک لفظ کہے تو میں ہرگز قبول کرنے تیار نہیں ۔ قرآن متواتر ہے ۔ متواتر کے مقابلہ میں کسی بات کے جاننے کو میں تیار نہیں " ۔

فرمایا : " قرآن ہمارے پاس کانوں سے پہنچا ہے ۔ آنکھوں سے نہیں یعنی ہم نے ہمارے استاد سے اور انہوں نے اپنے استاد سے پہلے پڑھتے سنا پھر خود پڑھ کر سنایا ۔ نیز ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا قرآن نہیں دیا بلکہ جیسے ہی حضرت جبرئیل آکر حضور کو آیاتِ قرآنی سناتے حضور فرماتے جاتے اور صحابہ زبانی جب کا جب یاد کرلیا کرتے ۔ اور صرف وہی صحابہ لکھتے ، جنھیں حضور نے کتابت کی اجازت دی ۔ اور بعض کو کتابتِ وحی کی خدمت بھی تفویض کی گئی تھی " ۔

فرمایا : " علمِ تجوید میں قرآن کے ہر ہر لفظ اور حرف کو اس کے صحیح مخرج ، صفاتِ حروف ، وصل ، وقف اور ابتداء کے مقررہ اصولوں کے ساتھ پڑھنے کو علمِ تجوید اور اس طرح پڑھنے والے کو قاری (مجوّد) کہتے ہیں ۔ آج کل قاری کی ایسی خواری ہوگئی کہ اصول سے ناواقف بھی ذرا گلا پھاڑ کر پڑھا اور قاری کہلانے لگا " ۔

فرمایا : دوسرے مذہب والے (اہلِ کتاب) اپنی مادری زبان میں ترجمے پڑھ کر اصل کلام اللہ سے دور ہوگئے ۔ میرے پاس قرآن کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے ۔ چاہے اس کے معنی معلوم ہوں یا نہوں ۔ قرآن کے خود الفاظ میں برکت ہے اگر تمہاری زبان سے صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا تو کیا پروا کی بات ہے کوشش تو کرو " ۔

ایک مرتبہ ضآلین کی ادائی کے سلسلہ میں حضرت سے سوال کیا گیا کہ لوگ ولا الضآلین کے بجائے ولا الدالین پڑھتے ہیں ۔ حضرت نے جواب دیا " دو مخرجوں سے ایک آواز یا ایک مخرج سے دو آوازیں نہیں نکل سکتیں ۔ بعض حروف قریب مخرج والے ہیں ۔ پس اگر زبان مخرج پر صحیح طور پر لگائی جائے ممکن نہیں کہ دوسرے مخرج والے حروف کی آواز نکل سکے ۔ بعض چیزیں عملی ہیں ۔ سننے دیکھنے پر مبنی ہیں ۔ صحیح تلفظ اور حقیقی صورت ایک عملی شئے ہے ۔ کتابیں دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں بلکہ ماہرِ فن قاری کو

سناکر صحیح کرلے کی ضرورت ہے ۔

فرمایا : ضاد کا مخرج کسی اور حرف سے قریب المخرج ہی نہیں پھر اس کی آواز دوسرے حرف کی آواز سے کیوں کر ملے گی ۔

ض ۔ زبان کے کنارے کو داڑھوں کے کنارے پر لگانے سے نکلتا ہے ۔

د ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں کی جڑ میں لگانے سے نکلتا ہے ۔

ز ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں اور نیچے کے سامنے کے دانتوں کی تیزی کے مقابل رکھنے سے نکلتا ہے ۔

ظ ۔ زبان کی نوک اوپر کے سامنے کے دانتوں کی تیزی سے ۔

بہر حال یہ حرف جدا جدا مخرج کے ہیں ۔ کسی کی آواز کسی کی جیسی نہیں ۔ بعض حضرات زبان تو داڑھ کو نہیں لگاتے مگر گردن تیڑھی کر دیتے ہیں منہ نہایت بدنمائی کے ساتھ ٹیڑھا کرتے ہیں اور آواز نکالتے ہیں ز ، ظ کی اور سمجھتے ہیں کہ حروف کی ادائی ہوگئی ۔ یہ قرات و تجوید تو کیا ہوئی جگ ہنسائی ہوئی ۔

فرمایا : قرآن شریف میں ہے ولا الضآلین " نہ راہ گمراہوں کی " اور ولا الدآلین کے معنی ہیں (جیسا کہ لوگ غلطی سے ضاد کی آواز دال کی نکالتے ہیں) نہ راہ ہدایت اور دلالت کرنے والوں کی " ۔

اگر کوئی شخص استاد کو سنائے اس کی صوت کی نقل میں ممکنہ کوشش کرے مگر صحیح لفظ ادا نہ ہو نقلِ آواز نہ ہوسکے تو وہ معذور ہے ۔ ناقابلِ ملامت ہے ۔ لایکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا ۔ حضرت بلال ؓ کی زبان سے شین نہیں نکل سکتی تھی بلکہ " سین " نکلتی تھی

بر اشہد تو خندہ زند اسہد بلال

فرمایا : میری رائے میں انسان جدوجہد کرے ممکنہ طاقت تصحیح تلفظ میں مبذول کردے اور مجبور رہے تو وہ شخص معذور ہے چاہے ضاد کے تلفظ کے وقت زا کی جیسی آواز نکلے یا دال کی جیسی ۔

نزولِ قرآن

حضرت سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کی ابتداء کس سورت سے ہوئی ؟

فرمایا : پہلی دفعہ قرآن شریف اترا تو سورہ اقرا کی پہلی پانچ آیتیں تھیں (اقرا باسم ربک الذی خلق تا علم الانسان مالم یعلم) ۔ اس کے بعد چند روز تک وحی کا آنا ملتوی رہا ۔ تاکہ جسمِ مبارک پر زیادہ بار نہ پڑے ۔ پھر نماز کے لئے سورہ فاتحہ کی تعلیم دی ۔ پھر چند روز وحی ملتوی رہی ۔ اس لئے بیان کرنے والے حضرات نے مختلف باتیں کہی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلی سورت اقرا کی ہے جس میں سے پانچ آیتیں اتریں ۔ مسلمان بچوں کو قرآن پڑھانا شروع کیا جاتا ہے تو انہی پانچ آیتوں سے ابتدا کی جاتی ہے ۔ اور اس کو بسم اللہ کرنا کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا کہ سورہ فاتحہ اتری ۔ یعنی نماز پڑھنے کے لئے ۔ بعض نے سورہ انفال کہا ۔ یعنی عام دوسری بڑی سورتوں میں پہلی سورۃ انفال کی ہے ۔ یہ معلوم رہے کہ ابتداء دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ابتدائے حقیقی یعنی سب سے پہلے ۔ دوم ۔ ابتدائے اضافی یعنی بعض کے نظر کرتے پہلے ۔ بہر حال ابتدائے حقیقی اقرا (علق) کی پہلی پانچ آیتوں کو ہے ۔ کیونکہ اس وقت قراءت یعنی پڑھنے کو اہمیت حاصل تھی ۔

قرآن کی سلاست

فرمایا: قرآن شریف میں ایسی سلاست و روانی ہے کہ نہ پڑھنے والے کی زبان پر گراں ہوتا ہے نہ سننے والے کے کان پر۔ بعض حضرات جو اپنی مادری زبان میں بات کرتے ہکلاتے ہیں وہ جب قرآن شریف پڑھتے ہیں تو زبان کو بالکل رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ ان کی زبان صاف زبان والوں سے بھی قرآن پڑھنے میں تیز چلتی ہے۔ یہ قرآن شریف کی سلاست اور حسنِ مخارج کی کافی دلیل ہے۔

فصاحت و بلاغت

فرمایا: پیغمبر کی امت جس فن میں ماہر ہوتی تھی۔ اسی جنس کا معجزہ پیغمبروں کو دیا جاتا۔ حضرت رسالت مآبؐ اس قوم میں پیدا ہوئے تھے جس کو اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ خود کو عرب یعنی فصیح اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتی تھی۔ لہٰذا قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت معجزہ بنائی گئی۔

اعجازِ قرآن

فرمایا: بعض کہتے ہیں کہ پورا سورہ قرآن کا معجز ہے ایک دو آیتیں حد اعجاز کو نہیں پہنچتیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سورہ انا اعطینک یا اس کی مماثل تین آیتوں کی مقدار بھی معجز ہے۔

فرمایا: ہر صاحبِ فن ٹھنڈے دل سے قرآن پر غور کرے گا تو قرآن اسی کے اعتبار میں معجزہ بن کر چمکے گا۔

اسلوبِ قرآن

فرمایا: کوئی قرآن شریف اور حدیث شریف کو ملا کر دیکھے حدیث کا اسلوب قرآن کے اسلوب سے ہرگز نہیں ملتا۔

فرمایا: احادیثِ شریفہ کے کمالِ فصاحت و بلاغت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ جس کی نسبت اس بہترین اور گراں ترین ہستی کی طرف ہو جس کا ارشاد ہے اوتیت جوامع الکلم اور انا افصح العرب و العجم مگر قرآن شریف کچھ اور ہی شے ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت رسولِ مقبولؐ کا کلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

فرمایا: خدا کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے۔ صاحبِ فراست و عقل سلیم پہچان لیتا ہے کہ یہ کلام، کلام بشر سے وراء ہے۔ ما ھذا من کلام البشر۔

فرمایا: ، قرآن شریف کا فصاحت و بلاغت کی راہ سے معجز ہونا، وہ ماہرین اور صحیح المذاق اہل زبان کو تو بالبداہت معلوم ہوجاتا ہے اور دوسروں کو غور و فکر و استدلال سے۔ دوسروں کے کلام سے مقابلہ کرنے سے اصولِ تنقید، اصولِ معانی و بیان و بدیع، اسالیبِ کلام سے واقف ہونے پر ممکن ہے "۔

فرمایا: قرآن شریف کی یہ حالت ہے کہ اس میں سے ایک حرف نہ نکل سکتا ہے نہ زیادہ ہو سکتا ہے۔ نہ جملے کی شکل تبدیل ہو سکتی ہے نہ ایک لفظ کی جگہ اس کا مترادف ہی رکھا جا سکتا ہے۔

تاثیرِ قرآن

قرآن شریف کی تاثیر کے متعلق فرمایا۔ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے لڑنے نکلے تھے۔ راستہ میں بہن کے گھر پہنچے۔

بڑے اصرار سے قرآن مانگا کہ دیکھیں۔ سورہ طٰہٰ پڑھی تو دل میں اتر گیا۔ باطل کی تائید کے لئے چلے تھے فاروق اعظمؓ بن کر نکلے۔
عتبہ قریش کا بڑا سردار تھا۔ حضرت نے قرآن شریف سنایا تو دونوں ہاتھ ٹیک دیئے اور لگا جھومنے اور آنسو بہانے۔
قرآن شریف کے بارے میں مختلف موقعوں اور درسوں میں حضرت کے جو ارشادات ہوا کرتے تھے یہاں میں نے صرف ان ہی ارشادات کو پیش کیا ہے۔ اگر کوئی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہے تو حضرت کا اعجاز القرآن پر خطبہ ملاحظہ کرے جو رسالہ کی شکل میں طبع ہو چکا ہے۔

قرآنِ شریف کی کتابت اور اس کا جمع کرنا

تفسیر سورہ علق میں ایک جگہ حضرت نے لکھا ہے۔ یہ قرآن شریف کب جمع کیا گیا؟ ابتداءً متفرق چیزوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔ حضرتؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ لکھے پڑھے آدمی کو مختلف مقامات پر بھیج دیتے کہ وہ قرآن کی تعلیم دے۔ یعنی حیاتِ طیبہ میں قرآن کے مدارس جاری ہوگئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں تمام مکتوب کو ایک جگہ کردیا۔ آپ پہلے جامع القرآن ہیں۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ترتیب وار کتابی شکل میں قرآن شریف کے سات نسخے تیار ہوئے اور بڑے بڑے شہروں میں روانہ کردیئے گئے۔ اصل نسخے اب بھی ان شہروں میں ہیں۔ حجاج ابن یوسف کے زمانے میں روایت کے موافق اعراب لگائے گئے۔

تفسیرِ صدیقی

قرآنی خدمت کے ضمن میں حضرت کا سب سے بڑا کام عام فہم اور سلیس اردو میں تفسیر لکھنا ہے۔ جو تفسیرِ صدیقی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ بیسیوں تفاسیر کے رہتے ہوئے حضرت کے تفسیر پر کام کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟ سب سے پہلے اس کا ایک اجمالی جائزہ لیں گے

مختلف مکاتیبِ خیال کی گمراہ کن کارستانیاں

جس دور میں حضرت کو کام کرنے کا موقع ملا اس دور میں مختلف مکاتیبِ خیال مختلف انداز میں گمراہی پھیلا رہے تھے۔ مسلمانوں کے عقائد خراب کر رہے تھے اور اسلام افراط و تفریط کی مصیبت عظمیٰ کا شکار تھا۔

ظاہریت کے دلدادہ

بعض تو وہ تھے جو شریعتِ اسلامیہ کی ظاہریت کے دلدادہ تھے اور ظاہر سے باطن کی طرف ایک انچ بھی آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے۔

گمراہ صوفیا

بعض وہ تھے جو صوفیا کے بھیس میں منظر عام پر آئے اور جن کے افکار اور تعلیماتِ اسلامی بصیرت سے نہ تو منور تھے اور نہ حقیقی اسلامی روح سے معمور۔

منکرینِ فقہ

بعض وہ تھے جو حدیث کے منکر تھے اور صرف قرآن پر عمل کرنا باعثِ نجات سمجھتے تھے۔

بعض وہ تھے جو فقہ کے منکر تھے اور صرف حدیث پر عمل کرنے کے قائل تھے۔ علاوہ ازیں حیات النبیؐ، علم غیب، معراج جسمانی، شق القمر اور شفاعت اور حیات بعد الممات جیسے مسائل کے نہ صرف قائل نہ تھے بلکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی سے زیادہ فضیلت دینا گمراہی سمجھتے تھے۔

دو قرآن کے دعویدار

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے قرآن کی ان تعلیمات پر مسلمانوں کو توجہ کرنے کی دعوت دی جو مظاہرِ فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیزوں کی طرف انسانی ذہن کو متوجہ کرکے ان سے سبق لینے اور ان نشانیوں پر غور و فکر کرکے خدا کی معرفت کے حصول کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان لوگوں نے قرآن کی ان آیتوں کو سائنس کی روشنی میں پیش کیا۔ اور قرآن کے سرچشمہ سے سائنس کے پیالے میں اللہ کے بندوں کو آبِ حیات پلانا چاہا۔ چنانچہ قرآن جو کتابی شکل میں موجود ہے اس کو تھیوری اور سارے عالم اور اس کے مظاہر کو پراکٹکل قرآن قرار دیا اس طرح دو قرآن کا دعویٰ کیا۔ تلاوتِ قرآن، ذکر و شغل، تسبیح و تحمید، درود سلام کو کارِ عبث، صوفیانہ ریاضتوں کو وقت کی تباہی۔ صوفیاء و فقراء کو کم عقل اور پیری مریدی کو پیٹ پالنے کا ڈھونگ سمجھ لیا۔ علماء، صوفیا اور بزرگانِ دین کی تحقیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

حدیث کی صحت میں شک و شبہ کرنے والے

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے احادیث کی عظمت کو متاثر کرنے کی فکر میں یہ الزام لگایا کہ احادیث کی تدوین ڈھائی سو سال بعد شروع ہوئی بعض نے خبرِ آحاد کے غلط ثابت ہوجانے کی بناء پر تمام احادیث کی صحت میں شک و شبہ ظاہر کیا۔

بعض لوگوں نے تمام علماء کو دعوت دینے کا پروگرام بنایا کہ سب مل کر بیٹھیں اور آپسی مشورہ سے احادیث کا ایک منتخب مجموعہ تیار کرلیں جن کی صحت پر پورا یقین ہو اور باقی احادیث کو اوراق پارینہ سمجھیں۔

کسی امام کی اتباع کو تقلیدِ شخصی کا الزام دینے والے

بعض لوگ وہ تھے جنھوں نے مذاہبِ اربعہ کے کسی ایک مسلکِ فقہی پر قائم رہ کر اس مسلک کے امام کی اتباع کو تقلیدِ شخصی قرار دیا۔ ان کی اس کھلی بدگمانی کو برادرانِ ملت نے حقیقت پر محمول کرکے خوب سراہا اور امام ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ کی جانفشانیوں اور کاوشوں کو ضائع ٹھیرانے اور شریعت کے ایک بڑے حصہ سے دست بردار ہوجانے کی جرأت کو دینِ صحیح کی خدمت جانا۔

جامع فقہی مذہب کا شاخسانہ

بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جملہ اجتہادی مذاہب کو ملاکر ایک جامع فقہی مذہب بنالیا جائے اور ان سے ایسے فتوے اور عدالتی احکام منتخب کرلئے جائیں جو ضرورتِ زمانہ اور مقتضائے مصلحت کے مطابق ہوں اور ان چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کو ختم کرکے مسلمانوں کو جامع فقہی مذہب کا پابند کیا جائے۔

تجدیدِ ایمان کی نیت سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھوانے والے

بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے تبلیغ دین کے عنوان سے مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کرنے اور تجدیدِ ایمان کی نیت سے کلمہ پڑھوانے میں بڑی مستعدی دکھائی ۔ علماء، صوفیا اور بزرگانِ ملت کی خدمت میں ان پر بدعتی اور گمراہ کا لیبل چسپاں کرکے ان کو پھر سے مسلمان کرنے اور کلمہ کی تلقین کرنے کی غرض سے ان کے گھروں پر تک جا دھمکے ۔ انا للہ ۔ یہ لوگ اپنے سوا سب کو گمراہ سمجھتے ہیں ۔ ان لوگوں نے بظاہر سنتِ رسول کا نام لے کر دراصل وابستگانِ دامنِ رسولؐ کی عظمت کو متاثر کیا ۔ بزرگانِ دین سے دور کرنے کی مختلف طریقوں سے کوشش کی ۔ ان لوگوں میں سوائے ظاہر داری کے روحانیت کا تو نام و نشان نہیں ۔ عظمتِ رسولؐ اگر ہے بھی تو وہ رسولؐ کے لائق نہیں ۔ ان کی ساری توجہ حیاتِ رسولؐ پر نہیں بلکہ مماتِ رسولؐ پر ہے ۔ اولیاء کا تو ذکر ہی کیا ۔

قادیانی

قادیانی مذہب کے فرقہ کے بانی نے پہلے تو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ۔ پھر مہدی ہونے کا ۔ دعوے میں ترقی کرکے ابتداء میں ظلِ نبی پھر بروزی نبی اور بالآخر نبی ہونے کا دعویٰ کیا ۔ بانی فرقہ خود کو عیسیٰؑ سے افضل جانتے ہیں حضرت مریمؑ پر قرآنی گواہی کی موجودگی میں الزام تراشی کرتے ہیں ۔ جہاد کی فرضیت کو ساقط اور منسوخ قرار دیا ہے ۔ یہ لوگ کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی تمدن کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے ۔ اس وقت تمدن بہت ترقی کرگیا ہے ۔ اس واسطے اس زمانہ کے مصلح سے اس زمانہ کا مصلح ایسی ہی نسبت رکھتا ہے جیسے ہلال اور بدر کی ۔ یہ عقیدہ ارشادِ رسالت مآب، خیر القرون کے خلاف ہے بانی فرقہ نے جو تفسیر لکھی ہے وہ مسلمانوں کے ذی علم لوگوں کو بھی متاثر کر رہی تھی اور اپنا زہر پھیلا رہی تھی ۔

امامیہ

امامیہ یعنی شیعی فرقہ کے لوگ اپنا کام الگ کر رہے تھے ۔ یہ لوگ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے باوجود قرآن میں براءت کے افک کے قائل ہیں ۔ خلافتِ راشدہ کو خلافتِ غاصبہ کہتے ہیں ۔ قرآن کو ناقص اور تقیہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام قرار دینے کے باوجود متعہ جائز ہے ۔ اور دشنام جیسے اعمال جائز اور داخلِ عبادت ہیں ۔

تفضیلی

اہلِ سنت و الجماعت کے بعض علماء اور مشائخین نے صدیق اکبرؓ کی تمام اصحاب پر فضیلت سے انکار کیا اور اہلِ سنت و الجماعت کے عقیدہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر زور دیا ۔

بعض لوگ قرآن کی تفسیریں بیان کر رہے تھے اور آیاتِ قرآنی کے من مانے ترجمے کرکے لوگوں میں ہمہ اقسام کی الجھنیں پیدا کر رہے تھے ۔

تفسیر کرنے یا لکھنے کا حق کس کو ہے

قرآن کی تفسیر کرنا یا لکھنا ہما و شما کا کام نہیں ۔ قرآن اللہ کا کلام ہے زبانِ عربی میں نازل ہوا ہے ۔ اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان پر کافی عبور کی ضرورت ہے اور لغت، محاورات، نحو، صرف، معانی و بیان سے واقفیت ضروری ہے ۔ دنیا کی زبانوں میں عربی زبان

وہ واحد زبان ہے جس میں لفظوں اور ترکیبوں کی کثرت اور انصراف کی صلاحیت موجود ہے جس پر عربوں کو ناز تھا۔ اس زبان کو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں ایک اور خصوصیت یہ حاصل ہے کہ اس میں مجرد اور مختصر اوزان موجود ہیں جو علمی اصطلاحوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اور تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس زبان میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ ایسی زبان پر عبور حاصل کرنا کھیل نہیں۔

حضرت کے اساتذہ

حضرت نے حبیب بوبکر بن شہاب سے عربی پڑھی تھی جو حضرموت کے مشہور شہر تریم کے رہنے والے تھے۔ اور عربی ادب پر کافی عبور رکھتے تھے۔ حضرت نے ان سے عربی علم ادب کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ حضرت فرماتے تھے "ان کے پڑھانے میں خصوصیت یہ تھی کہ عربیت کا ذوق پیدا ہوا۔ حبیب بوبکر بن شہاب فرماتے تھے کہ "سوائے میرے اور عبدالقدیر کے یہاں کوئی کسی بھی موضوع پر فی البدیہہ عربی میں تقریر نہیں کرسکتا"۔

حضرت کی عربی ادب پر نظر

حضرت نے زمانہ جاہلیت کے شعراء کا کلام اور عربی کے ممتاز ادیبوں کی کتابوں سے بھی کافی استفادہ کیا ہے اور ان کے اسلوب کے رنگ ڈھنگ کا بھی امتیاز رکھتے تھے۔ خُطَب ابن نباتہ، مقاماتِ بدیعی اور حریری کے علاوہ اور دوسرے ادیبوں کی تصانیف کے تعلق سے اپنی ذاتی رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے "شریف مرتضیٰ کا کلام حریری سے زیادہ رتبہ رکھتا ہے۔ بدیعی کے اچھے فقرات کے سامنے پوری حریری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ شعراءِ جاہلیت کے اشعار میں بے ساختگی، سادگی اور صداقت ہے۔ متمدن شعراء کے کلام میں صنائع بدائع ہیں جن میں بناوٹ اور تکلف نمایاں ہے۔

مختلف علوم پر عبور

حسب ذیل علوم پر گہری نظر رکھے بغیر کسی کو تفسیر لکھنے کا قطعاً حق پیدا نہیں ہوتا حضرت نے ان علوم کے حصول میں بڑی محنت اٹھائی تھی اور عبور حاصل فرمایا تھا۔

علمِ مناظرہ، اصولِ حدیث، علمِ منطق، اصولِ الفقہ، اصول التاویل ان کے علاوہ کلیاتِ فقہ و اصولِ کلیاتِ قانون و امثال و حِکم پر بھی بسیط نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں "راقم الحروف ۱۳۲۸ھ م ۱۹۱۰ء میں مدرسہ دار العلوم کی وسطانی جماعت میں شریک ہوا تھا اس وقت مولانا صدیقی سے واقف ہوا۔ اس وقت مدرسہ دار العلوم کے چار شعبے ایک ہی مکان واقع کالی کمان میں ایک ہی جگہ تھے۔ وسطانی اور فوقانی جماعتوں کے قطع نظر کالج کے دو حصے تھے یعنی عربی اور فارسی۔ فارسی حصے میں مولوی اشرف شمسی، مولوی محمد عباس، مولوی موسیٰ حسین وغیرہ نامور اساتذہ تھے۔ عربی کی جماعتوں میں عالم، فاضل کے ساتھ اب کامل کا درجہ بھی تھا۔ اس کی تعلیم کے لئے مولوی سیدنا در الدین مولوی بوبکر بن شہاب، مولوی حبیب الرحمٰن سہارنپوری المتخلص بہ بیدل، مولوی عبدالواسع، مولوی سید شاہ مصطفیٰ قادری، مولوی سید تاج الدین اور مولوی عبدالقدیر وغیرہ جیسے اساتذہ تھے۔ مولوی الٰہی بخش

صاحب صدر مستم کہلاتے تھے ۔ ان اساتذہ میں اکثر ایسے تھے جو خاص خاص شعبوں میں مہارت رکھتے تھے ۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنے مخصوص فنون کی تعلیم دیا کرتے تھے ۔ مثلاً مولوی نادر الدین فلسفہ اور کلام کا درس دیتے ۔ مولوی حبیب الرحمنٰ حدیث پڑھاتے ۔ مولوی محمد عباس فارسی کی اعلیٰ تعلیم دیا کرتے ۔ مولوی سید شاہ مصطفےٰ قادری فقہ و اصولِ فقہ وغیرہ کا درس دیا کرتے ۔ مگر مولانا عبدالقدیر صدیقی ہر فن مولا کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپ تفسیر و حدیث کی تعلیم دیتے تو اس کے ساتھ فقہ اور اصولِ فقہ کا بھی درس دیتے تھے ۔ منطق، فلسفہ اور کلام پڑھاتے تو شعر و ادب بھی آپ سے متعلق ہوتا تھا ۔ غرض تمام اساتذہ میں صرف مولانا صدیقی مدظلہ کی ذاتِ والاصفات ہی ایسی تھی کہ آپ جامعتائے فاضل اور کامل کے تمام شعبوں کو درس دیا کرتے تھے ۔

اسی مضمون میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں " آپ کی اعلیٰ قابلیت اور انتظامی صلاحیت کے باعث مدرسہ دار العلوم کی اصلاحی کمیٹیوں میں آپ کو شریک کیا جاتا رہا ۔ چنانچہ مولانا شبلی کی صدارت میں نصاب اور اصلاحی تعلیم کے لئے جو کمیٹی حکومت نے مقرر کی تھی اس میں خصوصیت سے آپ کو شریک کیا گیا تھا ۔

تفسیر کرتے وقت بے شمار باتوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے ۔ یہ قرآن ہے اللہ کا کلام ہے ۔ تفسیر لکھنا ہر عالم کا کام نہیں ہوتا ۔

تقسیماتِ اربعہ

بعض مسائل میں معنیٰ الفاظ کے تابع ہیں اور بعض میں الفاظ تابع اور معنیٰ مقصود بالذات ہوتے ہیں ۔ قرآن و حدیث اور قانون کا شمار نقلیات میں ہوتا ہے اور نقلیات میں لفظ مقدم ہے ۔ قرآن و حدیث فلسفہ تو ہے نہیں کہ الفاظ تابع اور معنی مقصود بالذات ہوں ۔ فلسفہ میں معنیٰ مقدم ہوتا ہے ۔ مسائل کا استخراج یا اجتہاد یا قرآن کی تفسیر کرنا تقسیماتِ اربعہ کی تفصیلات کے عبور کے بغیر ہو نہیں سکتا یہاں اجمالاً تقسیماتِ اربعہ سے روشناس کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو ۔ اگر کوئی اس سلسلہ کی تفصیلات جاننا چاہے تو حضرت کی کتاب " معیار الکلام " دیکھے ۔

تقسیماتِ اربعہ :۔ الفاظ و معانی کے لحاظ سے نقلیات کی چار قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ باعتبارِ وضع لغت ۔ خاص ۔ عام ۔ مشترک ۔ ماؤل

۲ ۔ باعتبارِ استعمال ، معنائے وضعی وغیر وضعی میں ، حقیقت ۔ مجاز ۔ صریح ۔ کنایہ ۔

۳ ۔ باعتبارِ ظہور و خفائے معنی جن کو متقابلات کہتے ہیں ۔

باعتبارِ ظہور ، ظاہر ۔ نص ۔ مفسر ۔ محکم

باعتبارِ خفاء ، خفی ۔ مشکل ۔ مجمل ۔ متشابہ

۴ ۔ باعتبارِ کیفیتِ دلالت : عبارۃ النص ۔ اشارۃ النص ۔ دلالۃ النص ۔ اقتضاء النص ۔

قرآن کے سلسلہ میں حضرت کی سب سے بڑی خدمت اُن مخصوص آیتوں کو نسخ کے جھگڑے سے نکال لینا ہے جن کو مفسرین منسوخ ماننے پر مجبور ہوگئے تھے ۔

عدمِ نسخِ قرآن

قرآن شریف کی آیتوں اور احکام کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے ۔ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں ۔ چنانچہ اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ابن العربی نے اس تعداد کو گھٹایا ۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی نے منسوخ آیتوں کی تعداد اکیس تک مانی ۔ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ نے صرف پانچ تک مانی ۔ حضرت نے ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لیا اور ثابت فرمادیا کہ قرآن کا کوئی حکم کوئی آیت منسوخ نہیں اور قرآن پر سے ایسے اعتراضات کو رفع فرمادیا جو ایک زبردست فتنہ تھا ۔ حضرت نے اس سلسلہ میں ایک مستقل مقالہ " عدمِ نسخِ قرآن " کے نام سے لکھا ہے ۔ مقالہ میں حضرت نے مفسرین کے اس قدر کثیر التعداد آیتوں کے منسوخ ماننے کے اسباب پر گفتگو فرمائی ہے ۔ اس کے بعد ان آیتوں کے متعلق بحث فرمائی ہے جس سے مسئلہ ناسخ و منسوخ کے سمجھنے میں فائدہ ہوتا ہے ۔ اور آخر میں اُن آیتوں سے بحث فرمائی ہے جن کو شاہ ولی اللہ بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے تھے ۔ حضرت نے ثابت فرمادیا کہ قرآن کا کوئی حکم کوئی آیت منسوخ نہیں ۔ یہ مقالہ مجموعہ مقالاتِ علمیہ حیدرآباد اکاڈیمی نمبر (۴) ۱۳۶۱ ھ میں شائع ہوا ۔ حضرت نے بھی " مسئلہ عدمِ نسخِ قرآن " کے نام سے علحدہ رسالہ کی شکل میں اس مقالہ کو طبع کروایا ہے ۔ اس کے ملاحظہ سے حضرت کے اجتہاد کی قوت کا انداز ہوتا ہے ۔

اس مقالہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں " بعض دفعہ ایک دائمی حکم دینا مقصود ہوتا ہے مگر عمل یا اجتناب میں آہستہ آہستہ سختی بڑھائی جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ حکمِ مقصود پر عمل کرنے کی لوگوں میں قابلیت پیدا ہوجائے ۔ یہ کمالِ حُسنِ تعلیم و تربیت ہے ۔ ہمارے خیال میں ان ابتدائی مراحل کو منسوخ نہ کہنا چاہئیے بلکہ اصل حکم کا توطیہ و تمہید سمجھنا چاہئیے ۔ اصل مقصود وہ حکم سمجھا جائے گا جو ہمیشہ کے لئے دیا جائے گا ۔ مثلاً شراب دفعۃً حرام نہیں کی گئی ۔ پہلے کہا گیا لاتقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ یعنی شراب پئے ہوئے نماز کے قریب نہ جاؤ ۔ پھر کئی مرحلوں کے بعد شراب حرام کی گئی ۔ پس لا تقربوا الصلوٰۃ کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ وہ حرمت شراب کا مقدمہ اور تمہید تھا ۔

ایک تاریخی واقعہ

ایک تاریخی واقعہ ہے کہ روسی لوگ بت پرست تھے ۔ ان کا ایک وفد تحقیقِ مذہب کے لئے قسطنطنیہ پہنچا تو مذہبِ اسلام ان کو پسند آیا ۔ نواہی میں شراب پینا بھی تھا ۔ روسی وفد نے کہا ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں بغیر شراب کے ہم آرام سے رہ نہیں سکتے ۔ علماء نے ترکِ شراب پر شد و مد سے تاکید کی جس کا نتیجہ روسیوں کا نصرانی ہوجانا تھا ۔ اگر کفر کے مقابل نشہ سے خاموش ہوجاتے بڑے شر کے مقابل چھوٹے شر کو اختیار کرلیتے تو اتنی بڑی قوم اسلام کے ہاتھ سے نہ نکل جاتی ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک ہی دفعہ میں شراب کو حرام کردیتا مگر نہیں اس نے بمراحل رفتہ رفتہ اس کو حرام فرمایا ۔ علماءِ اسلام کو بھی چاہئیے کہ مسلمان کو پہلے توحید کی پھر دوسرے اہم ارکان کی تعلیم دیں پھر رفتہ رفتہ ایک ایک حکم کا پابند بنائیں ۔ ابھی غریب مسلمان ہوا اس کا ختنہ کرڈالا ۔ فرض نمازوں کے ساتھ سنتوں کی بھی تاکید کی ۔ روزوں کے ساتھ تراویح بھی لگادی ۔ ان سب کاموں کی پابندی آہستہ آہستہ کروائی جائے ۔ فرض کے برابر سنن اور نوافل کو اہمیت نہ دی جائے ۔ غریب نو مسلم پر اللہ رحم کریں "۔ (ماخوذ از " مسئلہ عدمِ نسخِ قرآن ") ۔

شانِ نزول بیان کرنے سے احتراز

تفسیر کے سلسلہ میں حضرت کا ایک اور کام شانِ نزول کو بیان کرنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا ہے ۔ لوگ حضرت کے مقصد پر غور نہیں کرتے اور اس کو تفسیر کی کمزوری سمجھتے ہیں ۔ حضرت کے پاس آیتوں کو شانِ نزول سے مقید کرنا قرآن کے عموم کو متاثر کرنا ہے ۔ حضرت قرآن شریف کو مبین سمجھتے ہیں ۔ قرآن کو سمجھنے کے لئے اگر ہر مقام پر غیرِ قرآن کی محتاجی رہے تو پھر وہ مبین کیسے برقرار رہ سکتا ہے ۔ قرآن تو قیامت تک کے لئے ہے اور ہر زمانے سے یکساں طور پر متعلق ہے ۔ اس کے احکام کلی ہیں ۔ ہر زمانے میں اس وقت کے واقعات کا لحاظ کرتے مسائل کے سلسلے میں قرآن سے احکام کا اخذ کرنا یہ اس وقت کے علماء اور مجتہدین کا کام ہے ۔ شانِ نزول تو قرآن میں موجود نہیں اگر قرآن فہمی کے لئے اس کی ضرورت ناگزیر ہوتی تو قرآن میں وہ ضرور بیان کردی جاتی ۔ قرآن کا کام تو احکام بیان کرنا ہے ۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے اگر ہر مقام پر غیرِ قرآن کی محتاجی رہے تو وہ مبین کیسے برقرار رہ سکتا ہے ؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیرِ قرآن کی محتاجی میں حدیث کو بھی داخل کرلیا جائے ۔ یہ تو چکڑالویوں کے اہلِ قرآن کا مذہب ہوجائے گا ۔ جو قرآن کے سوا حدیث پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ حدیث کے منکر ہیں ۔

حدیث کی ضرورت و اہمیت

قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے مآ اتٰـکم الرسول فخذوہ و مـا نھٰـکم عنہ فـانـتھوا ۔ یعنی پیغمبر تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو ۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مـاینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحٰی یعنی وہ (پیغمبر) اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتا ۔ پیغمبر جو کچھ کہتا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی طرف سے کی جاتی ہے ۔

احادیث کی ضرورت ، اہمیت اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں حضرت مندرجہ بالا آیتوں کے ساتھ ساتھ حسب ذیل احادیث سے استدلال فرماتے ہیں ۔

عن ابی رافع قـال قـال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا الفین احدکم متـکـئـا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ اونھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتـاب اللّٰہ اتبعنـاہ ۔
(رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ و البیھقی فی دلائل النبوۃ ۔ مشکوٰۃ) ۔

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تم میں سے میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے صوفہ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے پھر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا جو کتاب اللہ میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے ۔
(روایت کیا اس کو احمد ، ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ اور بیہقی نے دلائلِ نبوت کے عنوان میں ۔ مشکوٰۃ)

عن المقدام بن معد یکرب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم الآ انی اوتیت القران و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علیٰ اریکتہ یقول علیکم بھذاالقران فما وجد تم فیہ من حلال فاحلوہ و صا وجد تم فیہ من حرام فحرموہ و ان ما حرم رسول اللّٰہ کما حرم اللّٰہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطۃ معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا ۔ ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ "۔

(رواہ ابوداؤد ۔ والدارمی نحوہ و کذا ابن ماجہ الی قولہ کما حرم اللّٰہ ۔ مشکوٰۃ)

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے "ہاں" میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسنتے ہی اور احکام اس کے ساتھ ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھا ہوا ہو اور وہ کہہ بیٹھے تمہیں یہ قرآن بس ہے ۔ اس میں جسے حلال بتایا گیا ہو اسے حلال سمجھو اور اس میں جسے حرام بتایا گیا ہے اسے حرام سمجھو ۔ اور یہ بھی سمجھو کہ جس طرح خدا نے چند چیزوں کو حرام کیا ہے ایسا ہی اللہ کے رسول نے بھی حرام کیا ہے ۔ ہاں ! تمہیں حلال نہیں ہے شہری گدھا (اس کے مقابل وحشی گدھا یعنی گورخر ہے) اور کوچلیاں والا درندہ اور نہ کسی ہم عہد اور ذی کی پڑی ہوئی چیز راستہ میں (مگر یہ کہ وہ اس قدر خفیف (کم قیمت) کہ اس کے مالک کو اس کی پروانہ ہو ۔ اور جس قوم کے پاس اترے اس قوم پر ضروری ہے کہ مسافر کی مہمانی کرے اگر وہ مہمانی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اس کا تعاقب کرے یعنی اس سے دعوت (مہمانی) کا مطالبہ کرے ۔

(روایت کیا اسے ابوداؤد نے اور دارمی نے بھی ۔ اسی طرح روایت کی اور اسی طرح ابن ماجہ نے حرم اللّٰہ کے الفاظ تک ۔ مشکوٰۃ)

بعض اصول

حضرت فرماتے ہیں "قرآن کے لفظِ خاص پر عمل کرنا ضروری ہے خاص میں کسی طرح بیانِ تفسیر کی احتیاج نہیں وہ خود ظاہر و واضح ہوتا ہے ۔ اگر قرآن کے خاص کی مخالفت خبرِ واحد یا قیاس سے ہوتی ہے تو اگر ان کے جمع کرنے سے خاص کے حکم میں کوئی تغیر نہ آتا ہو تو دونوں پر عمل ہوگا ۔ ورنہ صرف خاص قرآن پر عمل ہوگا ۔ جو متواتر اور یقینی ہے ۔ مثلاً قرآن میں ہے فاقرؤا ماتیسر من القران اور خبرِ واحد میں لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ہے ۔ پس مطلق قراءت فرض ہوگی اور قراءتِ سورہ فاتحہ واجب ہوگی نہ کہ فرض "۔

فرمایا ۔ "حکمِ عامِ غیر مخصوص ۔ ایسا عام ، خاص کی طرح قطعی ہے اس پر عمل لازم ہے ۔ قرآن کے عام کی خبرِ واحد یا قیاس سے تخصیص صحیح نہیں ۔ ہر قسم کے خطاب کے عموم میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں ۔

اگر یا یھا النبی. یٰایھا الرسول کے ساتھ خطاب کیا گیا ہو تو اس میں امت بھی داخل ہے۔

اگر پیغمبر کسی امتی کو خطاب کرے تو حنفیہ کے پاس عام نہ ہوگا دوسرے ائمہ کے پاس عام ہے۔ عام کسی مدح یا ذم کا متضمن ہوتا ہے تو حنفیہ کے پاس تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ جیسے ان الابرار لفی نعیم۔

فرمایا۔ - عام مخصوص - وہ عام ہے جس کے حکم سے بعض افراد علٰحدہ ہوجائیں تو اس خصوص کو عام کا مخصص کہتے ہیں جیسے فاقتلوا المشرکین کے حکم سے وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ پس فاقتلوا المشرکین عام مخصوص ہے۔

فرمایا۔ - مخصص کبھی مجمل یا نا معلوم ہوتا ہے جیسے احل اللّٰہ البیع و حرم الربوا۔ ربا مجمل ہے۔ حدیث میں اس کی گونہ تفصیل ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجمل ہو تو اس کی تفصیل حدیث سے اور حدیث مجمل ہو تو اس کی تفصیل قیاس سے ہوتی ہے۔

تفسیر میں حضرت نے یہ کوشش کی ہے کہ لوگ قرآن کے مفہوم کو سمجھ کر قرآن سے قریب ہوجائیں۔

عربی میں باریک سے باریک فرق کو ظاہر کرنے کی جو صلاحیت ہے وہ اردو زبان میں نہیں ہے۔ اگر عربی کے ایک لفظ کا معنیٰ اردو کا ایک لفظ ادا نہیں کر سکتا تو حضرت کئی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ تا کہ سب الفاظ مجموعی طور پر قرآن کے لفظ کے معنوں، تقاضوں کو ممکنہ طور پر واضح کر سکیں۔ محاورہ کی صورت میں اُس محاورہ سے نزولِ قرآن کے زمانہ میں عرب جو معنیٰ لیتے تھے حضرت اس کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ صحیح مفہوم سمجھ سکیں یا پھر اردو میں اسی معنیٰ کو ظاہر کرنے والا کوئی محاورہ ملتا ہے تو اس کو استعمال کرتے ہیں۔ محاورہ کی صورت میں لفظی معنیٰ کئے جائیں تو مفہوم ادا نہیں ہوتا۔

عام طور پر لوگ بین السطور ترجمے دیکھنے کے عادی ہیں۔ جس میں اس قسم کا اہتمام نہیں رہتا۔ ایک لفظ کے ترجمہ کے لئے بجائے ایک لفظ کے کئی الفاظ یا محاوروں کی صورت میں بجائے ترجمہ کے محاورہ دیکھ کر کم فہموں کو الجھن ہوتی ہے۔ حالانکہ ترجمہ سے اصل مقصد قرآنی مفہوم کو سمجھنا ہے۔ حضرت کے پیشِ نظر آیت کا صرف ترجمہ کردینا نہیں بلکہ قرآنی مفہوم سے قریب کردینا ہے۔ اور یہ قرآن کی صحیح اور حقیقی خدمت ہے۔ اور مسلمانوں کو قرآن سے قریب تر کردینے اور فائدہ پہنچانے کا اعلیٰ درجہ کا اندازِ فکر ہے۔

مثال کے طور پر تبت یدا ابی لھب وتب ٥

عام طور پر مسلمہ جو ترجمے ملتے ہیں آیت کا اس طرح ترجمہ کیا جاتا ہے

۱۔ ہلاک ہو جیو ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہو وہ۔

۲۔ ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا۔

۳۔ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ ہو۔

تَبَّ : ہلاک ہوا، برباد ہوا، رائیگاں گیا۔ تباب۔ مصدر یدان، دو ہاتھ۔ اضافت کی وجہ سے نون گرگیا۔ ید کا لفظ عربی زبان میں ہاتھ، قوت، کوشش اور کام کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔

چونکہ وہ بہت گورا اور سرخ رنگ کا تھا اس لئے اس کی کنیت ابولہب یعنی پدرِ شعلہ رکھی گئی ۔ چونکہ عبدالعزیٰ میں بت کی طرف نسبت تھی لہذا یہ نام نہیں لیا گیا ۔ اور ابولہب میں تلازم آتش یعنی دوزخی ہونے کا ابہام پیدا ہوتا تھا ۔ اسی لئے یہ کیفیت اختیار کی گئی ۔ وتب اور خود بھی برباد رہا ۔

ترجمہ : ابولہب کی ہر طرح کی کوشش ناکام رہی اور خود بھی برباد ہوا " ۔

وامراته حمالة الحطب ○

بین السطور ترجموں میں آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں ۔

۱ ۔ اور جورو اس کی اٹھانے والی لکڑیوں کی ۔

۲ ۔ اور اس کی جورو سر پر لئے پھرتی ایندھن ۔

۳ ۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے ۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے ۔

وامراته ۔ اور اس کی عورت ، جورو ، ابولہب کی عورت کا نام ام جمیل ہے حمالة بوجھ اٹھانے والی الحطب جلانے کی لکڑی حمالة الحطب ہیزم کش ۔ چغل خور ، لگائی بجھائی کرنے والی ، شرانگیز باتیں لگانے والی ۔ جلتی آگ میں چار لکڑیاں ڈال کر اور بڑھانے والی ۔

ترجمہ : " اور ابولہب کے ساتھ شعلہ زن آگ میں شرانگیز عورت بھی داخل ہوگئی " ۔

فی جیدها حبل من مسد ○

بین السطور ترجموں میں آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں ۔

۱ ۔ اس کی گردن میں رسی ہے مونج کی ۔

۲ ۔ بیچ گردن اس کی کہ رسی پوست کھجور کے سے ۔

۳ ۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی ۔

حضرت کے ترجمہ کرنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے ۔

جید گردن ۔ خوب صورت گردن ۔ حبل رسی من مسد کھجور کے نارے کی ۔ جو مضبوط اور سخت ہوتی ہے فی جیدها اس کے گلے میں یعنی وہ اپنی کوشش میں آپ پھنس گئی ۔ اس کی شرارت اس کے گلے کی پھانسی بنے گی ۔

ترجمہ : اس کے گلے میں نارے کی رسی (اس کی شرارت اس کے گلے کا ہار)

تفسیر صدیقی کے مقاصد

حضرت کے پیش نظر تفسیر لکھنے کے چند مقاصد ہیں ۔ منجملہ ان کے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پڑھنے والے کو دوران تفسیر عربی زبان سے بھی واقفیت ہوجائے تاکہ قرآن کے سمجھنے کے لئے دوسری زبان کی پھر حاجت نہ رہے ۔ خود عربی سے قرآن کو سمجھیں اور دیگر اہلِ کتاب کی طرح صرف ترجمے پڑھ کر اصل کلام اللہ سے دور نہ ہوجائیں ۔

تفسیر میں حضرت نے ممکنہ کوشش کی ہے کہ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دیں۔

دورانِ تفسیر حضرت نے ثابت فرمایا ہے کہ ائمہ کے مذاہب قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور یہ کہ ائمہ نے ایک قدم بھی قرآن کے خلاف نہیں اٹھایا ائمہ کے اقوال قرآن کے اجمال کی تفصیل ہیں اور سب کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ ائمہ نے اپنے دل سے کوئی مسئلہ نکالا کسی غیر مذہب والوں سے کچھ لیا۔ ائمہ ہی کیا بلکہ ہر مسلمان کا مرجع اسی قرآن پر ہے۔ اس سے حضرت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ پیغمبر اور قرآن ہی سے ملا ہے۔ قرآن ہی یقینی اور قطعی چیز ہے۔

تفسیر میں تصوف اور علم اخلاق کے مسائل سہل ترین طریقہ سے بیان کردئے ہیں۔ نیز کوشش فرمائی ہے کہ تمام مسائل قرآن کے ضمن میں معلوم ہوں۔ جیسے سود، دار الحرب، سرمایہ داری۔ اشتراک اور غلامی وغیرہ کی بھی تحقیق فرمائی۔

تفسیر میں اسنادِ حقیقی اور اسنادِ مجازی کی جابجا توضیح فرمائی ہے کیونکہ کفر و اسلام کا دارو مدار اسی مسئلے کے سمجھنے پر ہے۔

تفسیر میں جہاں جہاں مشاکلہ ہے اس کو بھی ظاہر فرمایا ہے جیسے و مکروا ومکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین میں مشاکلہ ہے۔ حضرت اس کے معنی اس طرح کرتے ہیں کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ ان کے مکر کی سزا دیتا ہے اور اللہ تو بہترین مکر کی سزا دینے والا ہے۔

قرآن میں جہاں جہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے یہاں قسم کھائی ہے۔ تفسیر میں حضرت ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ حقیقت میں شہادت ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ وجہ شہادت کیا ہے بیان کردیں۔

حضرت دورانِ تفسیر ربطِ آیات پر زیادہ زور نہیں دیتے مگر جہاں ضرورت سمجھتے ہیں آیتوں کا باہمی ربط بیان فرمادیتے ہیں۔ حضرت تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

" واضح ہو کہ اکثر لوگ ربطِ آیات کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں۔ ایک انگریز نے ایک بات لکھی ہے جس کو میں بھی پسند کرتا ہوں " قرآن شریف کوئی تالیف، تصنیف نہیں ہے اللہ کا کلام ہے۔ لوگوں کی جیسی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے سوال کیا اور اس کا جواب دیا گیا تورات، انجیل کو دیکھو تمام آسمانی کتابوں میں یہی حالت ہے۔ حسب ضرورت احکام اترے ہیں۔ بے ربطی ہی کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر ایک بینا دل کے لئے ربط مل جاتا ہے۔

(ماخوذ از تفسیر صدیقی)

(ہندوؤں کو خود وید یا دیگر مذہبی کتابوں کے تعلق سے ان کے آسمانی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ للمرتب)

یہ کام علمِ کلام کا ہے۔ ہر زمانے میں مخالفینِ اسلام رہے اور ان کے اعتراضات کا انداز اپنے اپنے زمانے میں جداگانہ رہا۔ حضرت اپنی تفسیر میں اپنے زمانے کے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ اور گذشتہ کئے گئے اعتراضات کے جوابات کو دہرانے یا اپنے انداز میں پھر سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ معترضین اب باقی نہ رہے۔ دیگر تفاسیر میں گذشتہ کے اعتراضات کے جوابات کو دیکھ کر ان مسائل میں حضرت کے خیالات سے واقف ہونے کی غرض سے آدمی حضرت کی تفسیر دیکھتا ہے اور اس میں نہیں پاتا تو وہ سمجھتا ہے کہ حضرت نے اتنی اہم چیز ترک کردی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ حضرت تفسیر میں اپنے زمانے کے حالات، واقعات اور اعتراضات کو پیش نظر دیکھ کر تفسیر فرمارہے ہیں۔

معترضین کے اعتراضات کے جوابات جو حضرت نے دیئے ہیں موقع محل کے لحاظ سے ہم آگے بیان کریں گے ۔

حضرت کی تفسیر لکھنے کا ایک اور مقصد پڑھے لکھے حضرات کو جو تھوڑا بہت دینی فہم رکھتے ہیں نزاعی مسائل کی طول طویل اور الجھا دینے والی بحثوں میں مبتلا کئے بغیر قرآن کی روشنی میں سارے ضروری مسائلِ شرعیہ سے واقف کرادینا ہے ۔ تا کہ غیر مذاہب اور معترضین کے اعتراضات سے وہ مطلق متاثر نہ ہوں ۔ ایسے مسائل کے بیان کرنے سے اجتناب کرتے ہیں جو بہت زیادہ دقیق اور پیچ در پیچ ہوتے ہیں جو صرف صاحبِ نظر علماء ہی کے لئے موزوں ہوتے ہیں ۔ حضرت نے یہ تفسیر خواص سے زیادہ عامۃ المسلمین کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی ہے جس میں مفادِ عامہ ہے ۔ باوجود اس کے خواص کے لئے بھی تفسیر میں جابجا اشارے موجود ہیں ۔ کیونکہ قرآن خواص اور عوام ہر دو کے لئے ہے ۔

تفسیر کے ضمن میں حضرت نے حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے اور مسلمانوں میں ان کا صحیح شعور بیدار کرنے کی نہایت اہم خدمت انجام دی ہے ۔ یہ بات تو ناقابلِ تردید ہے کہ بیرونی دشمن تو کھلے دشمن ہوتے ہیں مگر اندرونی دشمن مارِ آستین اور حد درجہ خطرناک ہوتے ہیں ۔ حضرت نے ان اندرونی دشمنوں کی اپنی تفسیر - تفسیر صدیقی " میں اور بالخصوص تفسیرِ سورہ فاتحہ میں کھل کر تردید کی ہے ۔ چنانچہ دشمنوں کے ایک فرقہ نے جن پر ضربِ کاری پڑی تھی تلملا اٹھا اور شاہِ وقت کے پاس باقاعدہ محضر تیار کرکے معروضہ کے ساتھ پیش کردیا ۔ کیونکہ اس وقت اس فرقے نے عطوفتِ شاہانہ کو مخصوص ہتھکنڈوں سے اپنی طرف مائل کر لیا تھا ۔ اور شاہ کے عقائد خراب کردئے تھے اس وقت رحمت یار جنگ کوتوال تھے اور گریکسن صدرالمہام کوتوالی اور امور عامہ ۔ محضر دیکھ کر اعلیٰحضرت نہایت چراغ پا ہوئے اور چاہا کہ حضرت کو شہر بدر کردیں ۔ مطلق العنان ہونے کے باوجود انہوں نے گریکسن سے اس سلسلہ میں ان کی اپنی رائے دریافت کی ۔ گریکسن نے فرقہ کے نمائندوں سے گفتگو کی ۔ گریکسن نے ان سے سوال کیا کہ کیا انہوں نے کوئی پمفلٹ لکھا ہے ۔ نمائندوں نے جواب دیا نہیں ۔ دریافت کیا پھر وہ تحریر کہاں ہے جس کی تم شکایت کررہے ہو ۔ نمائندوں نے جواب دیا انہوں نے قرآن کی تفسیر جو تفسیر صدیقی کے نام سے لکھی ہے اس میں ہے ۔ گریکسن نے جوابی معروضہ پیش کردیا کہ ایک عالم اپنے خیالات بحیثیت مذہبی پیشوا تفسیر قرآن میں بیان نہیں کریگا ۔ اپنا مذہب اور اپنا عقیدہ اس میں پیش نہیں کرے گا تو کہاں کرے گا ؟ تفسیر قرآن تو اس کے بیان کرنے کا صحیح مقام ہے ۔ آپ جس کو شہر بدر کرنا چاہتے ہیں اگر شہر بدر کردیں تو ریاست میں غدر مچ جائے گا اور بے حد مشکلات کا سامنا ہوگا ۔ گریکسن کے اس جوابی معروضہ پر اعلیٰحضرت دم بخود ہوگئے اور نہ صرف شہر بدر کرنے کا خیال ترک کردیا بلکہ اخبار میں اعلان کردیا کہ وہ صدیقی النسب ہیں اور اکثریتی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ چنانچہ جن جن مقامات پر انہوں نے عاشور خانے بنوائے اس کے ساتھ ہی عاشور خانوں کے ملحق مسجدیں بھی تعمیر کروادیں ۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ محراب و منبر بنوائے تا کہ مسجد کو دیکھنے سے معلوم ہو کہ اہل سنت الجماعت کی مسجد ہے عبادت خانہ نہیں ۔

ساری تفصیل رحمت یار جنگ کوتوال کے ذریعہ معلوم ہوئی پریشانی کی خبر دینے حضرت کی خدمت میں وہی حاضر ہوئے تا کہ حضرت شہر چھوڑنے پہلے سے تیار رہیں اور انتظامات کرلیں ۔ بعد میں مبارک باد دینے بھی وہی حاضر ہوئے تھے کہ بلا ٹل گئی ۔

ایسے وقت جب کہ شاہِ وقت کے عقائد کسی فرقہ کے عقائد کی طرف ڈھلک گئے ہوں ۔ اس طرح جرأت کے ساتھ ان عقائد کی شدید طور پر تردید کردینا اور اس کے مطلق العنان ہونے کی پروانہ کرنا سوائے مردِ مجاہد کے دوسرے کے بس کی بات نہیں ۔ حق و باطل میں صریح طور پر تمیز پیدا کردینا ہی ایک مجدد کا کام ہے ۔

اب میں حضرت کے خیالات ایسے فرقہ جات کے بارے میں پیش کرتا ہوں جو اسلام کے مدعی ہیں۔ اور جن کے اسلام پر قرآن کی راست زد پڑتی ہے۔

ایسے فرقہ جات جن کے اسلام پر قرآن کی راست ضرب پڑتی ہے یہ ہیں:

فرقہ امامیہ

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

صاحبو! انعمت علیھم کے مصداقِ اعلیٰ وافضلِ انبیاء وصحابہ کرام ہیں۔ شاگردانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ منبع تعلیماتِ نبی ہیں۔ سب کو مرتد بےدین سمجھنا، قرآن وحدیث سب کو مٹانا، دین کی بنیاد گرانا ہے۔ اسلام کا دعویٰ اور پھر اسلام کا قلع قمع؟ العیاذ باللہ

قرآن کس سے پہنچا؟ صحابہ سے، خصوصاً حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے۔ سلمان۔ مقداد۔ ابوذر رضی اللہ عنہم سے کس نے روایت کی؟ جن کو تم مسلمان سمجھتے ہو ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے قرآن آحاد رہ جاتا ہے متواتر کب ہوتا ہے؟ مسلمانوں کا سرمایہ ناز قرآن کا تواتر ہے، اس کو برباد کیا۔ غیر یقینی کیا۔ اس میں کمی زیادت کے قائل ہوگئے اب تمہارے ہاتھ میں نہ قرآن ہے نہ اس کی قطعیت۔

حدیث کا حال سنئے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام زنانہ میں بھی دئے۔ عورتیں بھی مخاطب تھیں وہ سب حدیثیں کالعدم؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ نے جتنی حدیثیں روایت کیں، ناقابلِ اعتبار؟ پھر کتنی حدیثیں رہ گئیں جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ اطہار نے جتنی روایتیں عامۃ الناس کے لئے برسرِ منبر بیان کیں سب بطور تقیہ کے تھیں؟ العیاذ باللہ۔ پھر حدیث کہاں؟ دین کدھر؟ تعلیمِ نبوت کتمِ عدم میں۔ اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔

اسلام کے تباہ کرنے کے منازل کیا ہیں

سب سے پہلے جب اہلِ بیت کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے جو اہلِ اسلام کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ پھر اہلِ بیت میں سے ازواجِ مطہرات نکالے جاتے ہیں جن کا اہلِ بیت ہونا قرآن میں منصوص ہے۔ عربی میں اور دنیا کی تمام زبانوں میں اہلِ بیت و اہلِ خانہ بیوی کو کہتے ہیں۔

پھر تفضیل کا مسئلہ ہے۔ پھر خلافت کا مسئلہ ہے۔ پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام، مظالمِ کربلا کا ماتم۔ پھر مشاجراتِ صحابہؓ کا مسئلہ ہے پھر تکفیرِ صحابہ کا مسئلہ ہے۔ پھر تقیہ کا مسئلہ ہے۔ اس پر دین کا خاتمہ ہے۔

اب میں ان مسائل کو بالاختصار زیرِ ضوء لاتا ہوں۔ شاید کسی صاحبِ عقل وفہمِ مستقیم کو نور و سرور حاصل ہو۔

آل اور اہل کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ بلکہ آل کا واؤ ھا ہوگیا ہے چنانچہ آل کی تصغیر اھیل ہے آل یؤل اولا کے معنیٰ ہیں رجوع کرنا۔ آل وہ ہے جو کسی کا تابع ہو۔ اور اس کا مرجع و مآب ہو۔ قرآنِ شریف میں آل فرعون ہے بمعنی تابعینِ فرعون۔ پس آل

محمد صلی اللہ علیہ و سلم اور تمام مسلمان حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے تابعین ہیں ۔
جس قدر جس کے کاموں کا حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف رجوع بڑھتا جائے گا اتنا ہی اس کی آلیت بھی بڑھتی اور قوی ہوتی جائے گی متقی آدمی کا رجوع زیادہ ہے تو آل محمد کل تقی بھی وارد ہے ۔ بنی ہاشم کو قربِ قرابت ہے ان پر صدقہ حرام ہے تو وہ بھی آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں ۔ حضرت مولیٰؓ ۔ حضرت بی بیؓ اور حسنینؓ سے سلسلہ اولادِ رسولؐ جاری ہوا ۔ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ و سلم ہیں بیٹی داماد کا گھر جدا ہوتا ہے اس لئے حضرتؐ نے ان حضرات کو عباءِ مبارک میں لے کر ظاہر فرمادیا کہ شرفِ اہلِ بیت میں یہ حضرات بھی شریک ہیں ۔
ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا قرآن سے منصوص ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے لئے بھی قرآن شریف میں اھل البیت وارد ہوا ماقبل اور مابعد کی آیتیں سیاق و سباق قرآن سے ازواجِ مطہرات کے لئے ہے ۔ یاد رکھو اھــل کی طرف ہمیشہ جمع مذکور ہے ضمیر راجع ہوتی ہے ۔ بیوی ام سلمہؓ کو آپ نے فرمایا علی الخیر یعنی اســں آیت کے خیر میں تم ہو ہی ۔ ازواجِ مطہرات کو آیتِ تطہیر سے نکالنا قرآن پر ظلم کرنا ہے یـا نسـآء النبی لستن کاحد من النسـآء ۔ اے پیغمبر کی بی بیو ! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو ۔ کہاں تک فضل کا انکار ؟
صاحبو ! آیتِ تطہیر کی اہمیت اُن کے پاس عصمت ثابت کرنے کے لئے ہے ۔ ان کے پاس چونکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت تھیں لہذا خلیفہ نہیں ہو سکتیں خصوصاً جب کہ بعض دفعہ حضرت مولیٰ سے شکر رنجیاں بھی ہوئیں ۔ باہم اختلاف بھی ہوا ۔ لہذا آپ معصوم بھی نہیں ۔ اور آیتِ تطہیر میں داخل بھی نہیں ۔
حضرت امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اگر معصوم ہوں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوجائے گی ۔ لہذا ان کے اصول سے حضرت امام حسن مجتبیٰ معصوم نہیں نہ آیتِ تطہیر میں داخل ہیں ۔
آؤ اب غور کریں کہ آل و اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے آخر یہ لوگ کتنے حضرات کو مانتے ہیں ۔
حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کی چار صاحبزادیاں ہیں ۔ تین کو نہیں مانتے ایک کو بھی جس طرح مانتے ہیں بیان کردیا گیا کہ ان کو غیر معصوم سمجھتے ہیں ۔ حضرت علی کے صاحبزادوں میں امام محمد بن علی ہیں جن کو یہ لوگ محمد ابن حنفیہ کہتے ہیں ۔ ان کو حسب عادت کیا کچھ نہیں کہتے ۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ کے سلسلہ اولاد کو نہیں مانتے ۔ حضرت امام علی زین العابدینؓ کے صاحبزادے امام زید کو نہیں مانتے ۔ حضرت امام جعفر صادقؓ کے صاحبزادے امام اسمٰعیل اور ان کی اولاد (جن کی طرف فرقہ اسماعیلیہ منسوب ہے) کو نہیں مانتے ۔ کل بارہ اماموں کو مانتے ہیں ۔ اور ائمہ کو وہی بدگوئی جو صحابہ کو ہوتی ہے ۔ اس کو کہتے ہیں حُبِّ آلِ اہل بیت؟ معاذ اللہ ۔

اس کے بعد مسئلہ تفضیل کا نمبر ہے

حضرت سیدہؓ جزء رسولؐ ہیں ۔ بلا واسطہ یہ شرف حسنینؓ کو ہے نہ حضرت مولیٰؓ کو اور نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ۔ ازواجِ مطہرات کا ام المومنین ہونا قرآن میں منصوص ہے ۔ وازواجه امهاتهم ماں کی تعظیم ہر مذہب میں ، ہر قوم میں لازم سمجھی جاتی ہے

ابتدائی زمانہ رسالت کی مدد کرنا ۔ تبلیغ اسلام کرنا ۔ انتقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو سنبھالنا ۔ امن برقرار رکھنا ۔ ارتداد سے روکنا حضرت صدیق اکبرؓ کا کام ہے ۔ مسلمانوں کو منظم کردینا فاروق اعظمؓ کا کام ہے ۔ قرآن کو صحت کے ساتھ نشر کرنا ذی النورین کا کام ہے ۔ میدان میں گھس کر تلوار مارنا ۔ دلوں کو نور سے معمور کرنا حضرت مولیٰ کا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ بعض حضرات کو بعض خصوصیات سے سرفراز کیا ہے ۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس کو من جمیع الوجوہ سب پر فضیلت ہو جس نے جتنی اسلام کی خدمت کی اتنا ہی اللہ کے پاس اس کا رتبہ بڑا ہے ۔

فروشندہ را بافضولی چہ کار

اس کے بعد خلافت کا مسئلہ ہے

نبی کے لئے ضرور نہیں کہ وہ بادشاہ بھی ہو ۔ و قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا ۔ لوگوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ بھیجئے ۔ البتہ سلیمان علیہ السلام میں نبوت و سلطنت جمع تھی ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں کچھ حکومت بھی آگئی تھی ۔ ان لوگوں کے پاس تعلیم نبوت کی کوئی اہمیت نہیں ۔ جو کچھ ہے دنیا اور اس کی حکومت ہے ۔ مگر اہلِ بیت کو دنیا کی حکومت نہ ملی لہذا وہ خلافت سے محروم رہے ۔

اب میں خلافت کی تھوڑی سے تحقیق کردینا چاہتا ہوں ۔

خلیفہ وہ ہے جو مستخلف یعنی اصل کا قائم مقام ہو ۔ اس کا کام کرے ۔ ظاہر ہے کہ رسول صاحبِ وحی ہوتا ہے ۔ اس کا کام کوئی انجام نہیں دے سکتا اس کے احکام پہنچانے اور اس کی تعلیم دینا ہی خلافت ہے ۔ جس نے قرآن پہنچایا وہ بھی خلیفہ ہے ۔ جس نے اس کو سمجھایا اس کی تعلیم دی وہ بھی خلیفہ ہے جس نے اس سے استنباط کیا وہ بھی خلیفہ ہے جس نے احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچائیں وہ بھی خلیفہ ہے جس لے اصلاح نفسِ خلق اللہ کی وہ بھی خلیفہ ہے ۔ جس نے انصاف سے حکومت کی وہ بھی خلیفہ ہے ۔ غرض یہ کہ جس نے تعلیمِ نبی و خدمتِ اسلام زیادہ کی وہ بڑا خلیفہ ہے ۔ میزان اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ وہی اس کا فیصلہ فرمائے گا کہ کون بڑا ہے اور کس کے اعمال زیادہ اچھے ہیں ۔ بعض لوگ خلافتِ منصوص کے مدعی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زندگی ہی میں خلافت دے دی تھی ۔ فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔ مولیٰ کے معنیٰ محب اور قرابت دار اور مددگار وغیرہ کے ہیں ۔ پس تصریح خلافت کہاں ہے ؟

عباسیہ کہتے ہیں حضرت عباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصبہ و وارثِ رسولؐ ہیں ۔ حسنین ذوی الارحام سے ہیں ۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عورت ہیں لہذا بنی عباس ہی خلیفہ ہوسکتے ہیں نہ کہ کوئی اور ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عباس ہی کی سلطنت کی پیش گوئی فرمائی تھی ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، دوات قلم لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں گا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ۔ حضرت پر بیماری کی شدت ہوگئی ۔ کیونکہ حضرت بار بار بےہوش ہو رہے ہیں ۔ تمہارے پاس قرآن ہے تم کو کتاب اللہ کافی ہے ۔ گھر کے لوگ مختلف ہوگئے اور آپس میں جھگڑنے لگے ۔ کوئی کہتا ہے دوات قلم لاؤ رسول اللہ لکھ دیں گے کوئی وہی کہتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ۔ جب زیادہ شور

عبد اللہ

اٹھا اور اختلاف ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ میرے پاس سے اٹھ جاؤ ۔ (متفق علیہ)

بنی عباس کا خیال ہے کہ بنی عباس کی خلافت کے متعلق حضرت لکھ دینے والے تھے ۔ اور شیعہ کا خیال ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت نامہ تھا جس کو آپ لکھنے والے تھے ۔ یہ سب نرے خیالات ہیں ۔ حضرتؐ نے کسی کا نام فرمایا ہی نہیں ۔ حضرت علیؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی ۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا ۔ وحی ہوتی تو بلغ ما انزل الیک سے پہنچادو جو تم پر اتارا گیا پر عمل واجب ہوتا ہے ۔ قرآن شریف میں تو ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کردیا ۔

اب خلافتِ منصوص کو بھی ملاحظہ فرمائیے

۔ تمہارے باپ ابوبکر اور تمہارے بھائی عبدالرحمٰن کو بلاؤ کہ میں ایک نوشتہ لکھ دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے ۔ یا کہنے والا کہہ دے کہ میں اولیٰ ہوں ۔ حالانکہ اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں غیر ابوبکر کو (احمد ۔ مسلم عن عائشہ کنز ج ۶ ۱۳۸)

۔ میرے پاس دوات لاؤ کہ ایک مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے ۔ پھر فرمایا ۔ اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں مگر ابوبکر کو (عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر ۔ کنز ج ۶ ۱۳۹)

۔ میں نے اللہ سے تین دفعہ سوال کیا کہ تم کو مقدم کرے مگر اللہ نے انکار کیا بجز ابوبکر کے ۔ یہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ۔ (ابن عساکر عن علی ۔ کنز ج ۶ ۱۳)

تاریخ الخلفاء للسیوطی میں ہے ۔ مسجد کی بنیاد رکھی جانے لگی تو پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ بنیاد رکھا پھر ابوبکرؓ نے ۔ پھر عمرؓ نے ۔ آپ نے فرمایا ھؤ لاء الخلفاء من بعدی ۔ (یہ میرے بعد خلیفہ ہیں) اسنے میں ایک شخص نے آکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ۔ آپ کے بعد ہم کس کو زکوٰۃ دیں ۔ فرمایا ۔ ابوبکر کو ۔ پھر پوچھا ان کے بعد فرمایا ۔ عمر کو ۔

جنگِ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ابوسفیان سردارِ قریش نے (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا ۔ کہاں ہے ابن ابی کبشہ ؟ یعنی حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کہاں ہے ابنِ ابی قحافہ ؟ یعنی حضرت ابوبکرؓ ۔ کہاں ہے ابن الخطابؓ ؟ جب آواز نہیں دی گئی تو نعرہ مارا اعل ھبل ۔ ھبل کا بول بالا ۔ یعنی وہ جان رہے تھے اور سیاسی پیش گوئی کر رہے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا کام ابوبکر چلاسکتے ہیں ان کے بعد عمر بن الخطاب ۔ ان کے بعد گڑبڑ ہے ۔

پھر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کا ماتم

دنیا میں اخلاقی جرأت ۔ حق پرستی ۔ شجاعت ۔ اور جان سے بے خوفی ۔ عدم تقیہ کا بہترین و اعلیٰ ترین نمونہ ۔ شہادتِ امام علیہ السلام ہے ۔ آپ کو کوئی مجبوری نہ تھی ۔ یزیدِ پلید کے ہاتھ پر بیعت کرلیتے تو یہاں کو دھکا نہ لگتا ۔ مگر یزید کے ہر حکم کی اطاعت کا خلافِ شرع احکام میں موافقت کا وعدہ اس خونِ مطہر سے ممکن نہ تھا ۔ اس وقت آپ اگر دین کی حمایت نہ فرماتے تو کون کرتا ۔

سر داد نہ داد دست دردستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؓ

اس جماعتِ طیبہ کا ہر فرد صابر تھا، شاکر تھا، خلافِ شرع سینہ کوبی، جامہ دری ان کے غلام بھی نہیں کرتے۔ ان مدعیانِ محبتِ اہلِ بیت نے سینکڑوں خطوط لکھ کر امامؓ کو بلایا۔ آئے تو یزید کی فوج کے ساتھ ہوگئے۔ امام کو شہید کرنے کے بعد خود کو تائبین مشہور کیا۔ اور لگے تل سَر پر سینہ زنی کرنے اور تل سَر سے مرثیے پڑھنے۔ شہادتِ امامِ عالی مقام سے حق پرستی اور اسلام پر جان بازی کا سبق حاصل ہوتا ہے نہ کہ بزدلی کا۔ غلام حسین بہادر ہوتا ہے نہ کہ بزدل

بے قراری کا نہ نکلا ایک لفظ   سامنے تقدیر کے تھا سر جھکا
آنکھ میں آنسو نہ تھا اور لب پہ آہ   آفریں بر اہلِ بیتِ مصطفےٰ
شیرِ مادہ در دلیری شیرِ نر   کون شک کرتا ہے یا چون وچرا   (حسرت صدیقی)

اب مشاجراتِ صحابہ کے اسباب اور غلط فہمیوں کے وجوہ بیان کئے جاتے ہیں

صحابہ کا ایمان قرآن سے ثابت ہے۔ محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم۔ محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں"۔ رضی اللہ عنہم و رضواعنہ۔

ان کے اسلامی کارناموں کی شہادت یہود دیں گے۔ عیسائی دیں گے بلکہ ہندو بھی دیں گے۔ یہ چیز تو ناقابلِ انکار ہے۔ قرآن کی تصدیق کے مقابل جھوٹی کہانیاں ناقابلِ قبول ہیں۔ یہ مسئلہ طول طویل وقت مانگتا ہے۔ لہذا چند اشارات لکھوں گا۔ و العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ کیساہی نیک نیت ہو، مذاقِ طبیعت اور ماحول کے اثرات سے مجبور ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص غلطی بھی کرے تو اس کو خطاءِ اجتہادی کہتے ہیں لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا اللہ بقدرِ امکانِ شخصی تکلیف دیتا ہے۔ طبعی طور پر بعض لوگ بزرگ پرست ہوتے ہیں اور بعض آزاد رائے۔ بعض واقعات کام کرنے والوں کو معلوم نہیں ہوتے اور وہ اپنی جگہ معلومات پر رائے قائم کرلیتے ہیں اور اس کے سوا ممکن بھی نہیں۔ بعد والے جو چاہیں کہیں کیا ہوتا ہے۔ اسلام سے پیشتر بنی امیہ حاکم و سیاسی لوگ اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا تھے اور زمانہ اسلام میں یہی حال رہا۔ پس دونوں کا مذاقِ اختلاف لازمی ہے۔ ہر ایک اپنی حکومت کا طالب تھا جس کا نتیجہ جنگ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ بنی امیہ سے تھے نہ بنی ہاشم سے۔ ان کے ماتحتوں کی غلطی مرتکب کی ذات تک محدود سمجھی جاتی۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے اور حضرت علیؓ بنی ہاشم سے تھے۔ ان کے ماتحت عہدہ داروں کی غلطیاں ہم قبیلہ ہونے کی وجہ سے ان کی محترم ذاتوں کی طرف منسوب ہونے لگیں اور درِ فتنہ باز ہوا۔ صدرِ مجلسِ ملیہ بدلتا ہے تو اس کے ارکان بھی بدلتے ہیں اور وہ اپنے ہم رائے و قابلِ اعتماد ہم اصول لوگوں کو مقرر کرتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں ایسا ہی کیا۔ اور لوگ لگے بدگمانی کرنے کہ یہ اپنے ہم قبیلہ کو بھر رہے ہیں اور دوسروں کو تباہ کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا زمانہ، زمانہ نبوت سے قریب تھا۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے زمانہ میں ریاستِ اسلامی بہت بڑی ہوگئی تھی۔ دولت کا زور تھا۔ مختلف اقوام دائرہ اسلام میں شریک ہوگئے تھے۔ ان نو مسلموں میں وہ طہارت کہاں جو شیخین کے زمانے کے مسلمانوں میں تھی۔ دشمنوں سے جنگ کے زمانہ میں لوگ متحد رہتے ہیں۔ امن کے دور میں خانہ جنگی سوجھتی ہے۔ بعض جمہوریت پسند ہوتے اور بعض بادشاہ پسند اور ان میں جنگ بھی ہوتی ہے تو کوئی نہیں کہتا کہ ان میں سے کوئی اسلام اور پیغمبر

اسلام کا مخالف تھا۔ خاندانِ زار (روس) اور اس کے ہم خیالوں کو بالشویکوں نے کیا کیا، مگر ان میں سے کون سلطنت کا دشمن تھا، کوئی نہیں۔

اب تکفیرِ صحابہ کا مسئلہ ہے

کسی اہلِ مذہب سے سوال کرو کہ بہترین خلائق کون ہیں؟ وہ اپنے پیغمبر کے اصحاب یا حوارین کو بتائے گا۔ بجز ان لوگوں کے تیئیس (۲۳) سال کی رسول اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کیا اثر ہوا۔ ایک حضرت علی اور دو تین اور اصحاب کا اسلام؛ بس اتنے ہی مسلمان روئے زمین میں ہیں؟ اسلام کس نے پھیلایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم۔ تمام دنیا میں اسلامی سلطنت کس نے قائم کی؟ اسلامی جھنڈا کس نے اڑایا؟ غیر مسلموں نے؟ شرم شرم۔ حضرت علی اسد اللہ نے اپنی صاحبزادی کی شادی کس سے کردی؟ ایک غیر مسلم سے؟ شرم شرم۔ کس کو امورِ انتظامی میں رائے دیتے تھے؟ غیر مسلموں کو؟ شرم شرم۔ دنیا میں سب وشتم کس کے پاس عبادت ہے؟ ان کے پاس شرم شرم۔ اللہ صحابہ سے راضی صحابہ اللہ سے راضی رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه۔ اللہ کی رضامندی کے سامنے تمہاری ناراضی ہے کیا چیز؟ یہ ناراضی اثر ہے يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار کا۔ اللّٰهَ اللّٰهَ في اصحابي فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم کا۔ جو شخص معمولی مسلمان کو کافر کہے اس کا کفر اسی پر واپس ہوتا ہے۔ شاگردانِ رسول، یارانِ پیغمبر پر لعنت کام ہے فوارہ لعنت کا کہ ازوی خیزد وبروی ریزد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بہت طویل خطبہ مشہورہ میں فرماتے ہیں۔

" فمن احبهما (ابوبکر وعمر) فقد احبني ومن ابغضهما فقد ابغضني وانا بری منه ولو کنت تقدمت في امرها لعاقبت اشد العقوبة فمن اوتيت بعد مقامي هذا فعليه ماعلي المفتري الا وخير الامة بعد نبيها ابوبکر وعمر "۔

ترجمہ: پس جس نے ان دونوں یعنی ابوبکر و عمر سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور میں اس سے بری ہوں۔ اگر میں نے اس سے پہلے تنبیہ کی ہوتی تو سخت سزا دیتا۔ اگر ایسی شکایت پھر میرے سامنے آئی مفتری کی حد اس کو دی جائے گی۔ دیکھو! بہترینِ امت بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر و عمر ہیں "۔ یہ خطبہ زمانہ خلافتِ سیدنا علیؓ کا ہے۔

(رواہا۔ جبشہ لکائی۔ ابوالحسن علی احمد بن اسحاق البغدادی الشیرازی ابن مندۃ کنز ج ۶ ص ۳۷۰)

اب آخر میں مسئلہ تقیہ ہے جس پر اسلام کا بالکل خاتمہ ہے

اگر تقیہ جائز ہوتا تو خود حضرت علیؓ جنگ جمل و جنگ صفین کیوں کرتے؟ حضرت امام حسینؓ کیوں شہید ہوتے؟ حضرت ابراہیم کیوں شہید ہوتے؟ حضرت نفسِ زکیہ کیوں شہید ہوتے؟ پیشوا اور لیڈر کبھی تقیہ نہیں کرتے۔ حق گوئی ان پر واجب ہے یہ بلغ ما انزل اليک کے جانشین ہیں، تقیہ ان پر حرام ہے۔ اللہ اکبر ان دشمنانِ اہلبیت نے اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کی توہین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ نعوذ باللہ کسی نے شیرِ خدا کے سامنے حضرت سیدہ کو مارا (میں اس کا نام نہیں لیتا کیوں کہ یہ جھوٹ اور محض جھوٹ ہے) حاملہ تھیں، حمل ساقط ہوگیا اور اسی سے آپ کا انتقال ہوگیا اور شیرِ خدا نے بیوی کی کسی طرح کی حفاظت نہیں کی نہ حمایت کی۔ حضرت علیؓ پر بزدلی کا الزام لگاتے کچھ تو شرم آنا چاہیئے کچھ تو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ مظہر العجائب، اسد اللہ الغالب اور تقیہ؟ توبہ! توبہ!

شیرِ خدا اور خوفِ جان استغفر اللہ یہ مقدس ہستی اور جھوٹ اعوذ باللہ پوست استخوان مسٹر گاندھی، ناز پروردہ پنڈت نہرو تقیہ نہیں کرتے۔ ان کو جان کا خوف نہیں۔ اسلام کی اس عظیم الشان شخصیت پر تقیہ کا الزام ؟ آدمی کچھ تو حیا کرے۔ تقیہ کا جال آخر کیوں بچھایا گیا ؟ قرآن شریف اور وہ احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ازواجِ مطہرات و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کیا تھا، ناقابلِ اعتبار ٹھیرائے گئے۔ اہلِ بیت سے جو کچھ تعلیم نبویؐ مل سکتی تھی وہ بھی تقیہ کے جال میں پھنس کر رہ گئی۔

الغرض قرآن ناقابلِ اعتبار، حدیث ناقابلِ اعتماد، تعلیم اہلِ بیت ناقابلِ بھروسہ۔ تو پھر دین کی بقاء کی کیا صورت ؟ ہمارے پاس وہ مذہب راستی سے کوسوں دور ہے جو آل و اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہے، بے شک وہ جھوٹا ہے جس نے آپ کو جھوٹا سمجھا۔ ہمارے پاس اہم خلافت تہذیبِ نفوس و اصلاح دل کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرتؐ کے بعد زمانہ کم ملا۔ لہذا ان سے نقشبندیہ، قادریہ اور شاہ مداریہ وشطاریہ سلسلہ ہائے بیعت نکلے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فاروقیہ و اویسیہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، رفاعیہ وغیرہ، حضرت امام حسن علیہ السلام سے قادریہ و شاذلیہ اور حضرت عبداللہ مکی سے قلندریہ۔ اس اہم و اصلی خلافت میں جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں۔ جناب سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ بلافصل ہیں۔ حضرت امام حسن مجتبیٰؓ بھی بلا فصل ہیں۔ خلیفہ بلا فصل مان لینے سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو قلع قمع دین چاہتے ہیں وہ انشاء اللہ نہ ہوا ہے نہ قیامت تک ہوسکتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ اللہ حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اسلامی ریاستوں کو کس نے تباہ کیا ؟

اسی قوم نے ؟ سلطنتِ عباسیہ کو موئد الدین علقمی نے، ریاستِ مغلیہ کو میر حسن علی و میر عبداللہ نے، ریاستِ فتح علی ٹیپو سلطان کو میر صادق نے ریاستِ شجاع الدولہ کو میراں و میر جعفر نے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالئے تو ہر جگہ یہی قوم بربادی سلطنت ہائے اسلامی کی علت ہوئی۔ (تفسیر صدیقی تفسیر سورہ فاتحہ)

(چنانچہ سلطنتِ آصفیہ حیدرآباد کا حشر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے للمرتب)

لا تزر وازرۃ وزر اخری ○ کی تفسیر کے ضمن میں حضرت لکھتے ہیں۔ لا تزر نہیں اٹھاتا۔ وازرۃ۔ اٹھانے والی (والا)۔ وزر اخریٰ۔ دوسرے کا بوجھ۔ اس کا گناہ۔ خدا کے پاس یہ ہرگز نہیں ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ گناہ کرے کوئی اور سزا پائے دوسرا۔

ترجمہ : کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

صاحبو ! اللہ منصف ہے، سراپا عدالت ہے۔ عینِ انصاف ہے۔ اسلام میں ہرگز نہیں ہے کہ ایک شخص گناہ کرے اور سزا ہو ایک دوسرے شخص کو۔ اسلام میں کفارے کا مسئلہ اس طرح نہیں ہے کہ گناہ کرے کرسٹان اور اس کے گناہوں کا پشتارہ پیسٹھ پر لاد کر چلیں حضرت مسیح علیہ السلام۔ اب کیا ہے کرسٹان جتنے گناہ کریں سب معاف ہوچکے۔ گناہ پر کوئی عذاب ہے نہ کسی قسم کی سزا،

بڑی بے فکری ہے ۔ اپنی غلطیوں کی اپنے گناہوں کی کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ، جو چاہو کرو ۔ جو چاہو ظلم و ستم روا رکھو ۔ یہ مذہب ہے ؟ مذہب تو گناہوں سے روکتا ہے ۔

مسئلہ طینت کفارے کا بھائی مسئلہ طینت ہے ۔ نعوذ باللہ ۔ خدا نے دیکھا کہ مومنین سب اچھے ہی کام کریں اور دوسرے لوگ برے ہی کام کریں تو یہ رنگارنگی ، بوقلمونی نہیں رہے گی ۔ لہذا مومنین کی سفید کیسچڑ کو ، مٹی کو ، دوسروں کی سیاہ مٹی سے ملا کر پتلے بنائے ۔ آدمی پیدا کیا گیا ۔ تو لوگوں نے کچھ گناہ کئے کچھ نیکیاں ۔ نیکیاں تھیں مومنین کی سفید مٹی کی اور گناہ تھے دوسروں کی سیاہ مٹی کی وجہ سے ۔ جب قیامت ہوگی اور خدائے جل جلالہ ، عرش عدالت پر جلوہ فرما ہوگا تو سیاہ مٹی کو سفید مٹی سے علٰحدہ کردے گا ۔ جس کی سفید مٹی کی نیکیاں اس کو جس کی سیاہ مٹی کی برائیاں اس کو ۔ ماشاء اللہ کیا بہتر تفسیر ہے لا تزروازرۃ وزراخرٰے کی ۔

مگر افسوس ہے کہ عقل سلیم اور طبع مستقیم اس تفسیر کو قبول نہیں کرتی ۔ ایک طینت کا مسئلہ بہت کافی تھا لف حریر اور خم غدیر کے مسئلے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ معصوم مومنین کو فکر ہی کیا ۔ دنیا بھر کی بدمعاشیاں کرو وہ تو دوسروں کی سیاہ مٹی کی ہیں ۔ تمہیں کیا فکر ، کیا غم ۔ تقدس مآب صاحب اجتہاد سے یہ مسئلہ سنو اور بغلیں بجاؤ ۔ تم خوب گناہ کرو تا کہ دوسروں کو خوب عذاب ہو ۔

اے بدنصیب دوسرے لوگو ! لاکھ تم عبادت کرو ، نیکیاں کرو ، اور اعمال صالحہ میں جدوجہد کرو ، چونکہ وہ مومنین کی سفید مٹی کا اثر ہے لہذا وہ سب مومنین کے پاس چلے جائیں گے اور ان کے گناہ تمہارے حصہ میں آجائیں گے ۔ سبحان اللہ کیا فلسفہ مذہب ہے ؟ کیا اصول تفسیر ہے ؟ کیا خدا کا عدل و انصاف ہے ۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم ۔ لا تزروازرۃ وزراخرٰے ۔

تفسیر صدیقی (سورہ النجم)

صاحبو ! بعض نادان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قاعدین میں اور حضرت علیؓ کو مجاہدین میں سمجھتے ہیں ۔ اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل جانتے ہیں ۔ ان لوگوں کو شیعہ غالی کہتے ہیں ۔ جو شیعہ اپنے کو غالی نہیں سمجھتے غالی شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں ۔ ان کو سنیوں سے بھی بدتر جانتے ہیں ۔ ان کے پاس سنی دنیا کے امور میں مسلمان سمجھے جاتے ہیں ۔ ان کا ذبیحہ جائز ہے ۔ ان کی چھوئی ہوئی چیز روا ہے ۔ ان سے شادی بیاہ جائز ہے ۔ مگر ان غلاۃ کے ساتھ ، غالی شیعوں کے ساتھ کسی قسم کا لین دین جائز نہیں ۔ حیدرآباد میں غالی شیعوں کا بہت زور ہے ۔ غیر غالی شیعوں سے غالی شیعوں کی تعداد زیادہ ہو رہی ہے ۔ یہ بدنصیب ، واقعات سے بالکل نابلد ہیں ۔ کیا جہاد صرف تلوار لے کر میدان میں گھسنے ہی کا نام ہے ؟ باقاعدہ لشکر کا انتظام کرنا بھی جہاد میں شریک ہے ۔ سپاہی کا ہاتھ لڑتا ہے اور کمانڈر کا دماغ ۔ ہمارے پاس خود حضرت علیؓ کی روایت ہے ۔

و کنا نلتجی برسول اللّٰہ حین یستحر الحرب

یعنی جب گھمسان کی لڑائی ہوتی اور آتش جنگ مشتعل ہوجاتی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے ۔

میدان جنگ میں ایک دفعہ جانثاران نبوت دور ہوگئے تھے مگر آپ پروانہ گان شمع نبوت کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھے آگے ہی بڑھے چلے جارہے تھے اور فرمارہے تھے ۔

" انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب " ۔

ان غلاۃ کے پاس یہ بھی ہے کہ جب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش اعظم پر پہنچے اور بیچ میں سے پردہ اٹھایا گیا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دیکھا ؟ حضرت علی کو دیکھا ۔ جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ پر قرآن شریف اترنا شروع ہوا ۔ مگر اس سے تیرہ برس پہلے حضرت علیؓ پیدا ہوتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جبرئیل نے غلطی کی اور حضرت علیؓ کو وحی پہنچانے کے عوض آنحضرتؐ کو پہنچادی ۔ نہ خدا کے پاس کوئی انتظام ہے نہ جبرئیل معصوم ہیں ۔ جبرئیل کی وحی اور قرآن کا کیا اعتبار ۔ بعض لوگ تو حضرت علیؓ کو خدا کہتے ہیں اور ان کو نصیری کہتے ہیں ۔ مرزا غالب لکھتے ہیں

منصور فرقہ علی اللہیان منم

آوازہ انا اسد اللہ برافگنم

صحابہ کو بُرا کہنا تو ایک طرف یہ تو خود حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہو رہی ہے ۔ حضرت علیؓ تو فرماتے ہیں ویحک انا عبد من عبید محمد ۔ ارے ! تجھ پر افسوس ہے میں تو محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں ۔

ایک صاحب تو وبئر معطلۃ قصر مشید کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ بئرِ معطل ہیں یعنی باؤلی تو ہے مگر پانی نہیں اور امام مہدیؑ قصرِ مشید ہیں ۔ کیونکہ امام مہدیؑ قربِ قیامت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کردیں گے اور ان کو سزا دیں گے ۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے بڑے بڑے مظالم سے مگر کچھ نہیں کیا ان گستاخیوں کی سزا آج نہ ہوئی تو کل ضرور ہوگی ۔ دراصل معلوم نہیں کہ ان لوگوں کو دینِ اسلام سے کتنا ربط ہے ؟ وہ جو چاہیں گے کہیں گے ۔ سنیوں کا ڈر ہے تقیہ کرتے ہیں ۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو ان کے اصلی خیالات سے واقفیت ہوسکتی ۔ اور ان کے مذہب کا علم ہوتا کہ وہ ہے کیا ؟ اور ابھی کون کونسی باتیں اظہار طلب ہیں ۔

سچ پوچھو تو یہ کوئی مذہب نہیں ہے ۔ بلکہ دشمنانِ اسلام انار کسٹوں کا ایک فرقہ ہے ۔ اور ایک نئی بات نکالتا ہے ۔ اور اسلام کو تباہ کرنے کی سوچتا ہے ۔ اس میں یہودی ، مجوسی ، بت پرست ، دہری سب ہم نوا ہوگئے ہیں ۔ ان کا متفق علیہ مسئلہ جس پر ان کا دین و ایمان ہے ۔ عداوتِ اسلام ہے ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ۔

(ماخوذ از تفسیر صدیقی سورۃ النساء)

مرزا غلام احمد کے چند دعوے :

مشتے نمونہ از خروارے (للمرتب)

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی کتاب " ازالۃ الاوہام " صفحہ (۱۵۴) میں لکھتے ہیں :-

" ہر صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور ہے ۔ بتلائیں کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے ؟ کس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ اس عاجز نے " ۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۳۸) میں لکھتے ہیں :-

" خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثل قرار دیا ہے پھر مثل نوح کا ، پھر مثل یوسف کا ، پھر مثل داؤد کا پھر مثل موسیٰ کا پھر مثل ابراہیم کا قرار دیا ہے اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کرکے ظلی طور پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا " ۔

اور اسی کے صفحہ (۶۷۳) میں لکھتے ہیں :-

" کہ آیتِ شریفہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد سورہ رسول میں ہوں "۔

الحکم مورخہ ۲۴ / فبروری ۱۹۰۵ء میں مرزا غالب کا الہام لکھا ہے انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کُن کہہ دو گے تو وہ پیدا ہوجائے گی۔

اور توضیح مرام سے ان کا قول نقل کیا ہے۔

" میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں "

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۳۵۰) میں لکھتے ہیں۔

" سچی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے "۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۷) میں لکھتے ہیں۔

" یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اس کشفِ بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ و اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحبِ تجربہ ہے "۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۳۶) میں لکھتے ہیں۔

" مسیح کے بارے میں یہ بھی سوچنا چاہئیے کہ طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیوں کر پہنچ گئے "۔

مرزا صاحب کا ارشاد ہے " بعض نبیوں سے افضل ہوں "۔

(عصائے موسیٰ ۱۴۷ مولفہ منشی الٰہی بخش)

مرزا صاحب کا ارشاد ہے " کل مسلمان جو میرا اقرار نہیں کرتے اسلام سے خارج ہیں "۔

مسیح الدجال ۵ مولفہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب)

حضرت بحرالعلومؒ کی عام طور پر عادتِ شریفہ ہے کہ تردید مذہب یا معترض کا نام ظاہر کئے بغیر اصل مسئلہ کی تحقیق فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

" اللہ سے لے کر سب کو دینے والی ذات، ذاتِ محمدی ہے۔ کوئی مانے نہ مانے میں تو یہی کہوں گا۔ محمد کا دیا ہوا لیا ہوں، ان کے ہاتھ سے دیا ہوا کھاتا ہوں۔ غرض کہ مجھے جو کچھ ملتا ہے ان کے ہاتھ سے ملتا ہے۔ کیونکہ وہی تقسیم کرنے والے ہیں انما انا قاسم واللہ یعطی مگر نادان نہیں سمجھتا اور ذی فہم سمجھتا ہے "۔ (مکاتیب عرفان)

یہ جتنے اولیاء ہیں، سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تصویر کا عکس ہیں۔ ان میں کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے ہیں کوئی ولی ہے کوئی سید الاولیا ہے " (مکاتیبِ عرفان)

صاحبِ وحی۔ نبی۔ رسول

کیا ہر شخص بادشاہ سے براہ راست احکام حاصل کرسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ درمیان میں ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جس کو بادشاہ سے قربت ہو۔

اسی طرح پیغمبروں کو خدا کی قربت ، بندوں کی صحبت رہتی ہے ۔ جہتِ قربِ الٰہی سے اخذِ وحی کرتے ہیں اور جہتِ صحبت و معیت سے بندوں کو تبلیغ کرتے ہیں ۔

پیغمبر یا رسول

وہ عالی فطرت انسان ہے جو وحیِ الٰہی سے ممتاز ہوتا ہے ۔ پیغمبر بے خطا ، بے گناہ ، معصوم ، صادق اور امین ہوتا ہے ۔ تا کہ تبلیغ الٰہی کی حجت خلق اور امت پر قائم ہوسکے ۔ تا کہ پیغمبر کی دعوت اور اس کی تبلیغ و قبول میں سہولت و تقویت ہو ۔ خدائے تعالیٰ اس کو معجزات عطا فرماتا ہے ۔

کیا فرق ہے رسول و نبی میں ؟

رسول صاحب شریعتِ تازہ ہوتا ہے ۔ اور نبی تابع رسول مگر ہوتا صاحبِ وحیِ الٰہی ۔ (حکمتِ اسلامیہ)

نبی :۔ اس لفظ کے لغوی معنیٰ خبر دینے والے یا خبر رکھنے والے کے ہیں ۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے ہر قاصد ، ہر عالم ، ہر مجتہد حتیٰ کہ ہر استدراج والا ۔ جیسے سطیح مسیلمہ وغیرہ ۔ جس کو قبل از وقت کچھ نہ کچھ معلوم ہوجائے لغوی نبی ہے ۔ بنا براں عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریمؑ ، دوسرے اولیاء ، صاحبِ الہام سب نبی کہلا سکتے ہیں ۔ اور جب نبی کے معنیٰ خبر رکھنے والے کے ہیں تو جانوروں کو بھی کچھ نہ کچھ القا ہوتا ہے ۔ غرض کہ نبی کا لغوی مفہوم بہت وسیع ہے ۔

دوسرے " نبی " کے شرعی اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ نبی خدا کا وہ معصوم بندہ ہے جو صاحبِ وحی ہے ۔ اس شرعی معنیٰ کے لحاظ سے معصوم صاحبِ وحی کے سوائے کوئی نہیں ۔ ایک لفظ کے دو معنیٰ ہونے کی وجہ سے لوگ اس طرح مغالطہ دیتے ہیں ، کہ ابتداءً لغوی معنیٰ کے لحاظ سے اپنے کو نبی کہتے ہیں ۔ لوگ اس کو گوارا کرلیں تو پھر وہ اپنے کو بروزی نبی کہتے ہیں ۔ پھر دعوے میں ترقی کرتے ہیں تو اصطلاحی نبی بن بیٹھتے ہیں ۔ حتیٰ کہ انبیاء سے بھی افضلیت کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ اور ان مسلمانوں کو جو ان کے دعاوی تسلیم نہیں کرتے کافر کہتے ہیں ۔ حالانکہ ایسے دعاوی کی وجہ سے خود کوہ کفر پر چڑھتے چلے جاتے ہیں ۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳ ، ۲۳)

دو چار پیشین گوئیاں کردیتے ہیں ۔ جو صحیح نہیں اترتیں ان کی تاویل کرتے ہیں ۔ یہ بات بنانے میں بڑے ماہر رہتے ہیں ۔ جاہل چکر میں آجاتے ہیں ۔ کذابوں کو بھی مان لیتے ہیں ۔ لاکھ ان سے کہا جائے کہ الاّ انّہ لا نبیَّ بَعدی آیا ہے لَو کان بعدی نبی آیا ہے تو وہ نہیں مانتے ۔ کذب و جھوٹ کا ایسا سحر ہوگیا ہے کہ اب وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کرسکتے ۔ انسان کے دل میں ایک بات اتر جائے پھر ٹل نہیں سکتی ۔

اسی طرح وحی کے معنیٰ اشارہ کرنے ۔ الہام کرنے کے بھی ہیں ۔ جیسے اَوحیٰ الَی النحل اور واوحینا الیٰ امّ موسیٰ ، وحی کے اصطلاحی معنیٰ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کو بذریعہ جبرئیل احکام و تعلیمات دینا ۔ مذہبی ڈاکو مشترک لفظ کہہ کر مغالطہ دیتے ہیں ۔ دعویٰ ایک چیز کا کرتے ہیں ایک معنیٰ کے لحاظ سے کرتے ہیں اور ثبوت دیتے ہیں تو ایک دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے ۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۵)

بروز کی تحقیق

بروز کی تحقیق یہ ہے کہ اولیاء میں سے بعض کی فطرت کسی خاص نبی کی فطرت سے مشابہ ہوتی ہے۔ ہرچند کہ اولیائے کرام کو انبیائے عظام کے کمالات کی سیر کرائی جاتی ہے اور اولیاء انبیاء کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کے کمالات کا پرتو ان پر پڑتا ہے۔ یا یوں کہو کہ انبیاء کی صفاتِ خاصہ ان میں ظہور و بروز کرتی ہیں۔ مگر تکمیلِ سیر کے بعد، ہر ایک اپنی فطری مناسبت کے اعلیٰ مقام پر رہتا ہے۔ مثلاً حمیتِ دین والا ولی، نوحی المشرب یا تحتِ قدمِ نوح یا مظہرِ نوح یا بروزِ نوح کہلاتا ہے اور رضا و تسلیم والا ابراہیمی المشرب۔ اور عشق و محبت والا موسوی المشرب، اور دعوت وفنائیت والا عیسوی المشرب اور عبدیت والا جو سب کو جامع ہے محمدی المشرب کہلاتا ہے۔ بعض دفعہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں ولی میں فلاں نبی کا بروز ہوا ہے۔ جیسے قمر میں شمس کا بروز ہوتا ہے۔ الغرض نبی اصل اور ولی اس کی نقل ہوتا ہے۔ اور انبیاء کی اصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کوئی صحابی، کوئی امام کوئی ولی کسی نبی سے بڑھ نہیں سکتا۔ لہذا کسی نبی یا ولی کو نبی اکرمؐ پر ترجیح دینا کفر ہے۔ انبیاء کی تحقیر بھی کفر ہے۔ اولیاء اللہ کو برا بھلا کہنا حق تعالیٰ کے اعلانِ جنگ کے لئے تیار ہونا ہے اللھم احفظنا من کل بلاء (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳)

رسول

صاحبِ وحی۔ پیغامبر۔ تبلیغ احکامِ الٰہی کرنے والا۔ صاحبِ کتاب یا صحیفہ، مہبطِ جبرئیل امین ہے۔ صاحبِ معجزات ہوتا ہے نبی کا لفظ رسول سے عام ہے۔ کیونکہ نبی کو صاحبِ کتاب ہونا یا بعض کے پاس صاحبِ تبلیغ و صاحبِ امت ہونا بھی ضرور نہیں۔

حدیث میں وارد ہے العلماء ورثۃ الانبیاء جب تبلیغ بند ہے ولی صاحبِ تبلیغ نہیں ہے تو اس کو وراثت میں کیا ملا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ولی کے کمالات تابعِ نبی ہیں وہاں اجتہاد کی صورت میں تبلیغ بھی وراثت میں ملی ہے۔ جہاں کسی مسئلہ میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم یا نص نہ پائے گا اجتہاد کرے گا۔ قرآن و حدیث کی اتباع میں حکم دے گا۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۵)

ولی :-

قریب۔ آقا۔ چچازاد، بھائی، مددگار، کارساز، دوست، محبوب و محب، پشت پناہ و موید۔ ولی، اللہ کی صفت بھی ہے اور مخلوق کی بھی، لہذا ولایت ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ کیونکہ اللہ ابدی ہے تو ولایت بھی ابدی ہے۔ اللہ سب کا ولی ہے آقا ہے۔ سب کا، کافر ہو یا مسلمان۔ اللہ ایمان داروں کا ولی ہے، دوست ہے محبوب بھی ہے اور محب بھی۔ سید عبدالقادر جیلانی و خواجہ معین الدین چشتی ولی ہیں۔ صاحبِ قربِ الٰہی ہیں۔ اللہ کے محبوب و محب ہیں۔

نبی و رسول جانبِ قربِ حق سے لیتے ہیں اور جانبِ قربِ مخلوق سے دیتے ہیں۔ تبلیغ کرتے ہیں۔ خدا سے سنتے ہیں اور بندوں کو سناتے ہیں۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۳ و ۲۳۵)

بعض اہلِ بدع ولی کے معنیٰ ادنیٰ بالتصرف کے لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ جو چاہیں کریں۔ جس امر کو چاہیں حلال کریں جس کو چاہیں حرام کردیں۔ دینِ محمدی ناقابلِ نسخ ہے۔ حرام و حلال کا حکم اللہ دیتا ہے۔ پیغمبر اس کے معلم ہیں۔ حلال و حرام کے سوا جو چیزیں ہیں وہ قابلِ اجتہاد ہیں۔ اجتہاد سے جو چیز معلوم ہوتی ہو وہ ظنی غیر قطعی ہوتی ہے۔ اس کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔ غرض کہ

محلل و محرم اللہ ہے ۔ نہ رسول نہ ولی نہ امام لہذا ولی بمعنی محلل و محرم خدا کے سوا کوئی نہیں ۔ ہاں اس کے معرف ، معلم انبیاء وائمہ ہیں ۔

رسول و مرسل کے معنیٰ لغت میں فرستادہ اور قاصد کے ہیں ۔ اصطلاحِ شرع میں نبیِ باکتاب کے ہیں ۔ بعض دفعہ اہلِ تصوف جانبِ قربِ الہیٰ کو ولایت اور جانبِ تعلقِ امت کو رسالت کہتے ہیں ۔ لہذا ہر نبی یا رسول میں دو جانب ہوتے ہیں ۔ جانبِ اخذ و جانبِ تبلیغ جو تاحیاتِ دنیا رہتی ہے ۔ اور جانبِ قربِ حق دائمی ہے ۔ لہذا نبی کی جانبِ قرب ، نبی کی جانبِ تبلیغ سے اعلیٰ ہے ۔ یہ معنیٰ ہیں الولایۃ افضل من النّبوۃ کے ۔ اس کے معنیٰ ہرگز یہ نہیں ہیں کہ پیغمبر کی رسالت سے ولیِ تابع کی ولایت افضل ہے ۔ پیغمبر کے کمالات ذاتی ہوتے ہیں ۔ ولیِ تابع کے کمالات بالعرض بتوسط پر توِ کمالاتِ نبیِ متبوع ہوتے ہیں ۔

یہ بھی یاد رکھو ! کہ کبھی ولی کہتے ہیں اور اس سے مراد انبیاء اور دیگر مقربین لیتے ہیں اس وقت ولی کا لفظ نبی سے عام ہوتا ہے ۔ کبھی ولی کا لفظ کہتے ہیں نبی کے ساتھ مثلاً انبیاء اولیاء تو اس وقت ولی کا لفظ اصحاب آئمہ ہدیٰ و دیگر مقربین پر اطلاق کیا جاتا ہے بعض دفعہ اولیاء کا لفظ اصحاب وائمہ کے مقابل کہا جاتا ہے ۔ اس وقت اس لفظ سے انبیاء و اصحاب وائمہ نکل جاتے ہیں ۔

خاتم الانبیاء

ایک اور لفظ ہے جو بحث طلب ہے وہ لفظ خَاتم ہے ۔ • خاتَم • بفتح تا مُہر جس سے کسی شے کو ختم کرتے ہیں ۔ جب مہر کردی جاتی ہے تو اس کے بعد کوئی عبارت نہ داخل ہو سکتی ہے نہ خارج ۔ خَاتِم بکسرِ تا ۔ ختم کرنے والا ۔ تمام کرنے والا ۔

شرع میں خاتم الانبیاء اور خاتم کے لفظ جب مستعمل ہوتے ہیں ۔ تو آخری کے معنیٰ ہوتے ہیں ۔ جس کے بعد پھر کوئی نہ ہو ۔ بعد کے بعض حضرات نے بطورِ اعتبار کے خاتم کے معنیٰ اعلیٰ وارفع کے لئے ۔ جس کے مرتبہ میں کوئی ہمسر نہ ہو ۔ قرآنِ شریف میں یا حدیثِ شریف میں خاتم کے معنیٰ محض اعلیٰ کے لینا قطعاً درست نہیں ۔ اس زمانے کے محاورات کے خلاف ہیں ۔ بلکہ اس کے معنیٰ ہیں آخر کے جس کے بعد نہ اعلیٰ نہ مساوی ، نہ ادنیٰ کوئی نہیں ۔ اعتبار کے طور پر اصطلاحِ جدید کے طور پر خاتم کے معنیٰ اعلیٰ لیں تو دوسری بات ہے ۔ مگر اس اصطلاح پر احکامِ شرعی مرتب نہیں ہوتے ۔ بس واضح ہو گیا کہ خاتم الانبیاء کے معنیٰ کیا ہیں ۔ عرفِ زمانہ رسالت میں خاتم الانبیاء سے مراد وہ نبی ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے نبی ہو تو ۔ کوئی جدید نبی نہ ہو پس • خاتم الانبیاء • حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبان و محاورہ زمانہ رسالت کے لحاظ سے آخر الانبیاء ہیں اور جدید اصطلاح کے اعتبار سے بھی افضل الانبیاء ہونا مسلم ہے ۔

اب خاتم الاولیاء کو لیجئے ۔

اول تو قرآن و حدیث میں لفظ خاتم الاولیاء کی کوئی سند نہیں ۔ اور اگر خاتم الانبیاء پر قیاس کر کے خاتم الاولیاء کے معنیٰ پیدا کئے جائیں تو خاتم الاولیاء بمعنی آخرِ اولیاء ، وہ ولی جس کے بعد کوئی ولی نہ ہو یہ لفظ اس شخص پر صادق آئے گا جو قربِ قیامت میں ہوگا ۔ اس کے بعد کوئی ولی نہ ہوگا ۔ اور اصطلاحِ جدید کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ولی و مقربِ الہیٰ مراد لیجئے تو اس کا مصداق صرف صاحبِ مقامِ محمود حبیبِ خدا ہیں ۔ کیونکہ ان سے زائد خدائے تعالیٰ کا کوئی مقرب نہیں ۔ ان محاورات و اصطلاحات کے نہ سمجھنے اور بات سے بات ملانے میں حیرت و پریشانی لاحق ہوتی ہے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں ۔ گمراہی کی نوبت آتی ہے ۔

(تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۵ تا ۲۶)

ولایت و رسالت

ولایت و رسالت میں سے کون سی چیز دائمی و ابدی ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ گذرا " ولی " اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے ۔ نبی یا رسول، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے ۔ لہذا ولایت ابدی اور ہمیشہ باقی رہتی ہے ۔ اور رسالت منقطع و ختم ہوجاتی ہے ۔ رسالت کب تک باقی رہتی ہے ؟ بعض کہتے ہیں دار التکالیف و العمل یعنی دنیا ختم ہوتے ہی نہ تکلیف رہتی ہے اور نہ او امرونواہی کا سلسلہ ہی باقی رہتا ہے ۔ لہذا رسالت بھی ختم ہوجاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بروز قیامت بچوں کو مجنونوں کو اہلِ فترت کو یعنی ان لوگوں کو جن کو احکامِ رسالت نہیں پہنچے اور ایسے زمانے میں تھے کہ پیغمبروں کی تعلیم باقی نہ تھی تبلیغ کی جائے گی ۔ یعنی ان میں سے ایک رسول بنادیا جائے گا ، وہ دوزخ میں گرنے کا حکم دے گا جو گرے گا وہ نجات پا جائے گا اور دوزخ ان پر سرد ہوجائے گی ۔ جو ان کے رسول کی اطاعت نہ کریں گے دوزخ میں نہ گریں گے وہ مستحقِ عذاب ہوں گے ۔ زبردستی دوزخ میں ڈالے جائیں گے ۔ اس کے بعد سلسلہ تبلیغ ختم ہوگا ۔

ولایت چونکہ قربِ الٰہی کا نام ہے وہ برقرار رہے گی اور نبوت بمعنی معرفتِ الٰہی کے وہ باقی رہے گی ۔ تجلیاتِ حقہ کی انتہا نہیں تو معرفت کی بھی انتہاء نہیں ۔

ولایت کا مرتبہ بڑا ہے یا رسالت کا ؟

قربِ الٰہی کا مرتبہ زیادہ ہے یا تبلیغ کا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کی جانب قربِ الٰہی ، جانبِ تبلیغ امت سے افضل ہے ۔ نہ کہ ولایتِ ولی تابعِ رسالت ، رسولِ متبوع سے افضل ہے ۔ متبوع ہمیشہ اپنے تابع سے افضل ہی رہے گا یہ ہیں معنیٰ الولایۃ افضل من النبوۃ کے یعنی ولایتِ نبی نبوتِ نبی سے افضل ہے ۔ (تمہیدات شرح فصوص الحکم ۲۳۶)

کیا فرق ہے ولی ، نبی ، رسول اور خاتم النبین میں ؟

ولی خدا کا وہ مقبول بندہ ہے جو پیغمبر کے زیرِ نگرانی اچھے کام کرتا ہے ۔ پیغمبر کی اس قدر اتباع کرتا ہے کہ " گرمن گویم زِ من توئی مقصودم " کی نوبت آجاتی ہے ۔

نبی صاحبِ وحی ہوتا ہے اور رسول صاحبِ وحی وکتاب ہوتا ہے اور خاتم النبیین تو وہ ہے جس پر تمام کمالات کی انتہا ہے ۔ آج کل نبیوں کا بڑا زور ہے ۔ گھر گھر پیغمبر ہے ۔ روحانیت نام کو نہیں ، کمال کا پتہ نہیں اور دعویٰ ہے پیغمبری کا ۔ ذرا قرآن شریف پڑھو ، خاتم النبین کس کے لئے آیا ہے ۔ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کس کے لئے آیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آج دین کامل ہوچکا پوری نعمت مل چکی کس طرح ؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ۔ اب جتنے نبوت کے دعوے کرنے والے ہیں وہ نبی نہیں ۔ متنبی ہیں ۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں ۔ (مکاتیب عرفان ۲۷ - ۲۸)

صاحبو ! آج کل بعض نام نہاد علماء میں بڑی بحث ہورہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر یا ان کے جیسا کوئی پیغمبر پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں ۔ نادان کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ۔ جو ذی فہم عالم ہیں وہ کہتے ہیں خدا تو وہ ہے جو پیغمبروں کو پیدا کیا ۔ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ، خدا کی قدرت میں کیا کلام ہے ۔ مگر جب خدا نے حضرتؐ کو خاتم النبیین بنایا اور فرمایا کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ۔ اگر کوئی نبی پیدا ہوسکے تو خدا کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہوجائے گا ۔ نعوذباللہ ۔ نادان ہے وہ جو اول سے پہلے اول و آخر کے بعد آخر کو ممکن

سمجھتا ہے ۔ (ماخوذ از ترجمہ و شرح کتاب "الدین" ۳۵)

کیا فرق ہے مصلحِ قوم اور پیغمبر میں ؟

مصلحِ قوم صاحبِ عقل ہوتا ہے اور پیغمبر صاحبِ وحی ۔ مصلح کے مدِ نظر خیرِ دنیوی ہوتا ہے اور خدائے تعالیٰ پیغمبر کے توسط سے خیرِ دارین اور بہبودیِ دنیا و آخرت اور اصلاح و فلاح عطا فرماتا ہے ۔

کیا فرق ہے نبی اور ولی میں ؟

نبی صاحبِ وحی ہوتا ہے جو قطعی اور یقینی امر ہے ۔ اور ولی صاحبِ الہام ہوتا ہے جس کا قطعی اور یقینی ہونا ضرور نہیں ۔ وحی دوسروں پر حجت ہے اور الہام حجت نہیں ۔ انکارِ وحی کفر ہے ۔ انکارِ الہام فیض سے بد نصیبی ہے ۔ نبی تحدی و دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں ۔ ولی کو دعویٰ ولایت ضرور نہیں ۔

کیا فرق ہے نبی اور ساحر میں ؟

نبی اور ساحر میں خوارقِ عادات نمایاں ہوتے ہیں پھر ان میں مابہ الامتیاز کیا شئے ہے ؟ نبی صفاتِ طیبہ و فضائلِ خصائل سے آراستہ ہوتے ہیں ۔ امت کی فلاحِ دارین کے سوا ان کی ذاتی غرض کچھ نہیں ہوتی ۔ فلعلک باخع نفسک علیٰ اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (سورہ کہف) نبی و رسول مامور من اللہ ہوتے ہیں نسبت الی اللہ ان کے روئے تاباں سے ظاہر ۔ ماھذا بوجہ کذاب دشمن بھی ان کو امین سمجھتے ہیں ۔ اظہارِ معجزہ میں نبی کے فعل کو دخل نہیں ۔ معجزہ خدائے تعالیٰ کا کام ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ۔ بخلاف ساحر کے کہ اس کا مقصد اپنی ذاتی غرض رہتی ہے ۔ قوم کی درستی و اصلاح سے اس کو کوئی غرض نہیں ۔ خدا سے اس کو کیا مطلب ، آخرت سے کیا سروکار ۔ اکثر سحر سے لوگوں کے سامنے ایک قسم کا تخیل پیدا ہوتا ہے اور نفس الامر میں شئے اپنی حالتِ اصلی پر باقی رہتی ہے ۔ معجزہ سے نفسِ شئے بدل جاتی ہے فاذ احبالھم و عصیھم یخیل بسحرھم انھا تسعی ۔ دیکھو یہاں صرف تخیل اثرِ سحر ہے ۔ اور والقیٰ موسیٰ عصاہ فاذا ھی حیۃ تسعیٰ ۔ دیکھو یہاں معجزہ سے انقلابِ حقیقت ہے ۔ تصرفِ نفس الامری ہے ۔ غرض کہ چند چیزوں کے مجموعہ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ہے یا ساحر ہے ۔ (حکمتِ اسلامیہ ۱۰۴)

صاحبو ! گذشتہ زمانہ میں بھی چند لوگ پیغمبری کے جھوٹے دعوے کرتے تھے ۔ مگر ہوا کیا ۔ جھوٹ جھوٹ نکلا ۔ سچ سچ ۔ ان کے حصہ میں رسوائی تھی ہو کر رہی ۔ آج کل بھی مصنوعی پیغمبروں کا زور ہے ۔ ہر قسم کی چیزیں امی ٹیشن نکلی ہیں ۔ پیغمبر بھی امی ٹیشن نکلے ہیں ۔ جہاں کسی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا چند بے وقوف ان کے ساتھ ہولئے ۔ اور تو اور حیدرآباد میں بھی امی ٹیشن پیغمبروں کی کمی نہیں ۔ ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ صدیق ہو اگر میرے ہاتھ پر ایمان لاؤ تو تم کو صدیق اکبر کا مرتبہ ملے گا ۔ اسی طرح سید مناظر احسن کو لکھا کہ اگر وہ امی ٹیشن پیغمبر پر ایمان لائیں تو چونکہ وہ سید ہیں اس لئے ان کو حضرت علی مرتضیٰ کا مرتبہ ملے گا ۔ بعض لوگوں نے تو غضب ہی کیا ۔ بعض ہندوؤں کو بھی پیغمبر ماننے تیار ہوگئے ۔ غرض کہ پیغمبری کیا ہوئی ایک دل لگی ٹھیری ۔ پیغمبری کا دعویٰ کرنے میں بعض خاص خاص خطے کے لوگوں کو امتیاز خاص ہے اور بعض کو دوسروں کے پیغمبر ماننے میں بڑی جلد بازی ہے ۔ خاتم النبیین کے بعد پیغمبر تو کیا پیدا ہوتے

البتہ دجالوں کی کمی نہیں ۔ غرض کہ دنیا میں ایک فتنہ کی آگ ہے کہ پھیلی ہوئی ہے ۔ جو دین و ایمان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے ۔ ربنا وقنا عذاب النار ۔ (ماخوذ از تفسیر صدیقی ۔ الانعام)

حضرت نے فرمایا ۔ عثمانیہ کالج میں بھی ایک طالب علم پیغمبری کا مدعی تھا مگر میرے سمجھانے پر اپنے مجدد ہونے پر کفایت کی ۔

حضرت نے چند لطیفے بھی بیان فرمائے ہیں جو بڑے دلچسپ ہیں ۔

لطیفہ ۔ ایک شخص نے ہارون رشید کے سامنے پیغمبری کا دعویٰ کیا ۔ خلیفہ کے ہاتھ میں ابجد کا قفل تھا سامنے ڈال دیا کہ ذرا اسے کھول تو دو ۔ مسخرے پیغمبر نے کہا میں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا یا لوہاری کا ۔

سجاح ایک عورت تھی اس نے بھی پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا ۔ تعجب ہے کہ ان جاہل مدعیان کے بھی لوگ تابع ہیں ۔

لطیفہ ۔ ایک صاحب کا گزر پاگل خانہ میں ہوا ۔ دیکھا کہ ایک مردِ مقطع صاحب جبہ و عمامہ بیٹھے ہوئے ہیں ۔ صاحبِ مذکور کی اس شخص سے گفتگو ہوئی علم اچھا تھا گفتگو اچھی تھی ۔ پوچھا آپ تو اتنے بڑے عالم ہیں آپ کو لوگوں نے پاگل خانہ میں کیوں ڈالا ۔ اس مجنون نے کہا یہ بے وقوف اور نادان لوگ ہیں مجھے عالم تو مانتے ہیں مگر پیغمبر تسلیم نہیں کرتے ۔ صاحب مذکور اس شخص کے پاس سے دوسرے صاحب کے پاس پہنچے وہ نہایت ہی مقطع شایہ عمامہ سے آراستہ تھے ان سے بھی گفتگو ہوئی دیکھا کہ پہلے پاگل سے بھی زیادہ عالم ہے اس شخص نے کہا جنابِ محترم میں اس سے پہلے ایک مجنون کے پاس پہنچا وہ بڑا عالم تھا مگر مدعی نبوت تھا ۔ دوسرے مجنون نے کہا وہ بالکل جھوٹا ہے جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے میں نے اسے بھیجا ہی کب تھا جو وہ پیغمبر ہوتا ۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

معراج شریف کے جسمانی ہونے کے مرزا غلام احمد قادیانی بانیٔ فرقۂ احمدیہ کے علاوہ اور بھی فرقے مثلاً اہلِ حدیث وغیرہ قائل نہیں ہیں ۔ حضرت نے معراجِ شریف کے جسمانی ہونے کے بارے میں جو بصیرت افروز تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں سے بعض ضروری حصوں کو یہاں پیش کردیا جاتا ہے تاکہ معراجِ شریف کی حقیقت کھل کر سامنے آسکے ۔

• بندے تو سب خدائے تعالیٰ کے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے ۔ ماننے والوں کی بھی کمی کیا ہے ۔ ہزاروں بار ہم بھی خدا کو پکارتے ہیں • عمر بھر انشاء اللہ پکاریں گے ۔ مگر وہ بھی کہے کہ ہاں تو میرا بندہ ہے ۔ قرآن شریف میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نقل کیا گیا ہے انی عبد اللہ اتـٰنی الکتاب (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے) خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ۔ عبداً من عبادنا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) یعنی ایسے بندے ہمارے اور بھی ہیں ۔ اس طرح دوسرے انبیاء علیم السلام کو ۔ ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے لما قام عبد اللہ (جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا) • سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بر کنا حولہ لنریہ من ایتنا ۔ انہ ھوا السمیع البصیر ۝ سبحٰن الذی وہ ذات پاک ہے اسریٰ بعبدہ لیلا ۔ جو اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا ۔ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا قابلِ احترام مسجد سے یعنی مسجد مکہ معظمہ سے جس میں کعبۃ اللہ شریف ہے ۔ دور کی مسجد یعنی بیت المقدس کی طرف الذی بٰر کنا حولہ جس کے اطراف ہم نے برکت دی ۔ مسجدِ اقصا کی چاروں طرف برکت ہی برکت ہے لنریہ من ایتنا ۔ تا کہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں اور آثارِ قدرت دکھائیں ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ تھا تو معراج کیوں ہوا ؟ فرماتا ہے کہ ہماری قدرت کے کرشمے دکھانے کے لئے

انہ ھوالسمیع البصیر ۔ بے شک وہی سننے دیکھنے والا ہے ۔ معراج میں حضرت نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا سب پرتوِ اسمائے الٰہی تھا ۔ اللہ کی سماعت سے آپ نے سنا اور اللہ کی بصارت سے دیکھا ۔

ترجمہ : پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندہ کو باحرمت مسجد سے یعنی مسجدِ کعبہ سے مسجدِ اقصا یعنی بیت المقدس کی طرف لے گیا جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے (ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے بہت سے پیغمبر اور موسیٰ علیہ السلام بھی وہیں ہیں ۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی وہیں پیدا ہوئے تھے) بے شک وہ سننے دیکھنے والا ہے (بالذات صفات اسی کے ہیں ۔ تم کیا کر رہے ہو اور کیا کہہ رہے ہو اس سے اللہ باخبر ہے سمیع و بصیر ہے) ۔

صاحبو ! معراجِ شریف کے متعلق بہت سی قابلِ تفصیل باتیں ہیں مشتے از خروارے ہم بھی لکھتے ہیں ۔ کیا معراج کا ہونا ممکن ہے ؟ بے شک ممکن ہے ۔ جس طرح جبرئیل علیہ السلام کا اترنا حق ہے ۔ اس عالم میں صورت شکل لے کر آنا ممکن ہے ۔ حضرت رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کا اس عالم سے عروج فرما کر لوازمِ بشری کو چھوڑ کر دربارِ رب العزت میں پہنچنا بھی حق ہے ۔ بے صورت جبرئیل کا باصورت ہوجانا ، باصورت آنحضرت کا بے صورت ہوجانا کچھ دشوار نہیں ، لائقِ انکار نہیں ۔ ذرا اتنا سوچو کہ ہم جو اس دنیا میں ہیں مادی ظلمتوں میں گرفتار ہیں ۔ کیا اس سے پہلے عالمِ مثال میں نہ تھے ؟ کیا اس سے پہلے عالمِ ارواح میں نہ تھے ؟ کیا اس سے پہلے ہم علمِ الٰہی میں نہ تھے ؟ بے شک تھے ۔ کیا جو زمانہ اور مادہ کے زندان میں گرفتار ہیں اب عالمِ مثال میں نہیں رہے ؟ عالمِ ارواح میں نہیں رہے ؟ ہماری " انا " سچ پوچھو تو مادیات اور لواحقِ مادیات دونوں سے جدا ہے ہم جس طرح اس دنیا میں معلوم ہوتے ہیں مافوقِ معالم میں بھی ہیں ۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں تشریف لے جانا گویا اپنے قدیم محل کی طرف رجوع کرنا ہے ۔

معراجِ شریف کب ہوا ؟ رسالت سے پانچویں سال ۔ معراجِ شریف کہاں ہوا ؟ آپ مکہ معظمہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن " ام ہانیؓ " کے گھر میں تھے ۔ وہاں سے مسجدِ حرام میں آکر استراحت فرمائی ۔ اسری بعبدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج شریف میں رات کے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ اپنے ساتھ لے گیا ۔ معراج رات کو کیوں ہوا ؟ مذہبی کاموں کا دار و مدار علمِ غیب پر ہے بے دیکھے یقین کرنا ہی کمال ہے ۔ اگر دن کو معراج ہوتا تو سب کو یقین آجاتا ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابو جہل میں مابہ الامتیاز کیا رہتا ۔

اسری بمحمد کیوں نہیں ہے ؟ اور بعبدہ کیوں ہے ؟ انسان کو جتنا عروج ہوتا ہے اس کی عبدیت کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ جس کی جتنی عبدیت اتنا ہی اس کا مرتبہ اور اس کا عروج ۔ بعبدہ میں گویا معراج کی علت اور سبب بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ عبد اللہِ کامل صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اسریٰ شب روی کو کہتے ہیں پھر لیلا کیوں ؟ یہ بتانے کے لئے کہ شب بیداری میں خاص سرفرازیاں ہیں ۔ بعض عاشقانِ محمدی کا خیال ہے کہ معراج اگر دن کو ہوتا اور آنکھوں کے سامنے سے جسدِ مبارک غائب ہوجاتا تو عاشقانِ دیدارِ نبوت تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ۔ بعبدہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراجِ مبارک جسمانی ہوا ۔ کیونکہ جہاں جہاں عبد کا لفظ آتا ہے وہاں وہاں جان و تن کا مجموعہ مراد ہوتا ہے نہ کہ صرف جان و روح ۔

کیا معراجِ مبارک جسمانی ہوا یا روحانی ؟ جسمانی بھی ہوا اور روحانی بھی ۔ جب تک عالمِ اجساد میں تھے جسمانی معراج تھا ۔ جب آپ نے عالمِ علوی کی طرف توجہ فرمائی آپ کا جسمِ مبارک اسی کے لائق ہوگیا اور معراجِ روحانی ہوا ۔ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ بے صورت غیر مادی جبرئیل کا مادی صورت میں آنا اور آنحضرتؐ کا مادہ کو چھوڑ کر غیر مادی ہوجانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ۔ روحانی معراج تو ہمیشہ

عبد اللہ

ہی ہوا کرتا تھا ۔ جن پر عالمِ مثل منکشف ہوگیا ہے وہ کیا نہیں دیکھتے ۔ وارثانِ حضرتِ رسالت و نبوت کو معراجِ جسمانی نہ سہی نعلینِ نبوت کے صدقے سے معراجِ روحانی ہوجاتا ہے ۔

من المسجد الحرام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجدِ کعبہ ، مسجدِ بیت المقدس سے زیادہ با احترام ہے ۔ ایک نماز مسجدِ کعبہ میں پڑھی جائے تو اس کا مسجدِ اقصیٰ سے زیادہ اجر ملتا ہے ۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ سے ثابت ہے کہ سب سے پہلا معبدِ الٰہی کعبۃ اللہ شریف اور اس کی مسجد ہی ہے ۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ کعبۃ اللہ شریف کو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اول بیت سے تو یہ ثابت ہے کہ سب سے پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے جہاں عرفات میں آدم و حوا علیہما السلام ملے ہیں جہاں اماں حوا کی قبر مبارک ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ پاک وہیں کی مٹی کا ہے ۔ اسی خاکِ پاک کا ہے ۔

پہلے مسجدِ اقصیٰ کی طرف معراج میں آنحضرتؐ کیوں پہنچے ؟ وہاں تمام پیغمبر تھے ان سے ملاقات بھی ضروری تھی ۔ ان کے کمالات پر سے گذرنا بھی ضروری تھا ۔ مسجدِ اقصیٰ کی برکتوں سے بھی مالا مال ہونے کی حاجت تھی ۔ پھر اس کے بعد کمالاتِ محمدی کی سیر ہے ۔ قدرتِ خداوندی کے کرشمے ہیں ۔ اور آثار و اسرار کے مطالعہ سے سرفراز ہونا ہے ۔ معراج شریف کے متعلق گونہ تفصیل سورۃ والنجم میں ہے ۔

(ماخوذ از تفسیر صدیقی ۱۵ بنی اسرائیل)

ثم دنا فتدلی ۔ ترجمہ : پھر تجلیِ الٰہی حضرت سے نزدیک ہوئی ۔ اور جلوہ فگن ہوئی ۔

فکان قاب قوسین او ادنی پھر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کی تجلی اور رسول) ایک دوسرے سے ایسے قریب ہوگئے جیسے دو کمانیں ہیں یا اس سے بھی قریب تر کہ کمانوں کا نام تک نہ رہے "۔

فکان قاب قوسین پھر تھے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ و بارک وسلم) دو کمانوں کے فاصلہ پر ۔ یہ عربوں کا ایک محاورہ ہے ۔ اس کے معنیٰ ہیں بہت نزدیک ۔ بعض لوگ اس سے مراد لیتے ہیں کہ جب دو کمانیں ملادی جائیں تو کچھ فاصلہ نہیں رہتا ۔ بلکہ ایک دائرہ سا بن جاتا ہے ۔ لہٰذا اس وقت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم ایسی حالت میں تھے کہ قوسین نزولی وصعودی دونوں مل گئے تھے اور صرف دائرہ وجود رہ گیا تھا او ادنی یا اس سے بھی قریب تر کہ قوسین کا نام تک باقی نہ رہے ۔

ارواح ، مثال ، جوہرِ ہبا ، نار ، ہوا ، پانی ، مٹی ، جمادات ، نباتات میں واسطہ مرجان کہ وہ پتھر کی طرح سخت مگر اس میں ڈالیں ، شاخیں ہوتی ہیں ۔ نباتات کے آخر میں خجالو یا شرمندی کا درخت یا کھجور کا درخت کہ اس میں نر و مادہ ہوتا ہے ۔ اور نر کے پھول مادہ کو ڈالنا پڑتا ہے جب کہیں پھل لگتے ہیں ۔ حیوانات کی ابتداء میں ایبا جو بالکل سادہ حیوان ہے اور کمال کی جانب بندر ، لنگور ، گوریلا کہ ان کے مادہ کو حیض بھی آتا ہے ۔ اور دوسرے حیوانات سے ان کی سمجھ بھی زیادہ ہے ۔ پھر انسان کی ابتداء میں بے علم نوپیدا شدہ بچہ ہے ۔ بیچ میں انسان کے بہت سے مرتبے ہیں ۔ انسان جس طرح اترتا ، اترتا ، اترتا انتہائی نزول کو پہنچ جاتا ہے تو نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اب کامل وجود کا ہوگیا ۔ نہیں انسان اسی وقت کامل وجود کا ہوگا جب اور جس طرح ایک ایک چیز کو پایا تھا ۔ ایک ایک چیز کو کھودے ۔ پہلے انسان سمجھتا تھا کہ وہ ترقی کر رہا ہے مگر حقیقتاً وہ خدا سے دور ہو رہا تھا اور تنزل کر رہا تھا ۔ اب جس قدر ایک ایک چیز کھوتا جائے گا ترقی کرتا جائے گا خدا اس سے نزدیک ہوتا جائے گا ۔ جب سب کھودے گا تو بندہ فنا ہوجائے گا ۔ جو موجود بالذات ہے وہی باقی رہے گا "۔

قوسین ، وجوب و امکاں کے معراج میں جس دم آکے ملے ؛ سب دائرہ وحدت کے سوا مٹوا دیا کملی والے نے

فاوحیٰ الیٰ عبدہ مااوحیٰ ○

ترجمہ : پھر اللہ نے اپنے بندہ پر وحی کی جو کرنا چاہتا تھا۔

ما کذب الفواد مارایٰ ○

ما کذب الفؤاد ۔ دل نے تکذیب نہیں کی ۔ جھٹلایا نہیں ۔ یعنی حضرت کو جو کچھ وحی ہوئی ، جو کچھ تجلیات ہوئے ان سب کا آپ کو یقین تھا ۔ مارایٰ جو کچھ دیکھا ۔

ترجمہ :۔ حضرت نے جو کچھ (یقین کے ساتھ) دیکھا دل نے مخالفت نہیں کی (چونکہ وہ واقعہ کے مطابق تھا)"۔

افتمرونہ علیٰ مایریٰ ○

افتمرونہ ۔ لوگو ! کیا تم پیغمبر سے جھگڑتے ہو ۔ علیٰ مایریٰ اس چیز پر کہ وہ دیکھتا ہے ۔ کیا تم ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو اللہ کی ملاقات اور اس کے دیدار کے متعلق ۔

صاحبو ! واضح ہو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراج شریف خواب میں ہوا تھا ۔ خواب میں ہزاروں چیزیں دیکھی جاتی ہیں ۔ اور کوئی جھگڑا نہیں لہذا معـــراج خواب میں نہیں حقیقت میں ہوا ۔ ابتداء میں عالم مادی ہے اور انتہا عالم علوی پر ہے ۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک دنیا میں تھے عالم مادی میں تھے اور جب عالم علوی میں پہنچے تو آپ کا جسم مبارک اس کے لائق ہوگیا ۔ بس معراج جسمانی بھی تھا اور روحانی بھی ۔ ایک دفعہ معراج مبارک کی خبر سن کر ابو جہل نے حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا اب تو تمہارے پیغمبر عالم علوی کو بھی پہنچ جاتے ہیں ۔ کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے ؟ راست اور درست سمجھو گے ؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا ۔ اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے ۔ جب میں اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ روزانہ جبرئیل عالم علوی سے اس عالم سفلی و مادی میں آیا جایا کرتے ہیں ۔ اگر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم عالم سفلی سے عالم علوی کو جائیں تو اس میں شک کرنے کی کیا جگہ ہے ؟ غیر مادی کا مادی صورت میں نظر آنا اور مادی کا غیر مادی صورت میں ہوجانا دونوں برابر ہیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراجِ جسمانی کے قائل نہیں اول تو معراج کے زمانے میں بی بی عائشہؓ کی شادی ہی کب ہوئی تھی ان کے عدمِ علم سے عدمِ وجود لازم نہیں آتا ۔ خصوصاً جب کہ ان کے والد معراج کے قائل ہیں ایسی معراج کہ جس سے ابو جہل انکار کرتا ہے ۔ ●

● معراج کے سال میں اختلاف ہے ۔ مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ڈیڑھ سال بعد ہوا ۔ اور بعض پانچ سال کے بعد اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشـــتر کہتے ہیں ۔ اگر آخر کا قول بھی لیا جائے تو اس وقت ان کی (حضرت عائشہؓ کی عمر سات سال کی ہوگی کیونکہ بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیقِ مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی ۔ اور دوسرے قول (یعنی پانچ سال) معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سالِ ولادت ہے اس لئے کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ سال بعد ہوئی اور جب ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی پانچواں سال جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے ان کی ولادت کا زمانہ ثابت ہوگا اور پہلے قول پر تو معراج ان کی ولادت باسعادت سے تخمیناً تین سال پیشـــتر ہوچکا تھا اور یہی قول درایتہً و روایتہً قابلِ وثوق معلوم ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں اور جمیع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمانہ بعثت سے نماز کے فرض ہونے کا زمانہ بہت قریب ہوگا (للمرتب)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیت المقدس تک معراجِ جسمانی ہے آگے معراجِ روحانی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراج میں حضرت نے کیا دیکھا جبرئیل امین کو، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ۔ خدا اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گیا۔ لے جانا اللہ کی معیت کو چاہتا ہے۔ خدا کی معیت کے سامنے جبرئیل کی معیت کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لنریہ من اٰیٰتنا کہ ہم اپنے حبیب کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ خدا کی نشانیوں کے سامنے جبرئیل کا دیکھنا کیا وقعت رکھتا ہے۔ حضرت عباسؓ اور دوسرے خاندانِ نبوت کے افراد معراجِ جسمانی اور دیدارِ الٰہی دونوں کے قائل ہیں۔

کیا معراج ایک ہی دفعہ ہوا؟ ایک دفعہ تو قطعاً ثابت ہے۔ حضرت نے کئی دفعہ یہ فرمایا کہ میں اس مقام میں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی۔ اور آیت وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ سے معلوم ہوتا ہے اور کتنی دفعہ معراج ہوا ہوگا۔

اچھا کیا معراجِ شریف میں خدا تعالیٰ کا دیدار ہوا؟ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے پہلے میں اس بات کو ثابت کروں گا کہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے قرآن میں ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ اس دن چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ دوزخیوں کے متعلق ہے کلا انہم عن ربہم لمحجوبون۔ ہرگز نہیں دوزخی اس دن اپنے رب سے پردے میں ہوں گے۔ یعنی اللہ کا دیدار ان کو میسر نہ ہوگا۔ جب کہ جنتیوں کو دیدارِ الٰہی میسر ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھنا کہ کوئی شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

اچھا تو خدا کی شان ہے لیس کمثلہ شیء خدا کی شان ہے ولا یحیطون بشیء من علمہ خدا کی شان ہے لاتدرکہ الابصار احاطہ کرنا، پورا ادارک کرنا اور چیز ہے اور دیکھنا اور چیز۔ ہم ہزاروں چیزوں کو دیکھتے ہیں سامنے کی چیز نظر آتی ہے۔ صورت دکھتی ہے اور پیسٹھ نہیں دکھتی۔ پھر احاطہ کیونکر ہو۔ اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دو تجلیات ہیں ایک تجلی ذاتی جس کے وقت بندہ رہتا ہی نہیں۔ بے شک تجلیِ ذاتی کا دیکھنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ دوسری تجلیِ اسماء وصفات اور مثالی اس کا دیدار ممکن ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جبرئیل امین دحیہ کلبی اور اعرابی کی شکل میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو نظر نہیں آئے تو صحیح نہیں۔ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک مثال۔ قرآن شریف کلام اللہ ہے۔ کلام اللہ ہمارے سامنے آئے گا مثلاً الحمد للہ۔ الحمد الف ،لام ،ح ،م ، د ۔ للّٰہ دولام ہ کی شکل میں نظر آئے گا۔ یہ قرآن کی مثالی شکل ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ کی تجلی ہوئی تو آنکھیں خیرہ کرنے والے نور کی شکل میں ہوئی۔ ذرا تم اپنے آپ پر غور کرو، تمہاری بھی ایک مثال ہے، ایک حقیقت ہے۔ مثال تو وہ صورت ہے جس میں آنکھ ناک کان ہونٹ وغیرہ ہیں۔ اور ایک تمہاری حقیقت ہے جو "انا" ہے "میں" ہے۔ جنگ میں ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں مگر "انا" کو کیا ہوتا ہے وہ تو الآن کما کان ہے۔ صورت شکل سے پاک ہے۔ وہ تمہاری تنزیہہ اور حقیقت ہے۔ مثال کے احکام اور ہیں ذات اور تنزیہہ کے احکام اور۔ تم اپنی انا اور ذات کو نہیں دیکھ سکتے تو خدا کو کیا دیکھو گے اسی طرح ظاہری صورت کے بھی احکام ہیں۔ اگر کوئی کہے میں نے اپنے دوست کو کبھی نہیں دیکھا، ہرگز درست نہیں، تم نے ضرور دیکھا ہے۔ اسی طرح دیدارِ الٰہی کا ہونا بھی ممکن ہے۔ تم کو تمہارے لائق، رسولِ خدا کو رسول خدا کے لائق۔ غرض کہ جو دیدارِ الٰہی کا قائل نہیں بے شک اس کے حصہ میں دیدارِ الٰہی نہیں۔ اللھم ارنی وجھک الکریم بحق محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ جب خدائے تعالیٰ کی ذات دیکھنا ممکن نہیں تو پھر تجلیِ ذاتی کے کیا معنیٰ؟ تجلیِ اسمائی کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے اسماء وصفات اس کی نظروں سے گرجائیں۔ تجلیِ ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ بندوں کی ذات اس کی نظروں سے گرجائے۔ جو چیز معلوم نہیں ہوسکتی اس کو یہ سمجھنا کہ معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہی اس کا علم ہے، اس کا ادراک۔ جو چیز نظر

نہیں آتی اس کو یہ سمجھنا کہ نظر نہیں آتی یہی اس کا دیکھنا ہے العجز عن درک الادراک ادراک ناقابلِ ادراک کو ناقابلِ ادارک سمجھنا ہی ادراک ہے۔ حق کو حق، باطل کو باطل سمجھنا معرفت ہے۔ کمال العرفان نفی الصفات عنہ۔

صاحبو! یہ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو کیوں ہوا؟ اور انسان کے عروج کے کیا اسباب ہوا کرتے ہیں۔

حضرت کو معراج ان کے کمالِ عبدیت کی وجہ سے ہوا۔ دیکھو اسری بعبدہ نہ کہ اسری برسولہ ہے۔ عبد کی جہت معبود کی طرف ہوتی ہے۔ اور رسول کی جہت امت کی طرف۔ عبد ایک ایسا لفظ ہے جو ہر جگہ سے متعلق رہتا ہے۔ جہاں خدا وہاں اس کا بندہ۔ عبد و معبود کی نسبت ناقابلِ زوال ہے۔ جانتے ہو عبد کہتے ہیں کس کو؟ العبد وما ملکت یداہ لمولاہ جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندہ کا اپنی ایک ایک چیز کھوتے جاؤ، خدا کی ایک ایک چیز لیتے جاؤ بندہ ہمیشہ سرافگندہ بندہ خود کو لاکھ بندہ نہ سمجھے مگر ہے ضرور بندہ۔ خدا کے سوائے کسی اور نے نہ پیدا کیا نہ کوئی اور اس کا خدا ہے۔ نہ وہ اور کسی کا بندہ۔

اچھا! بندے تو ہم بھی ہیں، کیا ہم کو بھی معراج ہوگی؟ جتنی تمہاری بندگی اتنا ہی تمہارا عروج و کمال۔ محنت کروگے، خدا کی نسبت رکھو گے، پیغمبر کے وارثِ حال رہو گے تو تم بھی ترقی کروگے۔ ان کا جسم لطیف تھا ہماری روحوں سے بہتر تھا۔ تو ان کو روحانی، جسمانی معراج ہوا۔ تم کو روحانی اور مثالی معراج ہوسکتا ہے۔ پیغمبر کے قدم بہ قدم چلو، ان کی وراثت حاصل کرو۔ اپنا دامن دُرِ مقصود سے بھر لو وہ خدا کی خدائی میں ایک ہی بندہ تھا، تم اس کی اتباع کرو۔ خدا کے محبوب بنو فاتبعونی یحببکم اللہ پڑھو۔ متبعِ نبی، محبوبِ خدا ہوجاتا ہے۔ محب اور محبوب دونوں باہم جدا نہیں ہوسکتے۔ پیغمبر کی تصویر بنو تو خدا کے پاس عزیز ہوجاؤ گے۔ خدا تم کو چاہے گا۔ تمہاری مرادیں برلائے گا۔

صورت سیرت بنے تمہاری نقشہ ایسا جمنا
ارے مرے یار کچھ ایسا رنگنا جو دیکھے مُنہ تکنا

بہر حال جتنی محنت اتنی عنایت، جتنی عزت اتنی ہی کرامت۔

کھینچ کر صانعِ قدرت نے کہا واہ رے میں!
اور تصویر یہ بول اٹھی کہ اللہ رے میں!

ولقدراہ نزلۃ اخریٰ ○

ولقدراہ۔ بے شک ان کو دیکھا، کن کو؟ خدا کو نزلۃ اخریٰ ایک اور دفعہ ذات سے انہوں نے اتر کر یعنی قطع نظر ذات سے مثالی وصفاتی تجلی میں، اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ احدیت سے اتر کر واحدیت میں جلوہ فگن ہوا۔

ترجمہ:۔ ایک اور دفعہ ذات سے اتر کر اس کو (خدا کو) دیکھا۔

قطعِ نظر ذات کے مثالی اور صفاتی تجلی میں۔ کہاں؟

عند سدرۃ المنتھیٰ ○

عند۔ پاس۔ سدرۃ بیری کا درخت۔ المنتہیٰ۔ جہاں انتہا ہوجاتی ہے اور فرشتوں کے رہنے کا مقام ہے۔ آگے جبرئیل پکار اٹھتے ہیں:۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ÷ فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ : سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۔

عندھا جنۃ الماوٰی ۝

عندھا ۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۔ جنۃ ۔ بہشت ۔ باغ ۔ الماوٰی ۔ ٹھکانہ ۔ آرام گاہ ۔ ٹھیرنے کی جگہ ۔

ترجمہ :۔ جہاں جنت کی آرام گاہ ہے ۔ یعنی محبانِ خدا اور خدا ترس رہتے ہیں ۔

اذیغشی السدرۃ مایغشٰی

اذ ۔ جب کہ ۔ یغشٰی ۔ چھارہا تھا ۔ السدرۃ ۔ بیری کے درخت پر مایغشٰی ۔ جو چھارہا تھا ۔

ترجمہ :۔ جب سدرہ پر جو انوار چھارہے تھے ، جو تجلیات ہورہے تھے ، ہورہے تھے (یعنی ناقابلِ بیان انوار و تجلیات ہورہے تھے) ۔ مگر

مازاغ البصر وما طغٰی ۝

مازاغ ۔ نہ بہکی ۔ نہ کج ہوئی ۔ نہ غلطی کی ۔ البصر ۔ نگاہ نے ، نظر نے ۔ وما طغٰی اور نہ جگہ سے بڑھ گئی ۔ اچٹ گئی ۔

ترجمہ :۔ حبیبِ خدا کی آنکھ نہ کسی اور جانب مڑی نہ جگہ سے ہٹی ۔

موسٰی زہوش رفت بیک جلوہ صفات

تو عینِ ذات می نگری در تبسمے

لقدرای من ایات ربہ الکبرٰی ۝

لقدرائی ۔ بے شک پیغمبر نے دیکھا ۔ من ایات ربہ ۔ اپنے رب کی نشانیوں میں سے ۔ الکبرٰی ۔ بڑی بڑی ۔ کرشمہ ہائے قدرت ۔ عجائباتِ فطرت ۔ وہ بھی بڑے بڑے ۔

ترجمہ :۔ حبیبِ خدا نے پروردگارِ عالم کے بڑے بڑے کرشمہ ہائے قدرت کو دیکھا ۔

(تفسیر صدیقی ۔ النجم)

کیا پروردگارِ عالم کا دیدار عرشِ اعظم پر حضرتؐ کو ہوا ۔

جبرئیل جب ناسوتی شکل نہ رکھتے تھے اور اس عالمِ ناسوت میں تمام صحابہ کو نظر آگئے ، ان کے روح ہونے میں کچھ فرق نہ آیا تو کیا خدائے تعالیٰ کی تجلی عرشِ اعظم پر حضرتؐ کے سامنے ہو تو اس کی بے رنگی میں کچھ فرق پیدا بھی ہوسکتا ہے ؟

حضرتؐ اس سرعت سے بیت المقدس اور عرش بریں کو کیونکر پہنچے ؟ جبرئیل اس سرعت سے عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت کو کیونکر روزانہ آیا کرتے تھے ۔ خدائے تعالیٰ بے جہت ہے ۔ دیکھنے کے لئے جہت کی ضرورت ہے اور وہ اس سے پاک ہے ۔ جبرئیل بھی تو ناسوت کے اعتبار سے بے جہت تھے اور اس عالم میں آئے تو جہت ان کو بھی لاحق ہوگئی ۔ اگر حضرتؐ عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس کے اقتضاء کے موافق بے جہت ہوجائیں اور خدائے تعالیٰ کا بے جہت دیدار ہو تو کیا دشوار ہے ۔ جناب عیسٰی علیہ السلام جب تک عالمِ ناسوت میں تھے

کھاتے پیتے ، جاگتے سوتے تھے ۔ ان کو دوسرے بشری عوارض لاحق ہوتے تھے ۔ اب سماء ثانیہ (دوسرے آسمان) میں ہیں تو یہ عوارض بھی ان سے زائل ہوگئے ۔ ہر عالم کا ایک اقتضاء ہوتا ہے جس کے مطابق عوارض ولواحق متعلق ہوتے ہیں ۔ جب وہ عالم ہی نہ رہا تو اس کے عوارض بھی نہ رہے ۔ مادی حالت پر غیر مادی حالت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ۔

(ماخوذ از حقیقت معراج)

یہ تمام لوگ جو معراجِ مبارک سے برسرِ انکار ہیں وہ معراجِ جسمانی اور شانِ تنزیہہ کی وجہ سے ہے ۔ جب معراجِ مبارک میں تجلیِ اعظم کا دیدار مراد لیں تو معراجِ جسمانی میں کوئی ہرج نہیں ۔ ثانیاً اسریٰ کے معنیٰ حقیقتاً رات کے وقت لے جانے کے ہیں ۔ خواب اور منام پر یہ لفظ حقیقتاً نہیں کہا جاسکتا ۔ ظاہر ہے کہ جب تک حقیقی معنی ممتنع و محال ثابت نہ کریں مجازی معنے لینے کا کوئی حق نہیں ۔

ثالثاً ۔ اگر معراج روحانی ہوتا تو اسریٰ بروح عبدہ فرماتا کیونکہ عبدہ میں حضرت کی روح و تن دونوں شریک ہیں ۔ پس اگر صرف روح مقصود ہوتی تو بروح عبدہ ہوتا ۔

رابعاً خواب دیکھنے سے کون انکار کر سکتا ہے ۔ کفار کا اعتراض ، ضعیف عقیدے والوں کا بدل جانا اور مرتد ہوجانا ، تصدیق کرنے والوں کے مراتب میں ترقی ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کی تصدیق کی وجہ سے خطاب " صدیق اکبر " سے سرفراز ہونا یہ سب واضح ہیں کہ معراجِ جسمانی تھا ۔ ٭

خامساً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش میرے سفرِ شب سے سوال کرتے جاتے ہیں ، انہوں نے بعض ایسی چیزوں سے بھی سوال کیا جس پر میں نے غور نہیں کیا تھا ۔ اس سے مجھے ایسی بے قراری ہوئی کہ کبھی ایسی بے قراری نہ ہوئی تھی ۔ خدائے تعالیٰ نے میرے لئے " بیت المقدس " کو بلند کردیا میں اس کو دیکھتا تھا اور جواب دیتا جاتا تھا ۔ بھلا کوئی سچ کہے کہ خواب کی کوئی ایسی تنقید کیوں کرتا ۔

٭ جس طرح قرآن شریف کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا ۔ اسی طرح معراج کے اس مستم بالشان واقعہ کے بارے میں خود ارشادِ باری ہے وما جعلنا الرءيا التى اريناک الا فتنة للناس ۔ یعنی جو تم کو شب معراج ہم نے دکھلایا اس سے تو لوگوں کی آزمائش مقصود ہے "۔ احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب میں نازل ہوئی ۔ چنانچہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہوگئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ معراج کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور مکلف تھے ۔ اگرچہ معراج سے اصل مقصد دیدارِ الہیٰ ، قربِ خداوندی ، راز و نیاز ، اور عجائبِ قدرت دکھانا تھا مگر بعد میں اس مسئلہ کی حیثیت ہی دوسری ہوگئی کہ اس کو منجملہ ان مسائل کے ٹھیرایا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے مسائل بعث و نشر و مقدوراتِ الہیٰ وغیرہ ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس رات میں بیت المقدس جاکر صبح کو مکہ میں آگیا ، مجھے یقین ہوا کہ لوگ میری تکذیب ضرور کریں گے ۔ اس خیال میں ، میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمنِ خدا ، ابوجہل آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور بطورِ استہزاء پوچھا ، کیوں کیا کوئی نئی بات ہے ، فرمایا " ہاں " کہا ، کیا ہے ؟ فرمایا " آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے ، کہا ، کہاں ؟ فرمایا " بیت المقدس " کہا پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہوگئے ؟ فرمایا " ہاں " جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کر جائیں تکذیب نہیں کی ، اور کہا ، کیا یہ بات آپ لوگوں کے روبرو بیان کروگے ؟ فرمایا " ہاں " یہ سنتے ہی بآوازِ بلند پکارا ۔ اے گروہ بنی کعب بن لوی اور فوراً جوق جوق لوگ وہاں ٹوٹ پڑے ۔ پھر حضرت سے کہا (باقی آئندہ)

سادساً بیہقی ابن مردویہ ، شداد بن اوس کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتؐ سے شب معراج عرض کیا رسول اللہ میں نے رات کو آپؐ کو آپؐ کی جگہ ڈھونڈا مگر آپؐ کو نہ پایا۔ حضرت نے جواب دیا کہ آپؐ کو جبرئیل مسجدِ اقصا کو لے گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ)

اب رہا معراجِ مناہی کا ہونا وہ احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے اور حضرتؐ کی عادتِ مبارک تھی صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب دریافت فرماتے۔ کئی دفعہ خود آپؐ نے معراجِ مناہی پر دلالت کرنے والے خواب بیان فرمائے اس طرح کشفی ومثالی معراج بھی بکثرت ہوئے بلکہ سرکارؐ کی حالت تو یہ تھی کہ و للاخرۃ خیرلک من الاولیٰ یعنی تمہاری ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے اعلیٰ وبالا ہے۔

جناب امام اعظمؒ نے سو دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا غلامانِ محمدؐ کو ایسے خواب اور ایسے کشف ہوتے ہی رہتے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ان احادیث معراجِ مناہی کی وجہ سے ہی لوگ معراجِ جسمانی کے منکر ہوگئے۔ اگر معراج جسمانی و کشفی و مناہی تینوں کے قائل ہوجاتے تو کوئی چپقلش اور کشمکش ہی نہ رہتی۔

حاشیہ بسلسلہ گذشتہ

جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہئے۔ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا۔ بیت المقدس ۔ کہا کیا ایلیا؟ فرمایا۔ ہاں ۔ کیا پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہوگئے؟ فرمایا ۔ ہاں ۔ یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ کوئی تالیاں بجانے لگا، کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر انہوں نے کہا کیا آپ مسجد کا حال بیان کرسکتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس کا سفر کرچکے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسجد کا حال بیان کرنے لگا یہاں تک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتباہ سا ہوگیا۔ ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی گئی جس کو میں دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا۔ ان لوگوں نے جب پوری علامتیں سن لیں تو بے ساختہ کہہ اٹھے کہ واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں (اخرج ابن شیبہ واحمد والنسائی والبزاز والطبرانی وابن مردویہ وابونعیم فی الدلائل والضیائی المختارہ وابن عساکر بسندِ صحیح عن ابن عباسؓ)

کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جاکر صبح ہم میں موجود ہوگئے۔ تو آپ نے اس کی تصدیق کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں تشریف لے گئے ورنہ جواب میں فرماتے کہ یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ یہاں سے گیا ہی کب تھا۔

کافروں کے امتحان لیتے وقت مسجد کو پیش نظر کردیئے جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر کشف ہوا تھا۔ جو حضور کے ارشاد سے ظاہر ہے اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اس طرح صراحتہً فرمادیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہوگئے تھے۔

واقعہ معراج کے بیان کرنے کے سلسلہ میں بجائے شاداں و فرحاں رہنے کے حضورؐ کا غمگین بیٹھنا اور اس واقعہ کے تعلق سے لوگوں کے تکذیب کرنے کا اندیشہ بلکہ یقین معراج کے مناہی یا کشفی کے بجائے جسمانی ہونے کی وجہ سے تھا۔ کافروں کا تالیاں بجانا حضرت کو جھوٹ ثابت کرکے مذاق اڑانے کا انداز ہے کہ حضور ایسی بات فرمارہے ہیں کہ جو قطعاً ناممکن ہے کہ ایک مہینہ کی راہ کو آنا جانا دو ماہ سفر کے لئے درکار ہیں ایک رات میں یہ سفر مکمل ہوگیا کہ عقل کسی قیمت پر مان نہیں سکتی اگر وہ کشف یا خواب سمجھتے تو صاف کہہ دیتے کہ یہ اضغاثِ احلام ہیں، ابوجہل خود بھی اہمیت نہ دیتا اور نہ لوگوں کو جمع کرتا اس کا لوگوں کو جمع کرکے سنوانا جسمانی بنیاد پر تھا۔ مسلمان تو معراجِ جسمانی کے قائل ہیں اور یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کا یقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے یقین کے تحت ہے۔ (للمرتب)

اب رہا تیسرا تصفیہ طلب امر کہ معراجِ مبارک کہاں تک واقع ہوا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ تک تو قرآن سے ثابت ہے جو حجتِ قطعی ہے لہٰذا اس کا منکر کافر یا منافق ہے ۔ دیگر احادیث سے عرشِ اعظم تک جانا اور دیدارِ الٰہی سے سرفراز ہونا ثابت ہے ۔ چونکہ احادیث متواتر نہیں لہٰذا انکار سے کفر لازم نہیں آتا ۔ مگر ائمہ اہل بیت سے ثم دنٰی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنٰی کی تفسیر میں خدائے تعالیٰ ہی مراد ہے ۔ میں تو اسی پر بھی یقین رکھتا ہوں ۔

(ماخوذ از حقیقتِ معراج)

قرآن کے بعض معرکتہ الآرا مقامات

بعض ایسی آیتیں یا الفاظ یا مقامات جن کے معنیٰ کے تعین میں بڑے اختلافات ہیں ۔ تفسیر میں حضرت نے کیا معنی کئے ہیں اور کیا توضیح و تشریح فرمائی ہے چند مقامات بغرضِ استفادہ پیش کئے جاتے ہیں ۔

۱ - الم ۝ آیات مقطعات سے ہے ۔ اس کے معنی اصلِ مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو ضرور معلوم ہیں ۔ کیونکہ قرآن شریف کی صفت مبین یعنی بیان کرنے والا ہے ۔ لہٰذا پورے قرآن کے معنی کم سے کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو تو معلوم ہونے چاہئیں ۔ اگر آپؐ نے کسی کو اس کے معنی بتا دئے ہوں تو کوئی محال نہیں ۔ یا کشف میں کسی کو کچھ معلوم ہوگیا ہو تو یہ بھی ممکن ہے ۔ بزرگانِ دین کے ادعیہ میں ایسے الفاظ آتے ہیں اور ان سے خاص خاص آثار پیدا ہوتے ہیں بعض ادیبوں نے یہ لکھا ہے کہ تمام حروف ملائے جائیں تو اقسام انواع اور صفاتِ حروف کے نصف نصف حروف ہیں جیسے قلقلۃ اور ھمس وغیرہ ۔ بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ سے تحدی اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہی اٹھائیس حروف ہیں جن کو تم رات دن بولتے ہو اور اپنے ادیب اور افصح ہونے کا دعویٰ رکھتے ہو ۔ بھلا ان ہی حروف سے بنائے ہوئے قرآن کا جواب تو لکھو ۔ تم کبھی نہ لکھ سکو گے ۔ یہ قرآن ہے اس کے معنی بھی اعجاز ہیں اور عبارت بھی اعجاز ۔ (البقرۃ ۔ تفسیر صدیقی)

جاہلوں کا امتحان علمی سوال سے ہوتا ہے ۔ اور عالموں کا امتحان اس بات سے ہوتا ہے کہ کیا وہ ہر جگہ اپنے دل کے لگتے لگاتے ہیں یا کوئی بات خدا پر بھی چھوڑتے ہیں ۔ اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتے ہیں ۔

بعض کہتے ہیں کہ الف حلقی اور ابتدائی مخرج کا حرف ہے اور لام وسط مخرج کا اور میم شفوی یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے اور بالکل آخری مخرج کا حرف ہے اس طرح الم تمام مخارج پر حاوی ہے ۔

سورتوں کی ابتداء میں جو حروف آتے ہیں اُن کو مقطعاتِ قرآنی کہتے ہیں ۔ ان میں سے بعض پوری آیتیں ہیں ۔ اور بعض جزو آیت ۔ یہ سب چیزیں اسرارِ الٰہی میں سے ہیں ۔ جس کو خدا معلوم کرائے اس کو معلوم ہوتے ہیں ۔ اس کے جاننے میں انسان کی خارجی کوشش بے فائدہ ہے ۔ البتہ پیغمبر کا اس کو جاننا ضرور ہے کیوں کہ قرآن مبین ہے ۔ کم سے کم اس کے معنی حضرتؐ کو معلوم ہیں ۔

(آل عمران ۔ تفسیر صدیقی)

۲ - الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلٰوۃ و مما رزقنٰھم ینفقون ۝ (البقرہ آیت ۲) اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ۔

عبداللہ

الذین ۔ جو لوگ ۔ یو منون ۔ ایمان لاتے ہیں ۔ امنہ اس کو امن میں کردیا ۔ امن دیا ۔ امن بالغیب ۔ امن المخاطب من الانکار و التکذیب معترفا بالغیب یعنی امن بکذا کے معنی ہیں فلاں چیز کا اعتراف کرکے ، اقرار کرکے ، مخاطب کو یقین دلایا کہ ۔ اب یہ کبھی انکار نہ کرے گا ۔ غرض کہ امن بکذا کے معنی ہیں یقین کیا ۔ بالغیب غیب یا دل سے ۔

ایمان کیا چیز ہے ؟

دل سے یقین کرنا اطاعت کے ساتھ ، اس کا نتیجہ ہے زبان سے اقرار کرنا اور ایمان کے مطابق کام کرنا ۔ ان تینوں کو ملا لینے کے بعد ایمان کے معنی ہوئے ۔ الا قرار باللسان والتصدیق بالجنان (بالقلب) و العمل بالا رکان (اعضاء بدن) یہ اعمال ایمان پر دلالت کرنے والے ہیں ۔ جس طرح دال کہہ کر مدلول مراد لیا جاتا ہے ۔ کبھی اعمال کہہ کر ایمان مراد ہوتا ہے ۔ بعض دفعہ ایمان کہا جاتا ہے ۔ اور مراد اعمال ہوتے ہیں ۔ یہ سب مجازی استعمال ہیں ۔ خوارج کے پاس گناہ کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے ۔ معتـزلیوں کے پاس گناہ گار مومن رہتا ہے نہ کافر بلکہ بیچ ادھر رہتا ہے ۔ اہلِ سنت کے پاس گنہگار مسلمان رہتا ہے ۔ قرآن شریف میں ہے ۔ و ان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا ۔ یعنی اگر ایمان داروں کے دو گروہ آپس میں کشت و خون کریں ۔ یہاں قاتل کو بھی اللہ تعالیٰ مومن فرماتا ہے ۔

غیب کے معنی کیا ہیں ؟ وہ چیز جو ہمارے سامنے نہ ہو ۔

غیب کی کتنی قسمیں ہیں ؟

۱ ۔ غیبِ مطلق :۔ وہ غیب جو خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔ یعنی حقیقتِ حقہ کہ پیغمبر ، فرشتے اور عقلمند سب کے ادراک سے باہر ہے ۔ ہاں اس کی تجلیات کا دیدار ہوسکتا ہے ۔

۲ ۔ غیبِ جزئی :۔ وہ غیب جو پیغمبروں کو معلوم کرایا جاتا ہے عـالـم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احدا الا من ارتضٰی من الرسول ۔ خدا عالم الغیب ہے ۔ اپنے غیب پر کسی کو علم نہیں دیتا مگر برگزیدہ پیغمبر کو ۔ یہاں غیب پر اطلاع بمعنی وحی کے ہیں ۔

۳ ۔ غیبِ اضافی :۔ وہ غیب جو کسی ایک شخص کے لحاظ سے غیب ہو اور دوسرے کے لحاظ سے نہ ہو مثلاً بعض غیب ایسے بھی ہیں جو ہر ریاضت کرنے والے کو معلوم ہوسکتے ہیں ۔

یہ بات یاد رکھو ایمان علم کی قسم ہے ۔ ہر مسلمان کو غیب کا علم ہونا ضروری ہے ۔ مثلاً خدائے تعالیٰ ، جنت ، دوزخ ، فرشتے ، قیامت ان سب کا علم یو منون بالغیب میں داخل ہے ۔

کیا کسی مسلمان کے خیال میں پیغمبر کا علمِ غیب خدا کے علمِ غیب کے برابر ہوسکتا ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ خدا کا علم بالذات ہے اور پیغمبر کا بالعرض ۔ خدائے تعالیٰ اپنی حقیقت کو جانتا ہے اور پیغمبر خدا کی کنہ اور اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ۔ پھر مساوات کا مسئلہ کدھر رہا ؟ "پیغمبر کو علم غیب بھی ہوتا ہے" کہنے سے نہ شرک لازم آتا ہے نہ کفر ۔ ہاں غیب کا علم نہ رکھنے والے اس لفظ کے مستحق ہیں ۔ جس کو وہ دوسرے مسلمانوں کو کہتے ہیں ۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مادہ پرست موحد ، روحانیت سے نابلد ، روحانیت سے ناآشنا ، کہتے ہیں کہ شیطان کو لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم ہیں جبھی تو وہ بہکاتا ہے ۔ پھر ایک دو کے دل کے حالات نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کے حالات اور ان کے خیالات سے واقف ہے ۔ اس واقفیت سے شرک لازم نہیں آتا ؟ اگر اتنا بھی علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کریں

تو نہایت ہی چیخ و پکار ہوتی ہے کہ شرک ! شرک ! کوئی ان سے پوچھے پیغمبر کے لئے جزئی علم غیب تو شرک ہے اور ان کے پیشوا معلم الملکوت کے لئے شرک نہیں ؟ شرک خدائے تعالیٰ کی صفتِ خاصہ میں کسی کو شریک کرنا ہے ۔ اگر علمِ غیب خدا کی صفتِ خاصہ ہے تو اس کی جس کی طرف بھی نسبت کی جائے شرک ہے ۔ اور اگر علمِ غیب خدا کی صفت خاصہ نہیں ہے تو ہرگز شرک نہیں ان کو ان آیات و احادیث پر غور کرنا چاہئیے و علمک مالم تکن تعلم ہم نے تم کو ایسی چیز کی تعلیم دے دی جس کا تم کو علم نہ تھا ۔ اوتیت علم الاولین و الاخرین ۔ مجھے اگلے پچھلوں کا علم دیا گیا ۔ حضرت سیدی عبدالقادرؒ کے کلام میں ہے حضرت رسولِ خدا نے فرمایا " لا یشاک احد کم بشوکۃ الا واجد المھا ۔ یعنی تمہارے پیر میں کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا درد میں پاتا ہوں " عزیز علیہ ماعنتم ۔ ان پر یعنی حضرتؐ پر دشوار گزرتا ہے جو تم کو تکلیف دہ ہے ۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ۔ ہم نے تم کو (اے محمدؐ) گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بناکر بھیجا ۔ فاولـئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھدآء والصالحین و حسن اولئک رفیقا ۔ وہ لوگ ان کے ساتھ ہونگے جن پر خدا نے انعام کیا ۔ نعمت سے ان کو سرفراز کیا ۔ وہ کون ہیں ۔ انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں اور وہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں ۔ ہمارے رفیق انبیاء و اولیاء اور تمہارے رفیق استاذالملائکہ اور اس کی ذریات ۔

یہ خوب یاد رکھو ! ہم میں اصل جہل ہے اور علم عارضی اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم میں علم اصل ہے ۔ کسی مصلحت سے کوئی چیز چھپا بھی دی جاتی ہے ۔ بعض دفعہ بطور راز کے کوئی علم ہوجائے تو عامۃ الناس میں اس کی اشاعت نہیں کی جاتی ۔ جب تک کہ سرکاری مراسلہ کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل نہ ہو ۔ معلوم ! سرکاری مراسلہ کیا ہے ؟ وحیِ الٰہی جو بتوسطِ جبرئیلِ امین ہو ۔

ویقیمون ۔ اور قائم کرتے ہیں ۔ اچھی طرح سے پڑھتے ہیں پوری طرح ادا کرتے ہیں ۔ الصلوٰۃ نماز کو ۔ نماز کے ارکان میں قیام رکوع سجود ہیں ۔ پس یقیمون الصلوٰۃ کے معنی ہیں نماز پڑھتے ہیں ۔ جیسے ۔ وارکعوا مع الراکعین ۔ سب کے معنی ہیں نماز پڑھو جز کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے ۔ نیز اقامۃ ۔ سیدھا کرنا ۔ درست کرنا پس معنی ہوئے حضور قلب سے سکون اور اطمنان سے نماز پڑھتے ہیں ۔ ان کی نماز ایسی ہوتی ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں یا کم سے کم خدا ان کو دیکھ رہا ہے ۔ یہ ماخوذ ہے اقام العود سے یعنی لکڑی کو سیدھا کیا درست کیا یا قام السوق سے ۔ بازار چل نکلا ۔ فلاں جگہ ہاٹ قائم کیا گیا یعنی ہمیشہ بازار بھرے گا ۔ پس معنی یہ ہوئے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ۔ پیر یا جمعہ ، جمعرات کی نماز نہیں پڑھتے ۔ ومما یہ اصل میں من ما تھا ۔ یرملون کے قاعدے سے نون مدغم ہوکر میم بن گیا ہے ۔ و ۔ اور من سے ما ۔ جو چیز ۔ رزقنٰھم ہم نے ان کو دیا ۔ ینفقون صرف کرتے ہیں ۔ خرچ کرتے ہیں ۔ ہمارے دئے ہوئے سے وہ لوگوں کو دیتے ہیں ۔ انفاق کرتے ہیں ۔ عربی میں جس لفظ کی ابتداء میں نون اور فا آتے ہیں اس کے معنی نکلنے کے ہوتے ہیں ۔ جیسے نَفَعَ نَفَلَ وغیرہ ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا سارا دیا ہوا طلب نہیں کیا ۔ بلکہ سال بھر گذارنے کے بعد چالیس میں سے ایک ۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ مارزقنٰھم کچھ چاندی سونے سے خاص نہیں ، کچھ زکوٰۃ سے خاص نہیں ۔ یہ ایک عام بات ہے ۔ تم کو خدا نے جو کچھ دیا ہے سونا ، چاندی ، علم و ہنر ، صنعت و حرفت ۔ ان سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا ہے ۔ ہمارے بہت سے علوم و فنون اس بدبخت بے ضرورت رازداری سے ضائع ہوگئے وہ بدنصیب اپنے کمالات خود اپنی قبر میں لے گئے ، جہاں اُن سے نہ خود ان کو فائدہ نہ کسی اور کو ۔

ترجمہ :- جو لوگ ایمان لاتے ہیں غیب پر یا غیب کے ساتھ (یعنی دل کے ساتھ) اور اچھی طرح پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں "۔

۲- مانَنسخ من اٰیة او ننسهانات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللّٰه علیٰ کل شیء قدیر ○

(البقرہ آیت ۱۰۶)

ما ننسخ ۔ جو ہم مٹاتے ، جب ہم دور کرتے ہیں ، نسخت الریح اثار القوم ۔ ہوا نے قوم کے نشانِ قدم کو مٹا دیا ۔ اور نسخ متغیر نسخ الکتاب ۔ نقل کیا ۔ من اٰیة ۔ کوئی نشانی ، کلام اللہ لنریه من اٰیٰتنا ۔ تا کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ سنریهم اٰیٰتنا ۔ عنقریب ہم ان کو اپنے آثار قدرت دکھائیں گے ۔

کیا خدا کا حکم کوئی منسوخ بھی ہوتا ہے ؟

اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ احکام الٰہی منسوخ ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں ۔

تورات میں بہت سے احکام منسوخ ہوئے ہیں ۔ عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکام موکدہ تورات کو منسوخ کردیا ۔ ان اعتقادات میں نسخ نہیں ہوا ۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ اور اس کے صفاتِ کمالیہ ناقابلِ زوال و تغیر ہیں ۔ لہذا عقائد جمیع انبیاء کے ایک ہیں ان میں بھی نسخ ممکن نہیں ۔ اخبار میں بھی نسخ نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ یہ کذب کے مساوی ہے ۔ وعدہ میں نسخ نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ خلافِ وعدہ کرنا عیب ہے ، رذیلت ہے ، اللہ اس سے پاک ہے ۔ وعید کے معنی ہیں ۔ تم اس سزا کے مستحق ہو ۔ گناہ کرنے کے بعد استحقاقِ سزا ثابت ہے ۔ اس کے ساتھ ہی عفو کرنا کرامت ، سخاوت اور علو ہمت ہے ۔ یہاں بھی نسخ نہیں ہے ۔ اصول شرائع میں بھی نسخ نہیں ۔ جیسے عباداتِ الٰہی ، شرک و بدعت سے ممانعت ، صلہ رحمی ، عدل و انصاف ، قباحت زنا ، ظلم وغیرہ ۔

اب رہ گئے فروعاتِ شرعیہ مثلاً چور کی سزا ، زنا کی حد ، طریقہ عبادت ، قبلہ وغیرہ ان میں نسخ ہوتا ہے ۔ مصلح کے بدلنے سے احکام بدلتے ہیں ۔ یہاں تک کہ ۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا کا زمانہ آتا ہے ۔ پھر کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا ۔

ابو مسلم بن بحر مطلقاً قرآن میں کوئی منسوخ آیت نہ ہونے کے قائل ہیں مگر دوسرے مفسرین نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں ۔ چنانچہ ابنِ حزم کا یہی حال ہے ۔

ابن عربی نے اس تعداد کو گھٹایا ۔ امام جلال الدین سیوطی (۲۱) آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی پانچ آیتوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں ۔ باقی آیتوں کے ایسے معنی بتلاتے ہیں جن سے نسخ نہیں رہتا ۔ فقیر قرآن میں کوئی آیت ، کوئی حکم منسوخ نہ ہونے کا قائل ہے ۔ چنانچہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جسے علمی اکیڈمی حیدرآباد نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا ۔ فقیر نے غلط فہمی کے اسباب بیان کرتے ہوئے ان پانچ آیتوں کو بھی نسخ کے جھگڑے سے نکال لیا جن کو شاہ صاحب بھی منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے ۔ اس طرح ان کے علمی خاندان کے ایک شخص نے ان کے مقصد کو پایہ تکمیل کو پہنچا دیا ۔

مانعینِ نسخ کے دلائلِ اجمالیہ یہ ہیں :-

۱ ۔ قدیم زمانہ میں نسخ ہر تغیر کو کہتے ہیں ۔ اب اصطلاحاً یہ معنی ہوگئے ہیں ۔ منسوخ وہ سابقہ حکم جو حالیہ ناسخ کی وجہ سے ناقابلِ عمل

ہوگیا ہو قرآن شریف ایسے احکام سے خالی ہے ۔

۲ ۔ آیتِ ہذا میں آیۃ بمعنی آثارِ قدرت کے ہے ۔ کیونکہ اس کے ساتھ او ننسھا بھی ہے ۔ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے ۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۔ قرآن شریف متواتر طریقہ سے مروی ہے ، کوئی لفظ کم ہوا ہے نہ زائد ۔ زیر ۔ زبر ۔ پیش ۔ سکون سب محفوظ ۔ مخارج و صفاتِ حروف سب محفوظ ۔ کوئی آیت بھلائی نہیں گئی ۔ جن خبرِ احاد میں ہے کہ بعض آیتیں بھلادی گئی ہیں ہرگز درست نہیں ۔ زمانہ نبوت سے اب تک حفاظ چلے آرہے ہیں ۔

۳ ۔ آیت ہذا میں لفظِ آیۃ سے مراد یہودیوں کا تنزل ہے ۔ چنانچہ اس پر سابق و لاحق دلالت کرتا ہے ۔ نیز آیت سے مراد آیت تورات و انجیل بھی ہوسکتی ہے ۔

۴ ۔ رسوم و عقائدِ جاہلیت کی اصلاح کرنا نسخ نہیں ہے ۔ معرضِ بحث میں آیتِ قرآنی کی منسوخیت ہے نہ کہ عادتِ جاہلیہ کی اصلاح
۵ ۔ استثناء و تخصیص نسخ نہیں ما کل عام الا وقد خص منہ البعض ۔ اگر ایک فرد پر بھی حکم باقی نہ رہے تو نسخ ہوگا ۔ استثناء و تخصیص میں ایسا نہیں ہوتا ۔

۶ ۔ وقتی حکم ختمِ مدت کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے نہ کہ منسوخ ہوجاتا ہے ۔

۷ ۔ کوئی حکم کسی خاص حالت و علت کی وجہ سے دیاگیا ہو تو علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم باقی نہیں رہتا اور نہ منسوخ ہوتا ہے ۔

۸ ۔ تمہید کے طور سے جو حکم دیاگیا ہو وہ اصل حکم سے منسوخ نہیں ہوتا ۔

۹ ۔ تمام انبیاء کے مذاہب وقتی تھے ۔ چنانچہ آیت و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لتؤمنن بہ و لتنصرنہ سے یہی معلوم ہوتا ہے ۔ جب تمام مذاہب وقتی تھے تو حضرتؐ کے آنے کے بعد ان کا وقت نہ رہا ۔ لہذا دیگر انبیاء کے مذاہب بھی منسوخ نہیں ہوئے ۔ بلکہ ختمِ مدت کی وجہ سے وہ احکام باقی نہیں رہے ۔ مگر اسلام نے ان میں سے جن کو جاری رکھا وہ بحیثیت حکمِ محمدی کے ہیں نہ کہ مذہب سابق کے ۔

آئندہ ہر ایک آیت جس کے نسخ کا دعویٰ لوگ کرتے ہیں اس کا جواب اس کے مقام پر دیا جائے گا ۔ او ننسھا (یا امتدادِ زمانہ سے ان آثارِ قدرت) کو بھلا دیا ۔ ہزاروں پیغمبر اور ان کے معجزے گذرے اب ان کے نام تک معلوم نہیں ۔ نات ب ہم لائیں گے ۔ منھا ان سے نات بخیر منھا ہم ان سے بہتر لائیں گے او مثلھا یا ان کا مثل ، برابر ۔ الم تعلم ۔ کیا تم نہیں جانتے ۔ ان اللّٰہ ۔ کہ بے شک اللہ ۔ علیٰ کل شیء ہر ایک شئ پر قدیر ۔ قادر ۔ قدرت والا ہے ۔

ترجمہ :۔ ہم جو کسی نشانی کو دور کرتے ہیں یا اس کو بھلادیتے ہیں تو اس کے برابر یا اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں ۔ کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

بعض حضرات کو غیرِ قرآن کے متعلق قرآن ہونے کی غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے تفسیر کے طور پر ایک جملہ کہا اور حاضرین نے اس کو آیت سمجھ لیا ۔ یا بطور یادداشت کے اپنے مصحف میں لکھ لیا ۔ مگر جب حضرتؐ نے تمام قرآن حفاظ کو یاد کروادیا ، اس کے مدرسے قائم کئے اور متفرق اجزاء میں کاتبوں سے لکھوایا اور ان راویوں نے ان جملوں کو قرآنِ شریف میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ

سمجھ لیا ۔ مثلاً مصحف ابن مسعودؓ میں "ایام متوالیات" ہے اور خود ان کی روایتِ قرآن میں "متوالیات" نہیں ہے ۔
صاحبو! اللہ تعالیٰ اپنے آثار قدرت کو دکھائے چلا جارہا ہے تم تو قوانین الٰہیہ و نوامیس طبعیہ کے عالم ہو ، اس کے حامل بنو ۔ تم خود آیات اللہ سے ہوجاؤ گے ۔ تم سے کمالات قدرت نمایاں ہونگے ۔ تم بالشت بھر چلو اللہ ہاتھ بھر چلے گا ۔ تم ہاتھ بھر چلو وہ بام بھر چلے گا ۔ تم اس کی طرف چلو وہ تمہاری طرف دوڑ کر آئے گا ۔ اللہ تمہاری مدد کا ارادہ فرمائے گا تو سب کچھ کر سکو گے ۔

۴ ۔ و اذ ابتلٰی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن ۔ قال انی جاعلک للناس اماما ۔ قال ومن ذریتی ۔ قال لا ینال عھدی الظلمین ○ (البقرہ آیت ۱۲۴)

و اذ ابتلٰی ۔ اور جب امتحان لیا ، بلا میں ڈالا ، بملا کیا ۔ ابراھیم ۔ ابراہیم کو ۔ اذکر ۔ مقدر کا ظرف ہے ۔ ربہ اس کے رب نے بکلمت چند باتوں میں ، چند احکام میں ۔ حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے ۔ ان کی استقامت میں فرق نہ آیا ۔ رضا و تسلیم میں کمی نہ ہوئی ۔ حضرت اسمٰعیل اور بی بی ہاجرہ کو جنگل میں لے جاکر چھوڑا ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے میں کوتاہی نہ کی ۔ ان کو ایسی زمین میں بسایا جہاں کی زمین بنجر تھی ۔ نہ وہاں صنعت و حرفت تھی ، نہ تجارت ۔ نماز ، زکوٰۃ ، طہارت ظاہری و باطنی ، ختنہ ، ناخن ترشوانا ، مونچھ اور بغل اور زیر ناف کے بال دور کرنا ، پانی سے استنجا کرنا وغیرہ احکام کا امتثال کیا ۔ ان سب میں پورے اترے تو ان کو سرفراز فرمایا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے بھی دعا کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے بھی ۔ حضرت اسحٰق کو اور ان کی اولاد کو ماننا اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد کو نہ ماننا اپنے پر ظلم کرنا ہے ۔

سفرِ پیدائش باب میں ہے "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا ۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا" ۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا بنی اسمٰعیل میں کون پیدا ہوا جو اس دعائے ابراہیمی کا مستحق ہو!

فاتمھن ۔ پھر ابراہیم نے ان باتوں کو پورا کیا ۔ قال کا جملہ مستانفہ ہے ۔ انی بےشک میں جاعلک بنانے والا ہوں تجھ کو ۔ للناس ۔ لوگوں کا اماما پیشوا ۔ خلیفۃ اللہ ۔ نبی ۔ رسول ۔ قال ابراہیم نے کہا ۔ ومن ذریتی ۔ اور میری اولاد سے ۔ ذریۃ ۔ نسل ۔ بروزنِ فعیلۃ ۔ ذرع ۔ (بمعنی خلق) سے مشتق ہے ۔ یا ذرء بمعنی فرق سے ماخوذ ہے کیونکہ انسان کی نسل پیدا بھی ہوتی ہے اور پھیلتی بھی ہے ۔ قال ۔ اللہ نے فرمایا ۔ لا ینال نہیں پہنچا ۔ عھدی ۔ میرا عہد ۔ الظلمین ظالموں کو ۔

ترجمہ ۔ اور (یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا ۔ پھر انہوں نے ان کو پورا کیا ۔ فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے ؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا" ۔

یہ آیت بڑی معرکۃ الآرا ہے ۔ یہاں تین لفظ ہیں جن کے معنیٰ کے تعین میں اختلاف ہوا ہے امام ۔ عہد ۔ ظالم ۔ امام ۔ کے معنیٰ پیشوا کے ہیں ۔ پیغمبر سے لے کر مرشد و استاد تک سب امام ہیں ۔ مگر کوئی غور کرکے بتائے کہ اللہ تعالیٰ کے ابراہیم کو امام بنانے کے کیا معنی ہوسکتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنیٰ نبیِ مرسل اور صاحبِ ملت کے ہیں ۔

عہد ۔ اقرار ۔ خبرگیری ۔ وصیت ۔ یہاں نبوت مراد ہے ۔

ظالم ۔ روکنے والا ۔ ظلمۃ تاریکی ۔ ظلم روکنا ۔ بےجا بے محل کام کرنا ۔ مستحق کو حق نہ دینا ۔ کفر ۔ گناہ ۔

اب اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ "میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا" ۔ سے مراد کیا ہے ؟ اس سے کیا مسائل استنباط کئے جاتے ہیں ۔

اور کیا مسائل غلط طور پر کہے گئے ہیں ؟ میں گنہگار کو پیغمبری نہیں دیتا ۔ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں ۔ کیونکہ اگر پیغمبر معصوم نہ ہو اس کے قول و فعل میں موافقت نہ ہو تو کوئی شخص پیغمبر کا اعتبار نہ کرے گا ۔ جب اعتبار نہ رہے گا تو تعلیم کیونکر قبول کی جائے گی ۔

اس کے بعد بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر قبلِ پیغمبری گناہ ہائے کبیرہ اور ادنیٰ درجہ کے اور رذیل کاموں سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ رذیل کاموں سے آدمی بے اعتبار ہوجاتا ہے ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصمت کی ضرورت پیغمبری کی وجہ سے ہے ۔ پیغمبر راست گو ہوتا ہے ۔ اس کا چال چلن اچھا ہوتا ہے ۔ قبلِ پیغمبری کے احوال کو بعدِ پیغمبری کے زمانے سے کوئی تعلق نہیں ۔ جوانی کے زمانہ کے ماحول الگ ہوتے ہیں ۔ اور کودکی کے زمانہ کی حالت جدا ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر زمانہ پیغمبری و قبلِ زمانہ پیغمبری دونوں میں کبیرہ و صغیرہ اور جمیع صفاتِ رذیلہ سے پاک ہوتا ہے

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

اللہ کسی کی قابلیت ہی دیکھ کر رسالت عطا فرماتا ہے ۔ یہی مذہب حق ہے ۔ پیغمبر کی ادنیٰ سے ادنیٰ حالت سے اولیاء کی اعلیٰ سے اعلیٰ حالت مقابلہ نہیں کرسکتی ۔ کیونکہ تمام اولیاء کے کمالات نبی کے کمالات کے تابع ہوتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : نعم العبد صھیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ صہیب کیا اچھا آدمی ہے اگر اس کو خوفِ خدا نہ بھی ہوتا تو یہ گناہ نہ کرتا ۔ یعنی صہیب کا مرتکبِ عصیان نہ ہونا دائمی ہے ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدمِ عصیان کیونکر نہ ہوگا ۔ پس ذاتِ رسول کو عصمت لازم ہے ۔

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ ترکِ اولیٰ پر باز پرس فرماتا ہے ۔ اگر خطائے اجتہادی ہو تو اس پر باقی رہنے نہیں دیتا فوراً متنبہ فرماتا ہے حسنات الابرار سیات المقربین ۔ ع نزدیکاں رابیش بود حیرانی ۔ آدم علیہ السلام کہتے ہیں ۔ ربنا ظلمنا انفسنا یونس علیہ السلام کہتے ہیں ۔ انی کنت من الظالمین ۔

کیا فرق ہے عصمت و حفاظت میں ؟

عصمت رسول کی ہوتی ہے ۔ تبلیغ میں امت پر حجت قائم کرنا ہے ۔ لہذا رسول کو گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے ۔ حفاظت بعض اعلیٰ درجہ کے اولیاء کی کی جاتی ہے ۔ چونکہ ولی صاحبِ وحی نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ تابعِ نبی ہوتا ہے ۔ لہذا ولی کو عصمت کی ضرورت نہیں بلکہ نبی کی عصمت کافی ہے ۔ گو وہ ولی فضلِ خدا کی وجہ سے گناہوں سے محفوظ ہی رہے ۔

بعض اہلِ بدع ائمہ کے لئے عصمت مانتے ہیں اور دوسرے ائمہ کو نامناسب الفاظ سے یاد کرتے ہیں ۔ بظاہر حبِ اہلِ بیت کے مدعی ہیں مگر حقیقتاً اکثر اہلِ بیت کے دشمن ہیں ۔ اور اہلِ بیت کی تکفیر سے خود مستحقِ تکفیر ہوتے ہیں ۔

ہماری اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ آیت انبیاء سے متعلق ہے نہ کہ اولیا و سلاطین سے ۔

۵ ۔ انما حرم علیکم المیتۃ و الدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ ○ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم ○ (البقرۃ آیت ۱۷۳)

انما ۔ اس کے سوا نہیں ، جزایں نیست ، صرف ، ہی ۔ یہ کلمہ حصر کے لئے آتا ہے ۔ جس کو قصر اور تخصیص بھی کہتے ہیں ۔ یعنی

فلاں شئے فلاں شئے سے خاص ہے ۔ اس سے تجاوز کر کے اس کے غیر تک نہیں پہنچتی ۔ مثلاً الحمد للہ حمد بالذات اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے اسی پر ختم ہے ۔ اس سے خاص ہے ۔

حصر کی دو قسمیں ہیں ۔ حصرِ حقیقی ۔ حصرِ اضافی ۔ حصرِ حقیقی میں منحصر کسی تک نہیں پہنچتا ۔ یہاں حصرِ اضافی مراد ہے ۔ یعنی بعض اشیاء میں ان کے علاوہ ذیل کی چیزیں بھی حرام ہیں ۔ مثلاً درندے ، مردار خور ، حشرات ، شراب وغیرہ ۔ حرم علیکم اللہ نے تم پر حرام کیا ۔ المیتۃ مردار ، جو جانور موتِ طبعی سے مرا ہو ، میت کو تشدید لگی ہے میت اصل میں میوت تھا ۔ واو کو یا بنا کر ادغام کیا گیا تو میت ہوا ۔ میت کو کبھی تخفیفاً میت بھی کہتے ہیں ۔ جب تک جسم و روح میں مناسبت رہتی ہے طبعی موت نہیں آتی ۔ بخلاف مذبوح کے کہ اس کا جسم اول سے خراب نہیں ہوتا ۔ ذبح سے خون نکلتا ہے اور گوشت کی حرارت اعتدال پر آجاتی ہے ۔ والدم اور خون ۔ عرب لوگ خون کو جما کر توے پر بھون کر کھاتے تھے ۔ ولحم الخنزیر ۔ اور سور کا گوشت ۔ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے صفات کھانے والے میں آتے ہیں ۔ سور بڑا بے حیا جانور ہے اور اس کے کھانے والے بڑے بے حیا انسان ہوتے ہیں ۔ وما اھل بہ لغیر اللّٰہ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کا جھٹکا کیا گیا ہو ۔ یعنی شور و پکارے کے ساتھ مارا گیا ہو ۔ فمن اضطر ۔ پھر مضطر ہو ، مجبور و ناچار ہو ، تین دن سے بھوکا ہو ۔ غیر باغ خود طالب نہ ہو ۔ یعنی بغی ۔ یبغی ۔ بغیا ۔ چاہنا ۔ ولا عاد قوت لایموت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو ۔ ضرورت سے زیادہ نہ کھائے ۔ فلا اثم علیہ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ ان اللّٰہ غفور رحیم بے شک اللہ غفور رحیم ہے ۔ خطا پوش اور مہربان ہے

ترجمہ : صرف اللہ نے تم پر مردار ، خون اور سور کے گوشت کو اور اس کو جو غیر اللہ کے نام کا جھٹکا کیا گیا ہو حرام کیا ہے ۔ پھر جو مجبور و ناچار ہو ، خود طالب نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے " ۔

(اسی آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضرت نے ان لوگوں کے دعوے کی تحقیق فرمائی ہے جو گوشت خوری کو انسان کے لئے غیر طبعی سمجھتے ہیں ۔ اس کے بعد آگے لکھتے ہیں ۔ للمرتب)

اہلِ کتاب کا کھانا ان ہی شرائط سے جائز ہو سکتا ہے جو اسلام میں لگائے گئے ہیں نہ کہ اہلِ کتاب مردار کھاتے ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ کھانے لگو ۔ وہ خنزیر خور ہیں تو تم بھی خنزیر خور بن چلو ۔ ذرا خدا سے ڈرو اور احکامِ الٰہی سے منہ نہ پھیرو ۔ سنو : حرمت علیکم المیتۃ ۔ تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار ۔ والدم اور خون ولحم الخنزیر ۔ اور سور کا گوشت ۔ وما اھل لغیر اللّٰہ بہ ۔ اور جو غیر اللہ کے نام پر جھٹکا کیا گیا ہو ۔ والمنخنقۃ اور گلا گھونٹا ہوا ۔ والموقوذۃ ۔ اور لٹھ سے مارا ہوا ۔ والمتردیۃ اور اوپر سے گر کر مرا ہوا ۔ والنطیحۃ اور سینگ مارا ہوا ۔ وما اکل السبع الا ما ذکیتم اور جس کو درندے نے کھایا ہو مگر تم نے اس کو زندہ پایا ہو اور ذبح کیا ہو یعنی نامِ خدا سے پاک کیا ہو ۔ وما ذبح علی النصب ۔ اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ۔ ایک دوسری جگہ ہے ۔ ولا تاکلوا ۔ اور نہ کھاؤ مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ ۔ اس جانور سے جس پر نامِ خدا نہ لیا گیا ہو ۔ وانہ لفسق ۔ یہ البتہ بدمعاشی ، شرارت ہے ۔

آؤ اب اس مذہب پر پھر غور کریں جو کسی کی طرف نسبت کو اھل بہ لغیر اللّٰہ سمجھتے ہیں ۔ پہلے اس لفظ کی تحقیق کر لیں اہلال آواز بلند کرنا ھلال پہلی رات کا چاند ۔ چاند کو دیکھ کر لوگ چاند چاند کہہ کر شور اٹھاتے ہیں مھل احرام کے وقت آواز سے لبیک کہنے والا ۔ استھل الصبی بچہ پیدا ہوتے ہی چیخا ۔ اھل عند الذبح یعنی جھٹکے کے وقت بت کا نام لے کر جے جے کا شور پکارا گیا ۔ ضحاک ، مجاہد

اور قتادہؓ ما اهل به لغير الله کے یہی معنیٰ لیتے ہیں ۔ بیضاوی اور دیگر تفاسیر میں عند الذبح کی قید ہے ۔ قرآن شریف میں اگر ایک جگہ ما اهل به لغير الله ہے تو دوسری جگہ ما ذبح على النصب بھی ہے ما اهل کی تفسیر ما ذبح ہے ۔ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہوتی ہے ۔ مسلمانوں کی تکفیر کی خوشی میں کوئی صحیح بات ذہن میں نہیں آتی ۔ فی قلوبهم مرض۔على ابصارهم غشاوة ۔ اگر ننانوے صورتیں کفر و شرک کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی تو اسی پر محمول کرنا چاہئیے ۔ مسلمانوں کو کافر کہنا اس کے قتل کے برابر ہے ۔ سعدؓ بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوگیا انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے صدقہ جاریہ پوچھا ۔ حضرت نے کنواں بتلایا کنواں کھدوایا گیا اور اس پر پکارا گیا ۔ هذه لام سعد یہ ام سعدؓ کا کنواں ہے ۔ یعنی اس کا ثواب ام سعد کو ملتا رہے (ابوداؤد ، نسائی)

حضرت کے صحابہ اس کنویں سے پانی پیتے تھے ۔ یہ حضرات ہوتے تو ما اهل به لغير الله سمجھ کر ہرگز نہ پیتے ۔ قربانی سے پہلے حضرتؐ فرماتے اللهم هٰذا من محمد و امته اور اللهم هٰذا ممن شهدلی بالبلاغ کیا قربانی کا گوشت بھی ما اهل به لغير الله میں داخل ہے ؟ آپ تو فرماتے ہیں آدمی کا نام لینے سے اتنی نجاست سرایت کر جاتی ہے کہ تمہارے خدا کا نام بھی اس کو پاک نہیں کرسکتا ۔ مگر ہمارے خدا کا نام تو وہ ہے کہ کلمہ پڑھتے ہی کافر مسلمان ۔ ناپاک پاک ہوجاتا ہے ۔ انما المشركون نجس ۔ مشرکین نرے ناپاک ہیں

ایک صاحب فرماتے ہیں کل نذر و نیاز جو خدا کے سوائے دوسرے کے نام پر کی جائے حرام ہے ۔ وہیں یہ بھی فرماتے ہیں ، مشرکینِ عرب سانڈ وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے تو خدا نے فرمایا کہ یہ شیطانی اغواء ہے ۔ اور یہ لوگ اندھوں کی طرح اپنے بڑوں کے ڈھرے پر چلتے جاتے ہیں ۔ ورنہ خدا نے مرے ہوئے جانور اور خون وغیرہ کے سوا (جن کی صراحت آگے آرہی ہے) اور کچھ حرام نہیں کیا ۔ غالباً حبِ مال اور بخلِ طبعی ، فاتحہ و نذر و نیاز وایصال ثواب سے روکتا ہے کیونکہ یہی حضرات نہ فاتحہ نہ درود والے جب بارھویں ، گیارھویں کی فاتحاؤں میں آتے ہیں تو بڑے مزے سے پلاؤ اور مزعفر اڑاتے ہیں ۔ نہ پانی کے لئے جگہ چھوڑتے ہیں نہ سانس کے لئے ۔ معدہ چیختا ہے کہ بس بس للہ رحم ۔ اور آپ ہیں کہ ٹھونسے چلے جاتے ہیں ۔ کیا کریں گے ؟ پیشِ نظر قبولِ سنت ہے یعنی قبولِ ضیافت ۔

ان بے روح موحدوں کو اگر وہ فوارہ تکفیر بنتے ہوں تو بننے دو ع

از دمی خیز د بروی ریزد :

سنو اسناد دو قسم کے ہوتے ہیں

۱۔ اسنادِ حقیقی :۔ مستحق کی طرف نسبت کرنا جیسے خلق الله الطير خدا نے پرندہ کو پیدا کیا ۔

۲ ۔ اسنادِ مجازی ۔ کسی متعلق کی طرف نسبت کرنا جیسے یا هامٰن ابن لی صرحا ۔ فرعون اپنے وزیر ہامان سے کہتا ہے ۔ اے ہامان میرے لئے گھر بنا ۔ ظاہر ہے کہ معمار گھر بنائیں گے ۔ مگر چونکہ ہامان حکم دینے والا اور انتظام کرنے والا ہے لہذا گھر بنانے کی نسبت ہامان کی طرف کی گئی ۔

مجاز کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے ۔

قرینہ کبھی لفظی ہوتا ہے جیسے تحی الموتٰى باذن الله تم بہ حکم خدا مردوں کو زندہ کرتے ہو ۔ و اذ تخلق من الطين كهيئة الطير باذنی فتنفخ فيها فتكون طيرا باذن الله ۔ اور جب تم کیچڑ سے پرندے کی شکل کا پتلا بناتے ہو پھر اس میں پھونکتے ہو ، پھر وہ بحکم خدا پرندہ بن جاتا ہے ۔ دیکھو یہاں باذن الله قرینہ مجاز ہے ۔

عبداللہ

کبھی قرینہ معنوی ہوتا ہے مثلاً متکلم کا خدا پرست ہونا ۔ لاھب لک غلاما زکیا " تا کہ میں تم کو پاک لڑکا دوں ۔ اس میں کیا شک ہے کہ جبرئیل علیہ السلام خدا پرست ہیں ۔ ان کا میں تم کو بیٹا دوں کہنا مجاز ہے ۔ شرک نہیں ۔ یہ فرشتوں کے استاد بھائی ۔ شاید ان کو بھی مشرک کہنے کی جرات کر بیٹھیں ۔

مسلمان لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ پر ایمان رکھتا ہے ۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللّٰہ کا معتقد ہوتا ہے ۔ بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر کا قائل ہوتا ہے ۔ بھلا وہ کیوں کر شرک کرے گا ۔ انبت الربیع البقل بہار نے سبزی اگائی کو دہری کہے تو حقیقت ہے کیونکہ مجاز کے لئے کوئی قرینہ نہیں ۔ مسلمان کہے تو مجاز ہے اس کا اسلام قرینہ معنوی ہے ۔ مجاز کو نہ سمجھنا مسلمان کو مشرک کہنا فقد باء احدھما کا مستحق ہے ۔ خدا ایسی جرات سے بچائے ۔ اپنے دل سے احکام بنانا تشریع فی الدین ہے ۔ بعض کلام پر سکوت بہتر ہے ۔ جہلِ مرکب سے جہلِ بسیط اسلم رہتا ہے ۔

ان بے روحوں کو یا وہ سرائی فرماتے رہنے دو ۔ ایصالِ ثواب حق ہے ۔ دوسروں کے لئے دعا ثابت ہے ۔ درودِ شریف بھی دعا ہی ہے ۔ •

سنو ! عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کا ناگہانی طور سے انتقال ہوگیا میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ بات کر سکتی تو خیرات دیتی ۔ کیا ان کو اجر ملے گا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہاں " (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ پھر عرض کیا ۔ میری بہن نے نذر کی تھی کہ وہ حج کرے گی ۔ اب وہ مرگئی ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے ؟ اس شخص نے عرض کیا ۔ جی ہاں ۔ حضرتؐ نے فرمایا " خدا کا قرض ادا کرو ۔ وہ زیادہ مستحقِ ادا ہے (متفق علیہ)

بریدہؓ سے روایت ہے ۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا ۔ دفعۃً ایک عورت آئی پھر اس نے عرض کیا یارسول اللہ ۔ میں نے اپنی ماں کو صدقہ یعنی ثواب کے لئے ایک لونڈی دی تھی ۔ ان کا انتقال ہوگیا ہے ۔ حضرت نے فرمایا تمہارا اجر واجب ہوگیا ۔ اور میراث نے لونڈی کو تم پر واپس کردیا ۔ اس عورت نے عرض کیا ۔ یارسول اللہ ان پر ایک مہینے کے روزے واجب تھے ۔ کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں ؟ فرمایا " ان کی طرف سے روزے رکھو ۔ اس عورت نے عرض کیا ۔ انہوں نے کبھی حج نہیں کیا تھا ۔ فرمایا " ان کی طرف سے حج کرو ۔ (مسلم)

• یہ لوگ ایصالِ ثواب کے محض اس لئے قائل نہیں کہ ایصالِ ثواب کو حق ماننے سے حیات بعد الموت کی طرف راہ نکلتی ہے ۔ اور فاتحہ سے روکنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مردہ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا ۔ یہ لوگ بزرگانِ دین کو مردہ ثابت کرنے سے زیادہ حیات النبی کی مخالفت میں اس طرح کی پیش بندی کرتے ہیں ۔ اگر ایصالِ ثواب کو تسلیم کرلیا جائے تو نتیجۃً حیات النبی کو ماننا پڑتا ہے حیات النبی کو مان لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بعدِ وصال دیکھنا ، سننا توجہ فرمانا ۔ مدد کرنا حیات النبی کے لوازمات میں شمار ہوں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ یارسول اللہ پکارنے کو شرک کفر نہ معلوم کیا کیا قرار دیتے ہیں ۔ نبوت کی جہت چونکہ الی اللہ ہے وہ باقی ہے بندوں سے متعلق نہیں ۔

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔

ایصالِ ثواب درست بھی ہو تو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا کیا ثبوت ہے ؟ سامنے کھانا رکھنا تعین کے لئے ہے ۔ اور فاتحہ پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہے کل امر ذی بال لم یبدء ابحمد اللّٰہ فھوابتر ۔ یعنی ہراہم امر جو الحمد للہ سے شروع نہ ہو وہ ابتر ہے بے خیر ہے ۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی درست ہو تو ایک ہی قسم کا کھانا بار بار پکانے کے کیا معنیٰ ؟

ظاہر ہے کہ خیر الامور ادومھا بہترین کام وہ ہیں جن میں ہمیشگی ہو ، تکرار ہو مداومت ہو ۔

یارسول اللہ یا غوث پکارنا بھی کیا ناجائز نہیں ، شرک نہیں ؟

ترمذی ، نسائی ، طبرانی ، ابن خزیمہ ، حاکم سے بیہقی نے یہ دعا روایت کی ہے

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بحبیبک المصطفےٰ عندک یاحبیبنا یا محمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنا عند المولی العظیم یانعم الرسول الطاھر اللھم شفعہ فینا بجاھہ عندک ۔

ترجمہ : یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ، مانگتا ہوں تیرے برگزیدہ حبیبؐ کے وسیلہ سے جو تیرے پاس برگزیدہ ہیں ۔ اے ہمارے حبیب ، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، ہم آپ کا وسیلہ لے کر اللہ سے مانگتے ہیں خدائے بزرگ و برتر کے پاس آپ ہماری سفارش کیجئے ۔ شفاعت کیجئے اے خدا کے پاک رسول ، یا اللہ ، رسول خدا کی سفارش قبول کر ۔ ہمارے حق میں اس آبرو و عزت کی وجہ سے جو تیرے پاس ان کی ہے ۔

دیکھو اس دعا میں یا محمد کی ندا ہے ۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی اس دعا کو صحابہ نے خود پڑھا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی ۔

دیکھو التحیات میں السلام علیک ایھا النبی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جاتا ہے پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ

بسلسلہ گذشتہ

رسالت کی جہت الی الخلق ہے ۔ وہ دنیا کی زندگی کی حد تک رہتی ہے ۔ صحابہ نے یارسول اللہ کہا درست کہا کیونکہ سرکار تشریف فرما تھے ۔ اب جب کہ وصال فرمایا ہے تو جہت الی الخلق کا کام ختم ہوجانے کی وجہ سے اب یارسول اللہ پکارنا بے فائدہ ہے جب سنتے ہی نہیں تو پکار کر کیا حاصل اگر یہ فلسفہ ہے تو لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا ترجمہ کرتے وقت ان کو اپنے خیال کے مطابق محمد اللہ کے رسول تھے ترجمہ کرنا چاہئیے ۔ محمد اللہ کے رسول تھے کہنے سے ایمان چلا جاتا ہے ۔ ایمان کی سلامتی کے لئے محمد اللہ کے رسول ہیں کہے بغیر چارہ نہیں ۔ رسول ہیں کا اقرار حیات النبی کا اقرار ہے ۔ ایسے اقرار سے ان تمام قرآنی آیتوں کو جو رسول اللہ کی شان میں اتری ہیں مطلق ماننا پڑتا ہے ۔ مگر یہ لوگ اپنے مسلک کے مطابق ان کو حضورؐ کی دنیاوی زندگی تک محدود سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ حضور کو مردہ سمجھتے ہیں ، حالانکہ یہ خود زندہ رہ کر بھی مردہ ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ معراج جسمانی کے قائل نہیں ۔ معراجِ جسمانی کے قائل ہونے سے انتہا درجہ قربِ خداوندی کی بدولت حضورؐ کے سارے صفات کو عام انسانوں کے صفات سے ممتاز ماننا پڑتا ہے جس کے لئے یہ لوگ تیار نہیں ۔ بہت سارے معجزات کے انکار کا باعث بھی انما انا بشر مثلکم ۔ کا عقیدہ ہے ۔

عبداللہ

لفظ کے ساتھ معنیٰ اور معنیٰ کے ساتھ مصداق ذہن میں آجاتا ہے پس صراط الذین انعمت علیھم کہتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا تصور ذہن میں آجاتا جو اس کے فردِ اعلیٰ اور بہترین مصداق ہیں ۔ ایک طبعی بات ہے ۔

او مدعیانِ توحید! تم یا رسول اللہ پکارنے کو اور حضرتؐ کے اس کا علم رکھنے کو کفر اور شرک اور کیا کیا سمجھتے ہو ۔ سنو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے ۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ۔ ضرور ہم نے تم کو شاہد، گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ۔ شاہد دیکھتا ہے ۔ لہذا حضرت ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں ۔ دیکھو سنی سنائی شہادت درست نہیں ۔ جب اصل شاہد حاضر ہو تو فروع کی شہادت صحیح نہیں ۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم ۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں دشوار گذرتی ہیں ۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں ۔ ہمارے تکلیفات ان پر کیونکر شاق گذریں گے ۔

حضرت غوث الاعظمؒ حدیث روایت کرتے ہیں ۔ لا یشاک احدکم بشوکۃ الا واجد المھا ۔ یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں ۔ بعض احادیث میں ہے ۔ انا من نور اللّٰہ و کل شیء من نوری ۔ یعنی میں اللہ کے نور (یعنی وجود) سے ہوں اور ہر شئے میرے نور (یعنی وجود) سے ہے ۔ انما انا قاسم واللّٰہ یعطی ۔ یعنی اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں ۔ ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ملتا ہے ۔

ابن سنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں ۔ عبداللہ بن عمر کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں ۔ یعنی پیر سن ہوگئے تھے ۔ ان سے کسی نے کہا، آپ محبوب ترین شخص کو پکارئے انہوں نے "یا محمداہ" پکارا اور کھڑے ہو کر چلنے لگے ۔ یہی حال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سراجِ منیر یعنی روشن چراغ کہا ہے ۔ انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ۔ و داعیا الی اللّٰہ باذنہ و سراجا منیرا ۔ حضورؐ کے تعلق سے اس آیت میں شاھدا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ شاھدا اسم فاعل نہ صرف خدا کا دیکھنے والا بلکہ آیت کے سیاق سے امت کے ہر فرد کے عمل پر گواہ اور ہر ہر عمل پر گواہ کے معنی رکھتا ہے اور یقیناً قرآن کی بلاغت اس کی متقاضی ہے ۔ ایک دوسری جگہ ارشاد باری ہے ۔ وجئنابک علیٰ ھٰؤلآء شھیدا ۔ یعنی اور لائیں گے ہم آپ کو تمام امتوں پر گواہ بنا کر ۔ شہید صفت مشبہ ہے جو بیک وقت مستقل پائدار صفتِ شہود اور اسمِ فاعل کا فائدہ دیتی ہے ۔ امتوں پر ان کی آفرینش سے دائماً اور مستقل گواہی پر دلالت کرتی ہے اور یہاں بھی قرآن کی بلاغت اسی کی متقاضی تھی ۔ اور اس آیت کے معنیٰ ہوئے امتوں کے ہر ہر فرد کے ہر ہر عمل پر دواماً گواہ ۔ خواہ نبی ہو کہ غیر نبی اور اس سے حضور اکرمؐ کی زبردست شخصیت اور حضورؐ کی گواہی کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے ۔ حضورؐ نے خود بھی اپنے تعلق سے فرمایا ۔ اوتیت علم الاولین والاخرین ۔ یعنی مجھے اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے ۔ خود اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتا ہے :۔ و علمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما یعنی ہم نے آپ کو وہ علم دیا جو کہ آپ جانتے نہ تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے ۔ مالم تکن تعلم میں ما عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی سب کچھ تمام و کمال وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم تفضیل پر مزید توثیق اور بے انتہا فضل کی علامت ہے جس کی کوئی حد نہیں ۔

عبداللہ ابن عمرو بن العاص کا ہوا - انہوں نے - یا محمد - کا نعرہ مارا اور ایسے ہوگئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو۔

کنز العمال، مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے فقال عمیر السلام علیک یا رسول اللّٰہ۔ السلام علیک یا ابابکر ماذا لقیت بعد کما۔

یا رسول اللہ آپ پر سلام یا ابابکر آپ پر سلام میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔

حصن حصین میں حضرتؓ سے مروی ہے - آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارے اعینونی یا عباد اللّٰہ اے بندگان خدا تم میری مدد کرو۔

ہم کو اللہ کا حبیب احب الناس ہے۔ ہم پکارتے ہیں یا محمداہ ہم راہ گم گشتہ ہیں - اعینونی یا عباد اللّٰہ۔ یا غوثؒ۔ یاخواجہ یا نقشبند یا بدوی۔ یا شاذلی ہماری مدد کرو۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ منبر پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے، اس پر ہاتھ رکھتے تھے اور اپنے منہ پر پھیر لیتے۔

یہ بدانگام موحد انما انا بشر مثلکم (میں تمہاری طرح بشر ہوں) کو لئے پھرتے ہیں اور اسی کے ساتھ یوحیٰ الی ہے مجھے وحی ہوتی ہے (خدا کا پیغمبر ہوں) اس پر ذرا بھی توجہ نہیں کرتے۔ ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے۔ دو چیزوں میں مشترک چیز ہوتی ہے۔ ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیا گدھے میں اور تم میں، جوہریت، جسمیت، نمو، احساس، حیات مشترک نہیں۔ مگر تمہارا امتیاز و تفوق تو عقل و فہم سے ہے۔ یا جیسے ابو جہل اور تم میں انسانیت مشترک اور اسلام مابہ الامتیاز ہے۔ اسی طرح تمہارے میں اور رسولِ خدا میں مابہ الاشتراک انسانیت اور مابہ الامتیاز وحیِ الٰہی ہے۔ معلوم ہے؟ اس مابہ الاشتراک کو کون بیان کرتے تھے۔ ابو جہل اور دوسرے کفار۔ ما لھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ (اس رسول میں کیا ہے کھانا کھاتا ہے (یعنی ہماری طرح) اور بازاروں میں پھرتا ہے (یعنی ہمارے مثل) اور مابہ الامتیاز پر کن کی توجہ اور نظر تھی۔ صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ ذی النورینؓ مظہر العجائبؓ کی کیا انھوں نے انا بشر مثلکم کہا۔ یا کنت عبدہ و خادمہ اور ویحک انا عبد من عبید محمد۔ ترجمہ: میں تمہاری طرح آدمی ہوں کہا۔ یا "میں ان کا بندہ تھا، خادم تھا" اور "تجھ پر افسوس ہے! میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں" ان کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں"۔ یہ بھی سنا ہے۔ لست کھیئتکم ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ یا نسآء النبی لستن کاحد من النسآء۔ اے پیغمبر کی بی بیو تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ لا تجعلوا دعاء الرسول کدعاء بعضکم بعضا۔ پیغمبر کو ایسا نہ بلاؤ جیسا تمہارے میں کا بعض بعض کو پکارتا ہے۔ بادشاہ مہربانی سے کہہ دے کہ تم میرے بھائی ہو، کیا تم بھی بادشاہ کو بھائی صاحب کہہ کر پکارو گے۔ بےادب بے نصیب۔ دیکھو اللہ کے حبیب سے بے ادبی دین کا رکھے گی نہ دنیا کا۔ خسر الدنیا والآخرۃ ذالک ھو الخسران المبین ۝ دنیا بھی ہاتھ سے گئی اور آخرت بھی۔ یہ تو کھلا نقصان ہے"۔

ھو الذی انزل علیک الکتب منه ایت محکمت ھن ام الکتب و اخر متشبھت۔ فاما الذین فی قلوبھم

زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغآء تاویلہ و مایعلم تاویلہ الا اللہ (وقف لازم) والرسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا ۔ ومایذکر الا اولوا الالباب ○ (آل عمران آیت ۷)

آیت کے ہر لفظ کے جدا جدا معنیٰ بیان کرنے کے بعد ترجمہ فرماتے ہیں (للمرتب)

ترجمہ : وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب اتاری ۔ اس میں محکم آیتیں ہیں ۔ جو کتاب اللہ کی اصل ہیں ۔ اور دوسری آیتیں جن کے کئی کئی ملتے جلتے معنیٰ ہیں ۔ پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ۔ (انھیں کو لئے لئے پھرتے ہیں) فتنہ پیدا کرنے اور من مانے معنے پیدا کرنے کے لئے اس کے معنیٰ مراد مقصود کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا ۔ اللہ جانتا ہے اور علم میں ثابت قدم لوگ (وہ) کہتے ہیں ہم کو اس کا یقین ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے ۔ اور ان سب باتوں کو عقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں ۔

واضح ہو کہ قرآن شریف میں بعض آیتیں ایسی ہیں جو انسانی صفات پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ کے لئے استعمال کی گئی ہیں ۔

۱ - ید اللہ فوق ایدیھم	(سورہ فتح آیت ۱۰)
۲ - ثم استویٰ علی العرش	(سورہ اعراف آیت ۵۴)
۳ - الرحمٰن علی العرش استویٰ	(سورہ طٰہٰ آیت ۵)
۴ - اللہ یستھزی بھم	(سورہ بقرہ آیت ۱۵)
۵ - وغضب اللہ علیھم	(سورہ فتح آیت ۶)
۶ - ومکروا ومکر اللہ	(سورہ آل عمران آیت ۱۴)

بعض علماء تو اتنا کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ ان آیتوں کا مقصد و مراد صرف اللہ جانتا ہے ۔ ہمارا کام صرف امنا بمراد اللہ ۔ یعنی ہم اللہ کے معنیٰ و مقصود پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اور دوسرے حضرات محاورات عرب پر غور کرتے ہیں ۔ اور ان کے مطابق معنیٰ و مراد لیتے ہیں ۔ مثلاً

آیت نمبر (۱) کے وہ معنے لیتے ہیں کہ خلیفہ کا فعل اصل شخص کی طرف نسبت کیا جاتا ہے ۔ جب کہ اسی نے حکم دیا ہے ۔ لہٰذا ید اللہ فوق ایدیھم کے معنیٰ ہیں ۔ پیغمبر کا ہاتھ تمام بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر ہے " ۔

آیت نمبر (۲) سے ان کی مراد ہے کہ خدا کی حکومت قائم ہوگئی ۔ دیکھو ! لوگ کہتے ہیں ۔ بادشاہ تخت نشین ہوگیا یعنی اس کی حکومت قائم ہوگئی ۔ صدر انجمن کی کرسی نشینی ہوئی ۔ یعنی اس کی حکومت قائم ہوگئی ۔

آیت نمبر (۳) کے معنے ہیں - خدا کی رحمت اس کی حکومت سے ظاہر ہے " ۔

آیت نمبر (۴) کے معنے ہوں گے ۔ اللہ ان کے استہزا اڑانے کی سزا دے گا ۔ کیونکہ اس سے قبل انما نحن مستھزء ون ہے ۔ یعنی ہم مسلمانوں کو بناتے ہیں ان سے ٹھٹا کرتے ہیں ۔ لہٰذا اللہ ان کے اس ٹھٹا کرنے کی سزا دے گا ۔

آیت نمبر (۵) کے معنی یہ ہیں ۔ اللہ ان پر غضبناک ہے ۔ غضب اصل میں خونِ دل کا بغرضِ انتقام جوش کرنا ہے اور یہاں انتقام مراد ہے کیونکہ وہ غضب کا انجام ہے ۔

اور آیت نمبر (۶) کے معنی اس طرح ہوں گے ۔ ان منافقین نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے اس مکر کی سزا دی "۔

دیکھو ! ہم رات دن کہتے ہیں ۔ ندی بہہ رہی ہے اور اس سے مراد لے رہے ہیں کہ ندی کا پانی بہہ رہا ہے ۔ ایک شخص نے قسم کھائی کہ تمہارے گھر میں قدم نہ رکھوں گا ۔ پھر اگر وہ گھر کے باہر بیٹھ کر اپنا قدم دروازے کے اندر رکھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی ۔ کیونکہ گھر میں پاؤں رکھنے سے مراد گھر میں داخل ہونا ہے ۔ کہتے ہیں اس نے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں ۔ یعنی اس کی پوریں یا اس نے سننا نہ چاہا۔

ہمارے پاس عالم کے مختلف درجے ہیں ۔ عالمِ ارواح ۔ عالمِ مثال ۔ عالمِ شہادت ۔

عالمِ مثال میں جس چیز کی صورت نہیں ہے ، وہ بھی صورت لے کر نظر آتی ہے ۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دودھ پی رہے ہیں ۔ اور اس کا بقیہ حصہ حضرت عمر کو دیا اور اس کی تاویل یہ فرمائی کہ علم دودھ کی شکل میں نمودار ہوا ۔ تعبیرِ خواب کا دارومدار انہیں مثالی صورتوں پر ہے ۔ ہمارے پاس تو ایک حقیقت ہے ۔ ایک عینِ ثابتہ ہے عالمِ ارواح میں صفاتِ کلیہ کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے ۔ اور عالمِ شہادت میں صورت شکل لیتا ہے ۔ اور عالمِ شہادت میں وزن اور زمانہ بھی اس کو لاحق ہوتا ہے ۔ غرض کہ دودھ کی صورت لینے سے اس کی (علم کی) بے صورتی پر کوئی اثر نہیں آتا ۔ تاویل کے اصول ان میں سے بعض کا بعض سے قوی ہونا اور قوی کے رہتے ضعیف صورت کو اختیار کرنا چاہیئے ۔ اس کا تھوڑا سا بیان ہم نے " معیار الکلام ، اور حکمتِ اسلامیہ " میں کیا ہے ۔

یا یھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و ابتغوا الیہ الو سیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ○

(المائدہ آیت ۳۵)

یا یھا الذین امنوا ۔ اے ایمان والو ۔ اتقوا اللّٰہ تقویٰ اختیار کرو ، خدا سے ڈرو ، ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جن سے تمہاری تباہی ہو ۔ وابتغوا ۔ اور ڈھونڈو ، تلاش کرو ۔ چاہو ۔ الیہ الو سیلۃ اس کی طرف وسیلہ ، ذریعہ ۔ وجاھدوا ۔ اور جدوجہد کرو ، جہاد کرو ، اپنی جان لڑادو ۔ انتہائی کوشش کرو ۔ فی سبیلہ ۔ راہِ خدا میں ۔ لعلکم شاید کہ تم ، امید ہے کہ تم ۔ تفلحون فلاح پاؤ ، کامیاب ہوجاؤ ۔ مقاصد کا دروازہ تمہارے سامنے کھل جائے ۔

ترجمہ : اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو ۔ خدا سے ملنے کے ذریعے ڈھونڈو ، اور راہِ خدا میں جدوجہد کرو ۔ ایسا کرو گے تو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ ۔

صاحبو ! اس آیتِ شریفہ پر غور کرو ، اس میں پہلے حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو ۔ جتنے باطل نقوش لوحِ دل پر ہیں مٹادو ۔ محرمات دمکروہات سے بچو ۔ خواہشاتِ نفسانی کے دیوتاؤں کو دل کے مندر سے نکالو ۔ ممنوعات سے احتراز کرو ۔ چوری ۔ رشوت خوری ۔ سود خوری ، ریاکاری ۔ تکبّر اور خود پسندی سے بچو ۔ جب تک بری باتوں سے آئینہ دل صاف نہ ہوگا مقصود کی صورت ہرگز نظر نہ آئے گی۔

روئے حبیب آئے نظر کس طرح کہو
شیرازہ خیال پریشاں کئے ہوئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اس سے ملنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈو ۔ تمام نیک کام اللہ سے ملنے کے وسیلہ ہیں ۔ نماز پڑھو ۔ روزہ رکھو ۔ حج کرو ، زکوٰۃ دو ۔ ہر قسم کے نیک کام کرو ۔ مگر سب سے بڑی چیز خدا اور رسول کی محبت ہے حدیث شریف میں آیا ہے " کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا ۔ اس کو ایمان

نہیں لتا جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جان سے ۔ اس کے ماں باپ سے ۔ اس کی اولاد سے ۔ اس کے مال سے اور ساری دنیا سے عزیز تر نہ ہوں "۔

آج کل دین اور محبتِ نبیِ کریمؐ و اولیائے کرام کی محبت کے ڈاکو زوروں پر ہیں ۔ اس عظیم الشان نسبت کی ڈوری کو منقطع کردیتے ہیں ۔ ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " جو جس کو چاہے اس کے ساتھ ۔ تو جس کو چاہے اس کے ساتھ "۔ وہ ہمیشہ اس دعا کو پیشِ نظر رکھیں ۔ اس کو وردِ زبان بنائیں ۔ جس کو ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ طبرانی صحیح ابن خزیمہ ۔ حاکم ۔ بیہقی نے عثمان بن حنیفؓ سے روایت کی ہے ۔

وہ دعا یہ ہے :-

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بحبیبک المصطفیٰ عندک یا حبیبنا یا محمد ، انا نتوسل بک الیٰ ربک فاشفع لنا عند المولی العظیم ۔ یا نعم الرسول الطاہر ، اللھم شفعہ فینا بجاھہ عندک ۔

اے عاشقانِ رسول ! تم ابن عمرؓ اور ابن عمرو ابن العاص کی اتباع میں یا رسول اللہ ، یا رسول اللہ پکارتے رہو یامحمداہ کو وردِ زبان رکھو ۔ دعا کرتے رہو کہ اللہ تم کو ۔ ہم کو اپنے حبیب کی محبت دے ۔ ان کے دوستوں کی محبت دے ۔ ان کی یاد میں مست رکھے یہ رشتہ محبت تم کو خدا تک پہنچادے ۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برُد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

دیکھو آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راہِ خدا میں خوب جدوجہد کرو ۔ اپنی جان لڑا دو ۔ اللہ کے واسطے مارنے مرنے کو تیار ہوجاؤ ۔ الفاظ بلامعنی اور نرے دعوے ہی دعوے سے کیا ہوتا ہے ؟ کچھ کام بھی تو کرو ۔ " سوگز واروں ایک گز نہ پھاڑوں " کیا کام آسکتا ہے ۔ ہر دعوے کی دلیل ہوتی ہے ۔ بے دلیل دعویٰ کام نہیں آتا ۔ یہ کیا ہے ؟ خدا رسول کی محبت کا دعویٰ اور کام کرنے سے کوسوں دور ۔ محنت سے عزت حاصل ہوتی ہے ۔ جو کسی کو چاہتا ہے ۔ رات دن اسی کے ذکر میں رہتا ہے ۔ تم اللہ رسول کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو پھر ان کی اتباع سے بھاگتے بھی ہو ؟ صاحبو ! کچھ کرو

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید (سعدی علیہ الرحمہ)
محبوبِ خدا سے پھیر کے منہ اللہ کو شکل دکھانا کیا

۸ ۔ لو لاکتٰب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ○ (الانفال آیت ۶۸)

لولاکتٰب من اللہ سبق ۔ اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ نہ ہوتا وحی نہ اتری ہوتی لمسکم تو تم کو چھوجاتا فیما اخذتم اس چیز میں کہ تم نے لیا عذاب عظیم بڑا عذاب ۔

ترجمہ :- اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ نہ ہوتا تو تم کو چھوجاتا بڑا عذاب جس کو تم نے اپنے کرتوت سے لیا تھا ۔

اس آیت کے معنیٰ بیان کرنے میں علماء میں اختلاف ہے ۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر تمہاری تقدیر میں معافی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم قیدیوں سے فدیہ لینے پر مستحق عذاب ہوتے۔
بعض کہتے ہیں کہ تمہاری یہ خطاء اجتہادی ہے جو قابلِ معافی سمجھی گئی ہے۔ اگر یہ معافی نامہ نہ ہوتا تو تم قابلِ گرفت تھے۔
بعض کہتے ہیں کہ تم نے اجازتِ عام کی بناء پر فدیہ لیا۔ اگر یہ اجازت عام نہ ہوتی تو تم پر مواخذہ ہوتا۔
واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی رائے میں فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا مناسب تھا۔ اور حضرت عمر کی رائے تھی کہ ان سب کو مار ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ صدیق اکبر کی رائے مبنی بر رحم تھی اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار فرمایا۔ گو فاروق اعظم کی رائے کافروں کے استیصال پر مبنی تھی۔ اگر رحم کرنے کا حکم پہلے سے نہ ہوتا تو اس معاملہ میں ضرور گرفت کی جاتی۔

۱۔ قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منه ذکرا ○ (س الکھف آیت ،)

قال۔ خضر نے کہا۔ فان اتبعتنی پس اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو، میری اتباع و فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو، فلا تسئلنی عن شیء، تو کسی بات کا مجھ سے سوال نہ کرو۔ حتی احدث لک منه ذکرا۔ یہاں تک کہ میں خود اس کو تمہارے سامنے ذکر نہ کروں۔ بیان نہ کروں۔

ترجمہ: (خضر نے) کہا اگر تم میری اتباع کرنا چاہتے ہو تو جب تک میں خود بیان نہ کروں تم کسی شئے کا سوال نہ کرو۔
صاحبو! بزرگوں کا قول ہے "مریدے کہ چون وچرا بکند و شاگردے کہ چون وچرانکند۔ ہر دورابہ چراگاہ باید فرست۔
شاگرد کا کام ہے کہ احکام ظاہری میں تحقیقات کرے، بحث و مباحثہ کرے اور مرید کا کام ہے کہ روحانیت اور اسرارِ الٰہی میں مرشد کی بات دل لگا کر سنے وہ خود مناسب سمجھے گا بتادے گا۔

صاحبو! اس مقام پر لطیف بحثیں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا علم کیا تھا۔ اور خضر کا کیسا؟ موسیٰ علیہ السلام کا علم کلیات کا تھا۔ مبنی بروحی تھا، متعدی تھا اس کی اتباع سب پر واجب تھی۔ اور خضر کا علم جزئیات کا اور الہامی تھا۔ ان کے تمام کام کشف اور الہاماتِ ربانی پر مبنی تھے۔ موسیٰ کا راستہ اور تھا اور خضر کا اور۔ موسیٰ تو صاحبِ زمانہ تھے اولوالعزم پیغمبر تھے۔ صاحبِ مذہب وکتاب تھے۔ ان کے بعد جتنے پیغمبر آئے سب ان کے تابع تھے۔ پھر خضر نے ان کے احکام کی مخالفت کیسے کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ تمام دنیا کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ موسیٰؑ کے حدود و احکام و عمل الگ تھے اور خضر کے الگ اس لئے خضر نے موسیٰ علیہ السلام کی ان جزئیات میں اتباع نہیں کی۔ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا خلاف کرسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے حدود عمل روئے زمین پر جاری ہیں کوئی اس سے خارج نہیں ہوسکتا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

محمدیوں کو جو الہام ہو، اس کو قرآن و حدیث پر پیش کرو اگر قرآن و حدیث کے خلاف نہیں تو اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم معصوم کی تعلیم ہے۔ یقیناً وہ غلطی سے محفوظ ہے۔ ہمارا کشف و الہام ظنی ہے۔ جو یقینی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یقینی اور ظنی کا کیا جوڑ؟ جس الہام سے قرآن و حدیث ساکت ہے اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ بہر حال وحی کے مقابل الہام قابلِ ترک ہے۔

عبداللہ

بہت سے لوگ اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر مرشد ، خدا اور رسول کے خلاف بھی حکم دے تو واجب العمل ہے یہ اور بات ہے کہ مرید مرشد کی بات کو پوری طور سے سمجھ نہیں سکتا جب واقعات منکشف ہوجاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرشد نے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف نہیں کیا ۔ بلکہ مرید نے اپنی بے سمجھی سے خدا اور رسول کے حکم کے خلاف سمجھا تھا ۔

بعض نادان موسیٰ علیہ السلام کو مولوی سمجھتے ہیں اور خضر کو مرشدِ کامل ، یہ ان کی سمجھ کا قصور ہے ۔ موسیٰؑ اپنے زمانے کے انسانِ کامل تھے ۔ ایک فلاسفر کلیات سے واقف ہوتا ہے ۔ اور جزئیات کے لئے توجہ خاص کی ضرورت ہوا کرتی ہے ۔ التفاتِ حاضر کی حاجت ہوتی ہے ۔ بڑھائی کا کام پروفیسر اور ڈاکٹر نہیں کر سکتا ۔

ہر مردے و ہر کارے

کل میسر لما خلق لہ بہت سے پروفیسر ہیں جو سوئی لے کر ایک ٹانکا نہیں لگا سکتے ۔ یہ کام خیاط کا درزی کا ہے ۔ نہ کہ ڈاکٹر اور پروفیسر کا ۔ جزئیات کی انتہا نہیں ۔ کلیات خیرِ کثیر پر مشتمل رہتے ہیں ۔ کلیات کا فوت ہونا شرِ کثیر کا باعث ہے ۔ بہر حال الہام ہمیشہ وحی کا تابع رہے گا ۔ اس کی شرح کر سکتا ہے مگر اس کو رد نہیں کر سکتا ۔

ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے ۔ بعض دفعہ انسان مغلوب الحال ہوجاتا ہے ۔ اور ایسے کام کر جاتا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی میں ایسی حالت کو للجنون فنون سمجھتا ہوں خدا ان کو اور ہم کو اپنے عفوِ کرم سے بخش دے ۔

یاد رکھو ، مجنون کو پاگل خانے میں ڈال سکتے ہیں ۔ مگر مجرم ٹھیرا کر محبس میں نہیں رکھ سکتے ۔ ایک بیوی نے حضرتؐ کا پیشاب پی لیا ۔ عبداللہ بن زبیر رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم کا پچھنوں سے نکالا ہوا خون پی گئے ۔ ایک صاحب نے کہا جن کا اونٹ کھوجانے کے بعد مل گیا تھا اللھم انت عبدی و انا ربک ۔ آپ جانتے ہیں یہ کلمہ کیسا ہے ؟ جوش سے نکلا غلطی ہوگئی ۔ اس پر خدا بھی ہنسا اور اس کا رسول بھی ۔ اور اس شخص پر کوئی گرفت نہیں ہوئی ۔ بہر حال یہ راستہ کٹھن ہے ۔ احتیاط سے چلو ۔ ٹھوکر نہ کھاؤ ۔ ہمیشہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا کرو ۔ خدا اور رسول سے ڈرو ۔ یاد رکھو ڈر کو ڈر نہیں ۔

حضرت سولھویں پارے میں ارشاد فرماتے ہیں :

یہ خضر علیہ السلام پیغمبر تھے ؟ یا کوئی مرد صالح ؟ قرآن شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں ۔ کیا وہ اب تک زندہ ہیں ؟ یا ان کا انتقال ہوچکا ہے ۔ اس کا بھی قرآن سے کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ بہر حال وہ نیک آدمی ضرور تھے ۔ وہ لوگوں سے ملتے ہوں اور اب تک زندہ ہوں تو ہمارے پاس اس کا بھی امکان ہے ۔ اگر ان کا انتقال ہوا اور وہ لوگوں سے عالم مثال میں ملتے ہوں تو ہمارے پاس یہ بھی ممکن ہے ۔ قرآن شریف قطعی اور ایک یقینی کتاب ہے ۔ اس کے قطعی اور یقینی مسائل کو ظنیات بلکہ اوہام سے مقید نہ کرنا چاہیئے ۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی واقعہ میں کوئی نصیحت اور عبرت کا ذکر ہوتا ہے قرآن اس پر لوگوں کو متوجہ کرتا ہے ۔ کیا یہ تاریخی کتاب ہے ؟ کیا اس میں کہانیاں ہیں ؟ یہ مذہبی کتاب ہے ۔ اس میں اعلیٰ تعلیمات ہیں ۔ یہ عبرت خیز واقعات اس میں بیان کئے جاتے ہیں ۔ قرآن شریف کی صفت ہے مبین ۔ اس کا سمجھنا بنی اسرائیل کے قصے کہانیوں پر منحصر نہیں ۔ خضر کون تھے ؟ ذوالقرنین کون تھے ؟ ان کے شخصی حالات جاننے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں ۔ ان قصوں سے عبرت لینا ہمارا کام ہے ۔

فاعتبروا یآ اولی الابصار ہمارے پیش نظر ہے ۔ جانوروں کے متعلق نصیحت خیز قصے بنائے جاتے ہیں " کلیلۃ ودمنۃ " مشہور کتاب ہے جس میں جانوروں کی باہم گفتگو درج ہے ، مقصد صرف نصیحت و عبرت ہے ۔ ہر حال میں ان شخصی قصے کہانیوں میں پڑنا نہیں چاہتا

آگے ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

یا جوج ما جوج کون ہیں ؟ ہر ایک عالم دل سے گھڑنے لگتا ہے ۔ قرآن میں حدیث میں اس کی توضیح نہیں ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یاکانگ ، میکانگ یا اس سے قریب تر لفظ کی دو قومیں ہیں ۔ بعض لوگ انگریز اور روس کو اس کا مصداق سمجھتے ہیں ۔ اور بعض لوگ ترکان اور ایرانیوں کو اس کا مصداق جانتے ہیں ۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک قدیم دیوار کی علامت ہے ۔ شاہان ایران اور ترکستان میں ہمیشہ جنگیں ہوتی ہیں ۔ افراسیاب اور کے خسرو ، کے کاوس کے قصے مشہور ہیں ۔ چنگیز خان کے زمانے میں جو فسادات اور قتل و کشت ہوا ہے ۔ وہ بھی معلوم ہے ۔ اور بعض لوگ چین و جاپان اور ترکستان کو یاجوج ماجوج کہتے ہیں ۔ اور دیوارِ چین کو سد یاجوج و ماجوج ۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ ان کی تعیین سے ہماری کوئی اسلامی غرض متعلق نہیں ۔

آگے رکوع ۱۱ آیت ۱۶ کے تحت لکھتے ہیں :

صاحبو ! اس رکوع میں ایک سردار یعنی بادشاہ کا ذکر ہے ۔ جس نے بہت سے ممالک فتح کئے تھے مشرقی جانب کے بھی اور مغربی جانب کے بھی ۔ یہ بادشاہ ایک مقام میں پہنچا ، جہاں دو قومیں آپس میں لڑتی جھگڑتی تھیں ۔ لوگوں کی تحریک پر بادشاہ نے ایک پختہ مضبوط دیوار بنادی کہ نہ مفسدین اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سوراخ ڈال سکتے تھے ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ آپس کی لڑائی جھگڑے دفع نہ ہوسکیں تو بیچ میں دیوار بنالیں ۔ جرمنی نے ریگفریڈ دیوار بنائی فرانسیسیوں نے میجنو (Maginot) لائن ۔ یہ اشارہ ہے اس بات پر کہ مفسدین سے بچنے کے لئے اپنی سرحد جدا جدا کرلیں ۔ مگر جب وقت آیا تو نہ دیوارِ چین نے کام کیا نہ دیوارِ ایران نے اور نہ زیگفریڈ لائن (Siegfred line) اور نہ میجنو لائن نے ۔ قرآن شریف تذکرہ ہے ، یاددہانی ہے ۔ رہنمائی ہے ۔ مواعظ و نصائح ہے ۔ تاریخی کہانیوں سے ہم کو کوئی مطلب نہیں ۔ اصل مسئلہ تو نصیحت دلانا ہے فاعتبروا یآ اولی الابصار پر عمل کرنا ہے ۔ اپنے تخیلات ، استنباطات ، واہی تباہی کہانیوں کو اصل قصے ، من گھڑت باتوں کو قرآن سے متعلق کرنا اور سمجھنا کہ یہ قرآن میں ہے ۔ قرآن اس سے پاک ہے ۔ تمہارا خیال تم کو مبارک ۔ تمہاری خیالی تحقیقات قرآن نہیں ہوسکتی ۔ اور تمہاری رائے اور میری رائے غیر قطعی ہے ۔ قرآن قطعی ہے ۔ علماء اپنے دل سے تعینات کرتے ہیں ۔ اور لڑتے ہیں ۔ ہم کو متعین کرنے کی ضرورت نہ قرآن کی طرف متوجہ کرنے کی حاجت ۔ اکثر لوگ بنی اسرائیل کے قصوں اور دوسرے واہی تباہی کہانیوں کو تفسیروں میں لکھ دیتے ہیں ۔ اور قرآن کو ان پر منطبق کرنا چاہتے ہیں ۔ جب پورے منطبق نہیں ہوتے تو پریشان ہوجاتے ہیں ۔ ہم کو ان سب جھگڑوں کی حاجت نہیں ۔ ہم قرآن کے مطلق کو کبھی کسی سے مقید نہیں کریں گے ۔ قرآن کسی خاص زمانے کے لئے نہیں ۔ قیامت تک وہ واجب العمل ہے ۔ ہر زمانہ میں وہ شمع ہدایت کا کام دیتا ہے ۔ ان هٰذه تذكرة فمن شآء ذكره ۔

۱۰ ۔ فانک لاتسمع الموتٰی ولا تسمع الصم الدعآء اذا ولوا مدبرین ○ الروم آیت ۵۲

فانک لاتسمع الموتٰی تم ان مردہ دلوں کو سنا نہیں سکتے ولا تسمع الصم الدعآء اور ان بہروں کو پکار کر نہیں سنا سکتے صم جمع اصم بہرا ۔ اذا ولوا مدبرین ۔ جب پیٹھ پھیر کر چل دیں ۔

عبداللہ

ترجمہ : بے شک تم مردوں کو سنا نہیں سکتے ۔ بہروں کو پکار کر سنا نہیں سکتے جب پیٹھ پھیر کر چلدیں ۔
صاحبو ! یہاں موتیٰ سے مراد ، مردہ دل ہیں ۔ اور صم سے مراد ناحق شناس ہیں ۔ جو سچی بات سننے کے روادار نہیں ۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبرستان پر جاؤ تو کہو السلام علیکم یا اھل القبور انتم سلف ونحن خلف وانا ان شاء اللّٰہ بکم
۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنگِ بدر میں کافروں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لستم باسمع منھم
لاحقون ۔ یعنی تم ان مردہ کافروں سے زیادہ نہیں سنتے ۔ معراج شریف میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبروں سے ملاقات کی ۔ ان سے گفتگو کی ۔
ان سے کہا ان کی سنی ۔ سمع موتیٰ منکرِ حقیقتِ روح سے ناواقف مادہ پرست موحد ہوتے ہیں ۔ یہ نادان یارسول اللہ کہنے کو شرک سمجھتے ہیں ۔
یہ احادیث سے بالکل نابلد ہیں ۔ ترمذی کی حدیث میں ہے ۔ یا سیدنا یا محمد انا نتوسل بک الی ربک فاشفع لنا یا نعم الرسول
الطاہر اللھم شفعہ فینا بجاھہ عندک یہ نادان مسلمانوں کو مشرک کہہ کر خود مشرک بنتے ہیں کیونکہ عمل اور ردِ عمل برابر ہوتا ہے ۔
(یہ بے روح موحد اسی قبیل کی تمام آیتوں کو جس کے مخاطب کفار ہیں ، مختلف آیتوں میں تطبیق دینے کا حوصلہ نہ ہونے اور بزرگانِ دین کی عداوت کی بناء پر مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اور بزرگانِ دین جو محبوبانِ خدا ہیں ان سے جاہلوں ، کم فہموں کو دور کردینے کے لئے دھوکہ دیتے ہیں ۔ تفسیر میں ایسی تمام آیتوں کے لئے حضرت مسلمانوں کو ہوشیار کرتے جاتے ہیں (للمرتب)

۱۱ ۔ ووجدک ضآلا فھدیٰ (والضحیٰ آیت ۷)

ووجدک اور تم کو پایا ۔ ضالا سرگشتۂ شوق ، وارفتۂ محبت ۔ مستغرقِ عشق والفت ۔ امراالقیس عنترہ کے متعلق کہتا ہے
فی ضلال مضلل یعنی سربسر مبتلائے الفت ہوں ۔ ف ۔ پس ، پھر ۔ ھدیٰ ہدایت کی ۔ راستہ بتایا ۔ منزلِ مقصود کو پہنچایا ۔
یعقوب علیہ السلام کو آپ کے صاحبزادے کہتے تھے ۔ انک لفی ضلالک القدیم ۔ آپ تو اپنی اسی پرانی محبت میں سرگشتہ ہیں ۔
یعنی یوسف علیہ السلام کی الفت ابھی اس درجہ باقی ہے ۔
(بین السطور ترجموں میں اس آیت کے اس طرح ترجمے ملتے ہیں اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی ۔ اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا ۔ اور پایا تجھ کو بھٹکتا اور راہ دی ۔ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ ہو ۔ للمرتب)
ترجمہ : اور تم سرگشتہ محبت تھے (غار حرا میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں منہمک تھے) پس ہم نے تم کو (اپنا) راستہ (آپ) دکھلایا ۔ (وحی سے سرفراز کیا اور تم پیغمبر بنے)

۱۲ ۔ لکم دینکم ولی دین (الکافرون آیت ۶)

دین کے دو معنی ہیں (۱) اطاعتِ مذہبی (۲) جزا ۔ مالک یوم الدین کے معنی ہیں روز جزاء کا مالک لکم دینکم تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملنے والی ہے ولی دین اور مجھ کو میرے اعمال کی جزاء ملنے والی ہے ۔
ترجمہ : تم کو تمہاری (بت پرستی کی) سزا ہوگی (اعمال بد کا بدلہ ملے گا) اور مجھ کو میری (خدا پرستی اور نیک اعمال کی) جزا ملے گی ۔
صاحبو ! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے ۔ کیونکہ یہ لوگ اس آیت کے یہ معنیٰ سمجھتے ہیں کہ تم کو تمہارا دین مبارک اور ہم کو ہمارا دین مبارک ۔ نہ تم ہم سے لڑو اور نہ ہم تم سے لڑتے ہیں ۔ مدینہ میں کافروں سے جنگ لڑنے کی اجازت مل گئی تھی ۔ لہٰذا یہ آیت جس سے صلح نکلتی ہے منسوخ ہے ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اول تم نے دین کے معنی یہاں مذہب کے لئے ہی کیوں ؟ کہ آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت پڑی ۔ صحیح معنی یہی ہیں کہ تم کو تمہارے اعمال کی سزاء اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا ملنے والی ہے ۔ یہ حکم نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ۔ ہر شخص کے ساتھ اس کے افعال کے آثار لپٹے ہوئے رہتے ہیں ۔ لہٰذا ہر عمل کی جزا مل کر رہے گی ۔ ہمارے پاس قران کی کوئی آیت منسوخ نہیں ۔

خدمتِ حدیث وفقہ

حضرت کے صحیح البخاری کے تین اساتذہ تھے جن سے حضرت نے صحیح البخاری پڑھی اور روایت حاصل کی۔

۱۔ مولانا الٰہی بخش عظیم آبادی

۲۔ مولانا محمد ہاشم

۳۔ حضرت کے والد ماجد مولانا شیخ عبدالقادر صدیقی

اور تینوں اساتذہ کی روایت کا سلسلہ حضرت شیخ احمد بن عبدالرحیم المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دلہوی سے جاملتا ہے۔

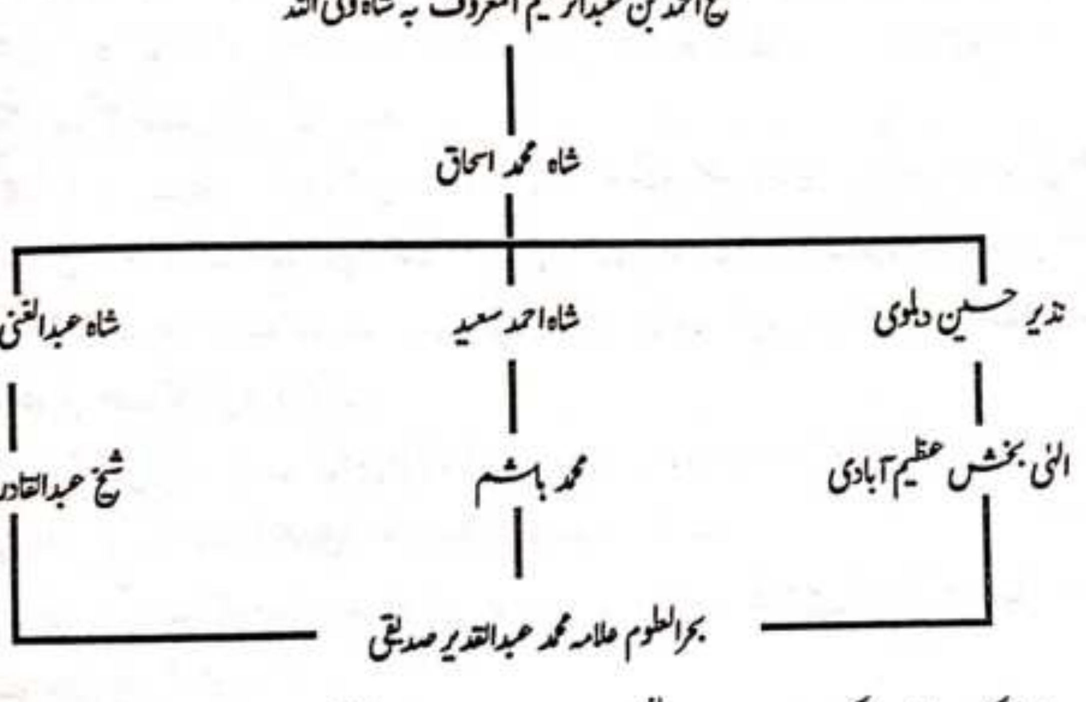

حسبِ ذیل کتب احادیث کی روایت حضرت الشیخ ابو الطاہر سے حاصل فرمائی تھی

۱۔ صحیح مسلم ۲۔ سنن ابوداؤد ۳۔ سنن صغریٰ للنسائی

۴۔ جامع الترمذی ۵۔ سنن ابن ماجہ ۶۔ مؤطا امام مالک۔

حضرت نے فرمایا " جو حدیث پڑھنا چاہے اس کو چاہئیے کہ پہلے فقہ پڑھے "۔

حضرت کے اس طرح فرمانے اور توجہ دلانے کا مقصد یہ ہے کہ صرف حدیث پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث کے معنیٰ معلوم ہونا پڑتا ہے۔ حدیث کے معنیٰ معلوم کرنے کے لئے فقہ کی احتیاج ہے۔ اگر آدمی بغیر فقہ پڑھے صرف حدیث پڑھ کر عمل کرنے لگے تو وہ معنیٰ سے ناواقفیت کی وجہ سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کردے گا۔ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

حضرت نے متنبہ فرمایا " بے تحقیق باتیں ہرگز نہ کرنی چاہئیں۔ تحقیقات کون کرے گا ؟ مجتہد کرے گا۔ جسے خدا نے قرآن و حدیث کے اغراض و مقاصد سے واقفیت دی "۔

حضرت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ " یہ ایک طبعی بات ہے کہ نادان دانا سے ، جاہل عالم سے پوچھتا ہے اور اس کے کہے پر اعتماد کرتا ہے ۔ اور حکم بھی یہی ہے فاسئلوآ اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون ۔ اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم کو معلوم نہ ہو ۔ دیکھو ! اسئلوا امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ الا سئلوا اذالم یعلموا فانما شفاء العی السؤال ۔ کیوں نہیں سوال کیا جب جانتے نہ تھے ۔ عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے ۔ دیکھو ! ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے ۔ ماہرِ فن پر اعتماد کرتے ہیں ۔ جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسرے کی تقلید کرتے ہیں ۔ مشکلات پیش آتے ہیں اور خود کو عاجز پاتے ہیں تو مجبوراً تقلید کرنی پڑتی ہے ۔ بے علمی پر خود مختاری تباہی کا موجب ہوتی ہے ۔ دیکھو ! حساب معمولی فن ہے مگر ایک زمانے تک کسی استاد کے زیرِ تعلیم رہتے ہیں اور وہ جوابات کی غلطی بتلاتا رہتا ہے تو کہیں صحیح جواب لکھنا نصیب ہوتا ہے ۔ ضروری و موقوف علیہ علم تو کچھ بھی نہیں ۔ اور آزادی ، ذاتی رائے کا ادعا اچھے آدمی کا کام نہیں ۔ عربی کی چار سطریں صحیح نہیں پڑھ سکتے اور بن گئے اہلِ حدیث ۔ کسی ناقص نے کہہ دیا حدیث میں اس طرح آیا ہے ۔ بس اس پر اعتماد کر لیا ۔ نہ تحقیق نہ تدقیق آخر تقلید کس ہوَے کا نام ہے ۔ دوسرے پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے

حضرت اپنی کتاب الدین کی شرح اور ترجمہ باب کتابة الحدیث کے تحت لکھتے ہیں ۔

" صاحبو ! آج کل اہلِ قرآن پیدا ہوئے ہیں ۔ جو احادیثِ نبوی کو نہیں مانتے ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں ۔ جب آپ حدیث کو نہیں مانتے تو نماز کس طرح پڑھو گے ؟ قرآن میں تو صرف " صلوا " ہے ۔ " اسجدو " ہے ۔ کیا سجدہ پہلے ہے یا رکوع و قیام پہلے ہے ۔ یہ سب چیزیں احادیثِ رسولؐ سے معلوم ہوتی ہیں ۔ یہ بھی یاد رکھو ! کہ متواتر کی دو قسمیں ہیں ۔ متواتر باللفظ ۔ جس کے الفاظ میں کچھ کمی زیادتی کچھ تغیر نہیں جیسے من کذب علیّ متعمدا فلیتبوّا مقعدہ من النار کہ اس کے جھوٹ ہونے پر کوئی اتفاق نہیں کر سکتا ۔ اور سب کے سب انہی الفاظ میں اس حدیث کو بیان کرتے ہیں ۔ اور روایت متواتر بالمعنے بھی ہوتی ہے ۔ جس کے الفاظ میں کچھ کمی زیادتی ہوتی ہے مگر معنیٰ ایک ہی رہتا ہے انما الاعمال بالنیات ۔ طریقہ صلوٰۃ ، طریقہ حج کی حدیثیں ۔

یاد رکھو ! حدیث کے معنیٰ کیا ہیں قول و فعلِ رسولِ مقبولؐ جو یہ کہتے ہیں کہ " میں حدیث کو نہیں مانتا " ۔ وہ حقیقت میں یہ کہتا ہے کہ میں قول و فعلِ رسولؐ کو نہیں مانتا ۔ ظالم جب تو قول و فعلِ رسولؐ کو نہیں مانتا تو ، تو رسولِ مقبول کو نہیں مانتا ۔ تجھے اسلام سے کیا غرض ۔ تو حدیث سے نہیں بھاگتا ، ایمان سے اسلام سے بھاگتا ہے ۔ تجھے کیا حق ہے کہ خود کو مسلمان کہے ۔

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو بھی برائے نام مانتے ہیں ۔ حقیقت میں ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا جو قرآن کی آیت ہے اسے نہیں مانتے ۔

خواہ مخواہ احادیثِ رسولؐ سے انکار کر کے قرآن کو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرنا ہے ۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے ؟ قرآن کے من مانے معنیٰ پیدا کرنے کے لئے ۔ انھیں معلوم ہونا چاہئیے ! کہ قرآن کی شرح حدیث ہے ۔ اور حدیث کے ذریعہ قرآن پر عمل کرنا آتا ہے ۔ میں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بلا تشبیہ قرآن بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " کے ہے اور حدیث بمنزلہ " ضابطہ فوجداری " کے ۔ جب تک ضابطہ فوجداری سے واقفیت نہ ہو " تعزیراتِ ہند " پر عمل نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح جب تک حدیث شریف کا علم نہ ہو قرآن پر عمل ممکن نہیں تم

سے تو وہ صاف صاف کہنے والے پیش پا ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ " تیرہ سو برس کا اسلام قابلِ ترمیم ہے ۔ اور ہر جگہ ایک پیغمبر پیدا ہو رہا ہے ۔ ان لوگوں کو اسلام سے کیا غرض " انتہیٰ ۔

حضرت نے اجمالی طور پر بلا تشبیہ قران کو بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " اور حدیث کو بمنزلہ " ضابطہ فوجداری " جو مثال دی ہے اگر اس کی تفصیل کی جائے تو حسبِ ذیل امور سامنے آتے ہیں ۔

فقہِ اسلامی میں احکامِ شرعیہ کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ قرآن ہے

جو اسلامی قانون کا اصل الاصول اور شریعت کی بنیاد ہے ۔ جس طرح حضرت نے مثال دی بمنزلہ " تعزیراتِ ہند " کے ہے ۔ یعنی اس میں منصوص احکام کا بیان مجملاً ہے ۔ جس طرح حضرت نے اوپر فرمایا اس میں بھی امر و حکم ہے صلوا ہے ۔ اسجدوا ہے ۔ وارکعوا ہے ۔ یعنی نماز کی کیفیت وہیئت وغیرہ کی تفصیلات موجود نہیں ۔ سنتِ رسولؐ نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں ۔

اسی طرح قرآن نے وفائے عہد کا حکم دیا ہے ۔ بیع کے حلال ہونے اور ربوٰ کی حرمت کی صراحت کی ہے ۔ مگر یہ سب اجمالی طور پر ۔ وہ تفصیلات نہیں بتائیں جن سے معلوم ہو کہ صحیح معاہدات کی نوعیت کیا ہوتی ہے ۔ معاہدات کی وہ کونسی شکلیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے ۔ اور کس قسم کے عہد و پیمان ، باطل و فاسد شمار ہوتے ہیں ۔ اسی طرح بیع و شراء کے انواع کی تفصیل اور ربوٰ کی شکلیں قرآن میں موجود نہیں ۔ ان تمام کی تفصیل کو اس لئے سنت پر چھوڑ دیا ۔ معاملات ، سیاسی نظم اور اجتماعی زندگی سے متعلق قرآنی نصوص کا اس طرح کا اجمال ، احکام کے بیان میں عظیم مصلحتیں رکھتا ہے ۔ چونکہ قرآنی احکام زمانے کے ہر دور کے لئے ہیں لہذا قرآن میں ان اصول و کلمات پر اکتفا کیا گیا ہے جن کے دامن میں قیامت تک ہونے والی جزئیات و تفصیل سمٹی ہوئی ہیں تا کہ ہر دور میں اقتضاءات و مصالح پر قرآن کے اجمالی نص کے مختلف احتمالات منطبق ہوتے چلے جائیں ۔ باوجود قرآنی نصوص کے اس اجمال سے فائدہ اٹھانے کے ، انسان سنتِ رسول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کی یہ اجمالی نصوص بجائے خود ہمیں سنتِ نبویہ کا محتاج ٹھیراتی ہیں ۔ اور ساری تفصیلات کو سنتِ نبویہ کے حوالہ کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اس کی اقتداء اور اطاعت کا یہ حکم دے کر پابند کر دیا کہ ما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنه فانتھوا واتقوالله ان الله شديد العقاب ۝

یعنی جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں وہ تو لیا کرو ۔ اور جس چیز سے منع کریں اس سے دست کش رہو ۔ اور ڈرتے رہو ، خدا کی مار سخت ہے " ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنتِ نبویہ دراصل کلیدِ قرآن ہے ۔

ماخذِ قانون ہونے میں سنت کا درجہ قرآن کے بعد ہے

اس لئے سنت کی حیثیت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح و تفسیر وغیرہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے حدیث کو " ضابطہ فوجداری " سے مثال دی ۔ اور فرمایا کہ " جب تک ضابطہ فوجداری سے واقفیت نہ ہو تعزیراتِ ہند پر عمل نہیں ہو سکتا ۔ اسی طرح جب تک حدیث شریف کا علم نہ ہو قرآن پر عمل ممکن نہیں " ۔

قرآن سے مرتبہ میں موخر ہونے کے باوجود ایک جہت سے سنت بجائے خود ایک مستقل ماخذِ تشریع ہے کیونکہ سنت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے ۔

چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب "الدین" میں ایک مستقل باب "احادیثِ نبوی اور ان کی نقل کا بیان" قائم فرماکر حسب ذیل آیاتِ قرآنی اور احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی ما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا ۔ (۲۸ الحشر۔ آیت ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پیغمبر تمہیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔

و قال اللّٰہ تعالٰی ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحٰی۔ (الاحزاب)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ (پیغمبر) اپنی ذاتی خواہش سے کچھ نہیں کہتا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی طرف سے کی جاتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالٰی لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ البتہ تحقیق کہ تمہارے لئے رسول اللہ میں بہتر نمونہ ہے (جس کے مطابق عمل کیا جانا چاہیے)

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم نضر اللّٰہ امرء سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعٰی من سامع ۔ (اخرجہ الترمذی و صحہ ۹۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا "خدا سر سبز اور تروتازہ رکھے اس شخص کو جس نے ہم سے کچھ سنا پھر اس کی تبلیغ کی دوسروں کو پہنچایا۔ ایسا ہی بلا کم و کاست جیسا کہ اس نے سنا۔ پھر بہت سے تبلیغ کرنے والے دوسروں کو کہنے والے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں اس شخص سے جس نے پہلے سنا"۔

عن ابی رافع قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امر مما امرت بہ اونھیت عنہ فیقول لاادری ماوجدنا فی کتاب اللّٰہ اتبعناہ ۔
(رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ و البیھقی فی دلائل النبوۃ ۔ مشکٰوۃ)

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے تم میں سے میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے صوفہ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے جس کا میں نے حکم کیا ہے یا جس سے منع کیا ہے۔ پھر وہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ جو کتاب اللہ میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے"۔

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم الا انی اوتیت القران و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علٰی اریکتہ یقول علیکم بھذا القران فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ

حضرت مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہا انہوں نے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے۔ ہاں! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے ساتھ ہی اور احکام اس کے ساتھ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھا ہوا اور وہ کہہ بیٹھے

و ما وجدتم فیه من حرام فحرموه و انما حرم رسول اللّٰه کما حرم اللّٰه الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاھد الا ان یستغنی عنها صاحبها۔ ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروه فان لم یقروه فله ان یعقبھم بمثل قراه (رواه ابوداؤد وروی الدارمی وکذا ابن ماجه الی قوله کما حرم اللّٰه۔ مشکوٰة)

تمھیں یہ قرآن بس ہے اس میں جسے حلال بتایا گیا ہے اسے حلال سمجھو اور اس میں جسے حرام بتایا گیا ہے اسے حرام سمجھو۔ اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ کے رسول نے جس چیز کو حرام کیا وہ ایسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کردہ ہو ہاں تمھیں حلال نہیں کیا ہے شہری گدھا (اس کے مقابل وحشی گدھا یعنی گورخر ہے) اور کونچلیاں والا درندہ اور نہ کسی ہم عہد اور ذی کی پڑی ہوئی چیز (راستہ میں) مگر یہ کہ وہ اس قدر خفیف (کم قیمت ہو) کہ اس کے مالک کو اس کی پروانہ ہو۔ اور جو کسی قوم کے پاس اترے۔ اس قوم پر ضروری ہے کہ مسافر کی مہمانی کرے۔ اگر وہ مہمانی نہ کرے تو اسے حق ہے کہ اس کا تعاقب کرے یعنی اس سے دعوت (مہمانی) کا مطالبہ کرے "۔ (روایت کیا اسے ابوداؤد اور دارمی نے بھی اسی طرح روایت کی۔ اور اسی طرح ابن ماجہ نے۔ شروع سے حرم اللّٰہ کے الفاظ تک)۔

عن عبد اللّٰه بن عمر و قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم لایؤمن احدکم حتی یکون ھواه تبعالما جئت به۔

(رواه فی شرح السنة۔ مشکوٰة)

حضرت عبداللہ بن عمر و ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کوئی ایماندار نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی خواہش تابع نہ ہوجائے اس حکم کے جسے میں لایا ہوں۔ انتہیٰ۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سنت باوجود مستقل ماخذِ تشریع ہونے کے قرآن ہی کے تابع ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کا بیان و تفسیر ہونے کے علاوہ ان مقامات پر بھی قرآن کے مبادی اور اس کے قواعدِ عامہ سے ہرگز متجاوز نہیں ہوتی جہاں قرآن خاموش ہے اور سنت سے کوئی حکم معلوم نہیں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارا فہم اور ہماری نظر اتنی دقیق نہیں کہ اس کے مرجع تک پہنچ سکے یعنی قرآن کے کس کلیہ سے اخذ کرکے وہ جزئیہ بیان کیا گیا ہے۔ اس اجتہادِ نبوی تک رسائی کے لئے ملکہ نبوت ہی درکار ہوتا ہے۔

ناجی فرقہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے گذر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یا اصحابِ رسول سے بالمشافہ استفادہ تو ممکن نہ رہا اور سنت کے جاننے کے لئے اگر کوئی ذریعہ باقی ہے تو وہ روایتیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اس دین میں تہتر (۷۳) مذہب بنائے جائیں گے۔ مگر وہ کل مذہب ناری ہیں اور ناجی ایک ہی مذہب ہے۔ کسی نے پوچھا وہ کونسا مذہب ہے فرمایا " جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں "

(رواه الترمذی وفی معناه رواه احمد و ابوداؤد) (مشکوٰة)

عبداللہ اسی وجہ سے تابعین نے احادیث و اقوالِ صحابہ کو محفوظ کرلیا تاکہ وہ ناجی مذہب ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔

ابتدائی زمانہ میں اسناد نہیں پوچھی جاتی تھیں۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گوچھ شروع ہوئی۔ اسناد نہ پوچھنے کا زمانہ صحابہ کا تھا۔ چونکہ صحابہ کل عدول ہیں ان کی کوئی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔ جو صحابہ تابعین کے زمانے میں تھے وہ خود ممتاز تھے جب وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو ان کی صحابیت خود ایک اعلیٰ درجہ کی سند تھی۔ صحابہ ہی کے زمانہ میں مفسدوں نے تقلیداً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کیا تو ان سے اسناد کا مواخذہ کیا جانے لگا اور اسناد کی تحقیق میں نہایت اہتمام تھا تاکہ موضوع حدیثیں شریک نہ ہونے پائیں۔

حضرت نے اپنی کتاب الدین میں ایک باب " روایت کی صحت اور راوی کے سچ ہونے کے باب میں " قائم فرماکر قرآن و حدیث سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ۔ ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا۔ (الحجرت آیت ۶)

عن ابی ہریرہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع۔ (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ)

عن مجاھد قال جاء بشیر العدوی الیٰ ابن عباس فجعل یحدث و یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم و جعل ابن عباس لا یاذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ فقال لہ بشیر مالی اراک لا تسمع لحدیثی احدثک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ولا تسمع فقال ابن عباس اذا کنا مرۃ اذا سمعنا رجلا یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابتدرتہ ابصارنا و اصغینا الیہ باسماعنا فلما رکب الناس الصعبۃ والذلول لم ناخذہ من الناس الاما نعرف۔

(اخرجہ المسلم۔ تیسیر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی فاسق بدکار کوئی خبر تمہارے پاس لائے تو تم اس کی تحقیق کرو۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا آدمی کو اس کے جھوٹا ہونے میں اتنا بس ہے کہ جو سنے کہنے لگے۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ بشیر عدوی ابن عباس کے پاس آئے اور لگے احادیث بیان کرنے اور کہنے لگے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم (یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے) اور ابن عباس ہیں کہ ان کی حدیث پر کان نہیں دھرتے اور نہ ان کی طرف دیکھتے تو ان سے (ابن عباس سے) بشیر نے کہا کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ میری حدیث نہیں سنتے میں تم سے بیان کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی احادیث اور تم ہو کہ نہیں سنتے۔ تو ابن عباس نے فرمایا۔ ہم پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے جب کسی شخص کو کہتے سنا۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم تو ہماری بصارتیں (آنکھیں) ان کی طرف دوڑتیں اور ہم اس کی بات کو کان لگا کر سنتے۔ پھر لوگ سخت اور نرم سب پر سوار ہونے لگے۔ تو اب ہم لوگ سوا اس کے جو ہمارے علم میں ہے کسی حدیث کو لوگوں سے نہیں لیتے۔

" الا ان رحی الا سلام دائرہ قیل فکیف نصنع یا رسول اللّٰہ ؛ قال اعرضوا حدیثی علی الکتاب فما وافقہ فھو منی و انا قلتہ ۔

(طب و سمویہ من ثوبان ۔ کنز العمال)

فرمایا ۔ خبردار ! بے شک اسلام کی چکی گھومتی ہے یعنی اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے ۔ تو معروضہ کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ پھر ہم کیا کریں ۔ تو حضرت نے فرمایا میری حدیث کا قرآن سے مقابلہ کرو ۔ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو ، وہ میری حدیث ہے اور میں نے اسے کہا ہے "۔

سالت الیھود عن موسیٰ فاکثروا فیہ و زادو او نقصوا حتی کفروا و انہ ستفشو منی احادیث فما اتاکم من حدیثی فاقرء واکتاب اللّٰہ واعتبروا فما وافق کتاب اللّٰہ فانا قلتہ وما لم یوافق کتاب اللّٰہ فلم اقلہ ۔

(طب عن ابن عمر)

یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کئے پھر خوب سوالات کئے ۔ اس میں کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا حتیٰ کہ کفر کو پہنچ گئے اور بے شک مجھ سے بھی احادیث فاش اور ظاہر ہوں گے ۔ پھر میری حدیث تمہارے پاس آئے تو قرآن پڑھو اس سے عبرت لو ، اسے سمجھو ۔ پھر جو کتاب اللہ (قرآن) کے موافق ہے اسے میں نے ہی کہا ہے اور جو قرآن کے موافق نہیں ہے اسے میں نے نہیں کہا ۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے طبرانی معجم الکبیر میں یہ حدیث مروی ہے ۔

عن ابراھیم بن عبدالرحمٰن العذری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین "۔

ورواہ البیہقی فی کتاب المدخل مرسلا

(مشکوٰۃ)

حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمٰن العذری سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ علم بعد کے ہر طرح کے لوگوں سے حاصل کیا جائے گا ۔ ایسے جو عدل ہیں یعنی لائق اعتماد ہیں ۔ انصاف پرست ہیں ۔ وہ غلو کرنے والوں کی تحریف کی نفی کریں گے ۔ نیز باطل پرستوں کے جھوٹے دعوں کو اور جاہلوں کے من مانے تاویلات کو ۔ (انتہیٰ)

منافقین و زندیقین چنانچہ ایسا ہی ہوا جب روایتیں ہر طرف بکثرت ہونے لگیں تو منافقوں اور زندیقیوں کو موقع مل گیا ۔ اور ملتے جلتے مضامین کو حدیثیں بنا بنا کر روایتیں کرنے لگے ۔ تو حفاظت دین کے پیش نظر محدثین نے راویوں کی تحقیق شروع کردی ہزاروں محققین نے شہر بشہر کوچہ بہ کوچہ ان کی تلاش و تفتیش اور ان مفتریوں کی فہرستیں نام بنام اسلامی دنیا میں شائع کیں ۔ ان دشمنان دین کا مقصد احادیث گھڑنے سے اس کے علاوہ نہ تھا کہ احادیث میں شبہ ڈالیں ۔ مگر محدثین و محققین نے اپنی کاوشوں سے موضوع حدیثوں کو چھانٹ کر اصل احادیث کو محفوظ کرلیا ۔ جس قدر حدیثیں بنانے میں نالائقوں نے جرأت کی اس سے زیادہ محدثین اور محققین نے احتیاط میں زیادتی کی ۔ اگر کسی سے ایک بات بھی خلاف دیکھتے تو اس کی صحیح حدیثیں بھی ترک کردیتے ۔

عبداللہ

حضرت فرماتے ہیں کہ " تنقید کرنے میں صحاح ستہ والے ممتاز ہیں ۔ ان میں بخاری، مسلم کا مرتبہ نہایت اعلیٰ ہے ۔ لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار حدیثیں روایت کرتے ہیں ۔ مگر یہ بھی یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جائے اور محدثین نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ان احادیث کو قبول کریں ۔ چند حدیثوں کے غلط ہونے سے احادیث علی الاطلاق غلط نہیں ہوسکتے " ۔

حضرت فرماتے ہیں " اسمائے رجال (یعنی راویوں کے حال) سے واقف ہونا اس اصول پر احادیث نبوی کی جانچ کی جاتی ہے ۔ مگر یہ بھی یاد رکھو ! ایک صدقِ راوی ہے اور ایک درایت ہے ۔ آدمی سچا ہے مگر عقل سلیم سے محروم ہے ۔ تاریخی حالات کے نظر کرتے اور دوسرے عقلی تنقیحات سے نیز قرآن شریف یا مشہورات یا مشہور حدیث کے مخالف ہونے سے قبولِ روایت پر اثر پڑتا ہے " ۔ منتخی

روایت کے سلسلہ میں مسلمانوں نے جو اہتمام کیا اور ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جو جستجو کی، راویوں کے حالات معلوم کرنے میں مخصوص شرائط کے مدِ نظر جو کدو کاوش کی یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل فن کی صورت " فن رجال " کے نام سے دے دی ۔ وہ دیگر اقوام میں مسلمانوں کو امتیاز بخشتا ہے ۔ کسی نبی کے بارے میں یا کسی مذہبی پیشوا کے سلسلہ میں اس قسم کا کام کبھی نہیں کیا گیا جو خاتم الانبیاء کی امت کے افراد نے کیا اس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے ۔ اور الحمد للہ اسلامی فنِ تاریخ بھی اس سلسلہ میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے جو دیگر اقوام سے اسلام کو ممیز کرتا ہے ۔

معیار الکلام

روایت اور اقسامِ حدیث کے بارے میں حسبِ ذیل تفصیلات حضرت نے اپنی کتاب " معیار الکلام " میں لکھی ہیں ۔ بغرض استفادہ یہاں ان کو نقل کردیا جاتا ہے ۔

روایت میں امورِ ذیل قابلِ توجہ ہیں ۔

ا ۔ راوی ب ۔ اقسامِ خبریاست ج ۔ باعتبارِ یقین د ۔ باعتبارِ صحت وضعف ھ ۔ اتصال و انقطاع و ۔ طعن در حدیث ز ۔ جرح و تعدیل ۔

ا ۔ راوی :۔

راوی میں صفاتِ ذیل ہوں ۔

۱ ۔ عقل ۲ ۔ ضبط ۳ ۔ عدالت ۴ ۔ اسلام، امور دینیہ میں

عقل :۔ راوی بالغ صحیح العقل ہو ۔ اگر قبلِ بلوغ واقعہ کا مشاہدہ کرے اور بعدِ بلوغ ادا کرے تو یہ بھی درست ہے ۔ شرع نے عقل کا معیار بلوغ ٹھیرایا ہے ۔

ضبط :۔ راوی کا غور سے سننا، یاد رکھنا، پوری طرح ادا کرنا ۔

عدالت :۔ راوی کا متقی، بامروت، صادق القول ہونا ۔

اسلام :۔ راوی کا خدا اور رسول پر ایمان اجمالی رکھنا ۔

ب ۔ اقسام خبر حدیث و سنت :۔

خبر، سنت، حدیث یہ تینوں لفظ تقریباً ایک ہیں ۔
خبر کی تین قسمیں ہیں، قولی، فعلی، تقریری ۔
۱ ۔ قولی :۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ۔
۲ ۔ فعلی :۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا ۔
۳ ۔ تقریری :۔ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس کو برقرار رکھا ۔

ج ۔ باعتبارِ یقین و عدمِ یقین :۔

متواتر :۔ جس کو ہر زمانہ میں اس قدر لوگوں نے روایت کیا ہو کہ عقل ان کے کذب کو باور نہ کرے ۔ حدیثِ متواتر موجب یقین ہے ۔
آحاد :۔ جس کی روایت حد تواتر کو نہ پہنچے ۔ خبر آحاد موجبِ ظن ہے ۔
خبر آحاد کی حسب ذیل قسمیں ہیں :۔
۱ ۔ مشہور ۲ ۔ عزیز ۳ ۔ غریب
۱ ۔ مشہور یا مستفیض :۔ جس کو ہر زمانے میں تین یا زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو ۔
۲ ۔ عزیز :۔ جس کو ہر زمانہ میں دو (۲) راویوں نے روایت کیا ہو ۔
۳ ۔ غریب :۔ جس کی روایت کسی زمانہ میں ایک ہی راوی سے ہو ۔

د ۔ باعتبارِ صحت و ضعف :۔

حدیث کی باعتبار صحت و ضعف کے تین قسمیں ہیں ۔
۱ ۔ صحیح ۲ ۔ حسن ۳ ۔ ضعیف
۱ ۔ صحیح :۔ جس کی سند مصنف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو ۔ راوی میں پورے شرائط ہوں ۔ ایسی حدیث کو صحیح لذاتہ کہتے ہیں ۔ اگر کچھ قصور ہو اور کثرت طرق سے وہ نقصان پورا ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے ۔
۲ ۔ حسن :۔ صحیح کی نسبت راوی میں شرائط کی کمی ہو ۔ اور دوسرے طرق سے اس کا تکملہ نہ ہو ۔
۳ ۔ ضعیف :۔ جس کے راوی میں شرائط میں سے کوئی مفقود ہو ۔
باعتبار عیب کے احادیث حسب ذیل ہیں :۔
۱ ۔ موضوع :۔ جس کا راوی جھوٹا ہو ۔
۲ ۔ متروک :۔ جس کا راوی متہم بہ کذب ہو ۔
۳ ۔ منکر :۔ جس کا راوی غلطی کرنے والا یا غافل، یا کثیر الوہم یا فاسق یا بدعتی ہو ۔
۴ ۔ معروف :۔ منکر کے مقابل
۵ ۔ شاذ :۔ وہ جو معتمد راویوں کے خلاف ہو ۔

ھ ۔ اتصال و انقطاع :۔

۱ ۔ مرفوع :۔ جو روایت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل پہنچے اور جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل و تقریر مذکور ہو ۔

۲ ۔ موقوف :۔ جو صحابی کا قول ہو ۔

۳ ۔ مقطوع :۔ جو تابعی کا قول ہو ۔

۴ ۔ معلق :۔ ابتداء سے ایک راوی ساقط ہو ۔

۵ ۔ مرسل :۔ جس میں صحابی کا نام چھوٹ جائے ۔

۶ ۔ معضل :۔ جس میں دو راوی ساقط ہوں ۔

۷ ۔ منقطع :۔ جس میں ایک راوی ساقط ہو ۔

امام ابو حنیفہ کے پاس مرسل حدیث بھی قابل استفاد ہے ۔

و ۔ طعن در حدیث (حدیثِ مطعون) :۔

حدیث مطعون کے اقسام حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ مخالفِ کتاب اللہ ۲ ۔ سنتِ مشہورہ کے خلاف ۳ ۔ حادثہ مشہورہ کے خلاف ۴ ۔ راوی نے بعدِ روایت اس پر عمل نہ کیا ہو ۔

ز ۔ جرح و تعدیل :۔

مزکی یعنی جرح و تعدیل کرنے والا ۔ عالم ، عادل ، منصف اور غیر متعصب ہو ۔

الفاظِ تعدیل :۔ حجت ۔ ثقہ ۔ حافظ ضابط ہیں ۔

اس سے کم درجہ کا لفظ :۔ مامون ۔ صدوق ۔ لاباس ۔ لاحرج ، صلح ، شیخ ، حسن الحدیث ہیں ۔

الفاظ جرح :۔ کذاب ۔ دجال ۔ وضاع

اس سے کم :۔ ساقط ۔ واہی ۔ متروک ۔ لاشی ، ۔ ضعیف ۔ منکر الحدیث ہیں ۔

تعارضِ جرح و تعدیل :۔ جرح و تعدیل میں علماء اختلاف کریں تو جرحِ معین ، تعدیل سے کم سمجھی جائے گی ۔

بعض کے پاس جرحِ مطلق کو بھی تعدیل پر ترجیح ہے ۔ (انتہیٰ)

یہ بات پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ محدثین کا انتہائی کام ہے کہ وہ صحیح احادیث کی حفاظت کریں اور کسی دوسرے کے کلام کو حدیث بن جانے نہ دیں ۔ اور فقہاء کا کام ان احادیث صحیحہ میں غور و فکر کرنا ہے ۔

ضبطِ اسانید ، اور تحقیقِ رجال جیسے حدیث کے فنون کو پیش نظر رکھ کر صحیح احادیث فقہا تک پہنچانا یہ محدثین کا کام ہے ۔ فقیہ ان احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ قرآنی کو پیش نظر رکھ کر غور و فکر کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں شارع کی مرضی معلوم کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محدث فقیہ نہیں ہوتا ۔ اور ہر فقیہ کو احادیثِ صحیحہ کے لئے محدثین کی احتیاج ہے اور محدثین کو شارع کی مرضی و مقصود معلوم کرنے کے لئے فقیہ کی احتیاج ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کے مقابلہ میں فقہا کی تعداد بہت کم ہے ۔

ہر محدث میں اجتہاد کی صلاحیت ہونا ضروری نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ فتویٰ نہیں دیتے تھے ۔ فتویٰ دینے کے لئے مخصوص صحابہ مقرر تھے ۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار خطبہ میں فرمایا کہ ۔ جس کو فقہ کی کوئی بات پوچھنی ہو وہ معاذ (معاذبن جبل) سے پوچھے ۔

حضرت نے فرمایا ، محدثین جب کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اس سے صرف اسناد کا انکار مقصود ہوتا ہے ۔ ان کو اگر فقیہ کسی حدیث کو موضوع کہہ دے اس سے متن حدیث موضوع سمجھا جائے گا ۔

حضرت نے روایت کے لحاظ سے ترجیح کی حسب ذیل صورتیں بیان کی ہیں ۔

۱ ۔ راوی ، ثقاہت ، ضبط ، ورع ، تقویٰ میں جو قوی ہو اس کو مقابل کے راوی پر ترجیح ہے ۔

۲ ۔ بعض کے پاس سندِ عالی یعنی جس سلسلہ سند میں تعداد رواۃ کم ہو ان کو اس روایت پر ترجیح ہے جس میں راوی زیادہ ہوں ۔

۳ ۔ بعض کے پاس راوی کثیر الروایۃ ہو تو اس کو قلیل الروایۃ پر ترجیح ہے ۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ابوہریرہؓ کثیر الروایۃ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ قلیل الروایۃ ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت عمرؓ و علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ بھی ابوہریرہؓ سے قلیل الروایۃ ہیں

۴ ۔ ماہرِ عربی کو غیر ماہر پر ترجیح ہے کیونکہ وہ روایت کے معنے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ۔

۵ ۔ حفظِ قلب والے راوی کو کتاب میں لکھ کر یاد رکھنے والے پر ترجیح ہے ۔

۶ ۔ بعض کے پاس اکابرِ صحابہ کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح ہے ۔

۷ ۔ سننے کے وقت جو راوی حضرتؐ سے قریب رہتا تھا اس کو بعید پر ترجیح ہے ۔

۸ ۔ جس نے بحالتِ بلوغ و اسلام سنا ۔ اس کو اس شخص پر ترجیح ہے جس نے بحالت کفر یا صغر سنی سنا ہو ۔

۹ ۔ اگر مقدم الاسلام کو پھر حدیث سننے کا موقع نہ ملے تو متاخر الاسلام کو ترجیح ہے ۔

۱۰ ۔ مسند و معنعن کو مرسل پر اور قطعی الاسناد کو محتمل الاسناد پر ترجیح ہے ۔

۱۱ ۔ مردوں کو مردوں کے ساتھ خاص امور میں ، عورتوں کو عورتوں کے ساتھ خاص امور میں ترجیح ہے ۔

۱۲ ۔ جس کا رفع قطعی ہو اس کو اس حدیث پر ترجیح ہے جس کا رفع مختلف فیہ ہو ۔ مگر یہ کہ جہاں رائے کو مداخلت نہ ہو تو وہاں وہ بھی وقعت میں بمنزلہ رفع کے ہے ۔

۱۳ ۔ جرح و تعدیل میں اختلاف ہو تو جرح کو ترجیح ہے ۔ منتہیٰ (معیار الکلام)

قرآن و حدیث کے بعد فقہ کا تیسرا ماخذ اجماع ہے

حضرت فرماتے ہیں ، ضروریات دین تین امور ہیں ۔ ۱ ۔ قرآن شریف کا مفہوم بشرطیکہ نصِ صریح ہو اور ناقابلِ تاویل ہو ۔
۲ ۔ حدیثِ متواتر ۳ ۔ اجماعِ قطعی

حضرت نے اپنی کتاب " معیار الکلام " میں اجماع کے بارے میں حسبِ ذیل تفصیلات بیان فرمائی ہیں ۔

اجماع :-

امت محمدی میں سے ان تمام لوگوں کا جو اس کے اہل اور صاحبِ رائے ہیں کسی ایک زمانہ میں کسی امر پر اتفاق کرلینا۔ بعض کی رائے ہے کہ عقلیات میں اجماع کوئی چیز نہیں۔ بعض کی رائے میں اجماع سے ظنی امر قطعی ہوجاتا ہے۔ غیب کی باتوں پر اجماع کوئی شئے نہیں۔

حکم اجماع :-

اجماع بذاتہ کوئی شئے نہیں۔ مگر اجماع سے ظنی امر قطعی ہوجاتا ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

رکنِ اجماع :-

جن چیزوں سے اجماع مرکب ہوتا ہے۔

رکنِ اجماع کی دو قسمیں ہیں : ۱۔ اجماعِ عزیمت ۲۔ اجماعِ رخصت

اجماعِ عزیمت کی دو قسمیں ہیں : ۱۔ اجماع بہ قول ۲۔ اجماع بہ فعل

اجماع بہ قول : زبان سے تمام اہلِ اجماع کا اتفاق کرنا۔

اجماع بہ فعل : تمام اہلِ اجماع کا اس کام کو اختیار کرنا۔

اجماعِ رخصت : بعض آدمی کسی قول و فعل پر زبان سے اتفاق کریں اور باقی خاموش رہیں رد نہ کریں۔ اس کو اجماع سکوتی بھی کہتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے پاس سکوت ایسا ہو کہ جو رضامندی پر بہ قرائن دلالت کرے۔

اہلیتِ اجماع :-

اجماع کرنے والے ایسے مجتہد ہوں جو فاسق بدعتی نہ ہوں۔

مراتبِ اجماع باعتبارِ تعین و ظن چار ہیں۔

۱۔ اجماعِ قطعی موجبِ تکفیر : مثلاً صحابہ کا اجماع۔ ایسے اجماع کا انکار قریب بہ کفر ہے۔ کیونکہ یہ ایک طور سے ضروریاتِ دین کا انکار ہے مثلاً خلافتِ سیدنا صدیق اکبر، ابوبکر پر صحابہ کا اجماع ہے۔

اطلاع :-

لزومِ کفر سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ التزامِ کفر سے کافر ہوتا ہے۔

لزومِ کفر :- کسی ایسی بات کا قائل ہونا جو موجبِ کفر ہے، مگر وہ اس کو کفر نہیں سمجھتا بلکہ وہ تاویل کرتا ہے۔

امام غزالیؒ اور دیگر ائمہ نے باوجود وجہ قریب کے ممکن رہنے کے وجہ بعید سے تاویل کرنے پر تکفیر کی ہے۔

التزامِ کفر : بغیر تاویل کے انکار کرنا، احکامِ الٰہی کو نہ ماننا اور ان سے انکار کرنا یہ بے شک صریح کفر ہے۔

۲۔ اجماعِ قطعی غیر موجبِ تکفیر :- جیسے بعض صحابہ نے اجماع بقول اور نص کیا ہو اور دوسروں نے سکوت کیا ہو۔

یعنی صحابہ نے اجماع سکوتی کیا ہو ۔ ایسا اجماع گو قطعی ہے مگر موجبِ تکفیر نہیں ۔ ہاں وہ اجماع موجبِ تکفیر ہے جس کو صحابہ نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو ۔

۳ ۔ اجماع موجبِ طمانیت :۔ وہ اجماع جو عصرِ صحابہ کے بعد ہوا ۔ ایسا اجماع موجبِ طمانیت ہے بشرطیکہ اس حکم کے متعلق زمانہ صحابہ میں کوئی اختلاف نہ گزر چکا ہو ۔ ایسے اجماع کا منکر نہ گمراہ نہ کافر ۔ کیونکہ مسلمان پھیل گئے ہیں ان سب کا اجماع کارے دارد۔

۴ ۔ اجماع موجبِ ظن :۔ مختلف فیہ مسائل میں تمام مجتہدین کا ایک فعل پر اجماع کرلینا ایسا اجماع حجتِ ظنی ہے ۔

شروطِ اجماع :۔

جس زمانے میں مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کریں وہ اس اجماع کا زمانہ کہلاتا ہے ۔

اجماع کے تحقیق کے بعد کسی مجتہد کا رجوع قابل اعتبار نہیں ۔

اہلِ اجماع کے لئے کوئی تعداد معین شرط نہیں ۔

نقلِ اجماع :۔

نقلِ اجماع کی تین قسمیں ہیں :۔

۱ ۔ بطریقِ متواتر ۲ ۔ مشہور ۳ ۔ آحاد

اجماع بطریقِ متواتر قطعی ہے ۔ اور اس پر علم و عمل واجب ہے ۔

اجماع بطریقِ مشہور ۔ اجماعِ متواتر کے قریب ہے ۔

اجماع بطریقِ آحاد ۔ موجب عمل ہے موجبِ علم و یقین نہیں ۔

سندِ اجماع :۔

اجماع کے لئے سند ضروری ہے کیونکہ کوئی حکم بغیر دلیل کے صحیح نہیں ۔

سندِ اجماع یعنی ماخذِ اجماع ۔ قرآن ، حدیث ، قیاس ہے ۔

فائدہ اجماع :۔

اجماع یقینی کو تاکیدی اور ظنی کو یقینی کردیتا ہے ۔

فائدہ :۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی ایک مسئلہ پر اجماع ثابت کرنا بڑا دشوار کام ہے ۔

اجماعِ مرکب :۔

اجماع مرکب کو عدم القول بالفصل اور عدم القائل بالفصل بھی کہتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ ، مسئلہ میں دو قول ہوں تو تیسرے قول کے نہ ہونے پر گویا اجماع ہوگیا ۔

اثبات احکام کے لئے اجماع کے ایک حجت و سند کی حیثیت کے رکھنے کے ثبوت کے طور پر حضرت نے اپنی کتاب " الدین " میں باب الاجماع واتباع السواد الاعظم کے عنوان کے تحت آیت قرآنی اور احادیث پیش فرمائی ہیں جو ایک حیثیت سے شرعی دلیل ہیں ۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ (ال عمران)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ • تم لوگ بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے لے منتخب کئے گئے ہو۔ اچھی بات کا تم حکم دیتے ہو اور قابلِ انکار بات سے منع کرتے ہو۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اللہ لایجمع امتی او قال امة محمد علیٰ ضلالة وید اللہ علیٰ الجماعة ومن شذ شذ فی النار (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ)

کہا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا • بے شک اللہ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ • امت محمد کو گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونے نہیں دیتا۔ اور خدا کا زور اور اس کا ہاتھ جماعت پر رہتا ہے اور جو جماعت سے علحدہ ہوگیا وہ دوزخ کے حوالے ہوگیا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔ (رواہ ابن ماجہ من حدیث انس۔ مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگو! تم بڑی جماعت کے تابع رہو کیونکہ جو شخص اس سے (یعنی سوادِ اعظم سے) علحدہ ہوگیا وہ دوزخ میں گیا۔

وعن معاذبن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة و القاصیة والناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة۔ (رواہ احمد۔ مشکوٰۃ)

حضرت معاذبن جبل سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ • شیطان انسان کے حق میں ایک بھیڑیا ہے۔ جیسے بکری کا بھیڑیا کہ مندہ (ریوڑ) سے علحدہ رہنے والی بکری کو اور دور والی اور کنارے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے۔ لوگو! تم اپنے آپ کو پگڈنڈیوں سے بچاؤ اور جماعت اور عامة الناس کے ساتھ رہنے کو اپنے اوپر واجب سمجھو۔

وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ • جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا رہا اس نے اپنی گردن سے اسلام کی ڈوری نکال پھینکی۔

لن یجتمع امتی علیٰ ضلالة ابدا فعلیکم بالجماعة و ان ید اللہ علی الجماعة۔ (طب عن ابن عمر۔ کنز)

میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی پس تم پر واجب ہے کہ جماعت کا ساتھ دو۔ اور خدا کا ہاتھ (اس کی طاقت) جماعت پر ہے "۔

لایجمع اللہ عز و جل امر امتی علیٰ ضلالة ابدا اتبعوا السواد الاعظم ید اللہ علی الجماعة

• اللہ میری امت کے کام کو کبھی گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ لوگو! تم بڑے گروہ کا ساتھ دو۔ ان کی اتباع کرو خدا

من شذ شذ فی النار۔
(الحکیم وابن جریر.ک عن ابن عمر، ابن عباس۔ کنز)

کا ہاتھ اور اس کی قوت جماعت پر رہتی ہے۔ جو جماعت سے علٰحدہ ہوگیا وہ دوزخ میں داخل ہوا۔

عن الحسن قال بلغنی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال سالت ربی ان لا یجمع امتی علٰی ضلالۃ فاعطا نیھا۔
(ابن جریر۔ کنز)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے تو اللہ نے مجھے یہ چیز دے دی اور میری دعا کو قبول کرلیا۔

(لہذا امتِ محمدی گمراہی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی مردِ خدا حق بولتا ہے چاہے اس کی جان خطرہ میں ہو۔) انتہٰ

فقہِ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے

استنباطِ فقیہہ کے اثبات کے لئے قیاس کا مرتبہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد ہے۔ لیکن یہ اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے اجماع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ اجماعی مسائل عملاً محدود اور معدودے چند ہیں۔ اس کے علاوہ عصرِ اول کے بعد ہی سے علمائے دین مختلف شہروں اور دور دراز مقامات پر پھیل گئے۔ اور آج بھی یہی حال ہے۔ مشاورتِ عامہ کے لئے مجتہدین کا اجتماع اور کسی حکم پر اجماع ممکن العمل نہیں رہا۔ بخلاف اس کے ہر مجتہد اپنی فکر و نظر اور کتاب و سنت میں اپنے درک و بصیرت کے لحاظ سے ہر ایسے مسئلہ میں قیاس کرتا ہے جس کا کوئی حکم کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور نہ اس کے کسی حکم پر اجماع ہوچکا ہو۔ چونکہ ہر دور میں قیاس سے سابقہ پیش آتا تھا اس لئے کتاب و سنت نے بیانِ احکام پر اکتفانہ کی بلکہ ان کی علت و غایت کا بھی تذکرہ کرکے طریقِ قیاس کا دروازہ کھول دیا تاکہ منصوص کے ساتھ غیر منصوص کا الحاق کیا جاسکے اور اشتراک کی علت کی بناء پر از روئے قیاس غیر منصوص کا بھی وہی حکم قرار دیا جائے جو منصوص کا بیان ہوا ہے۔

قیاس کے بارے میں حضرت فرماتے ہیں۔ " بعض قیاسات کا ماخذ قرآن و حدیث ہوتے ہیں۔ وہ صحیح و درست ہیں۔ بعض آراء کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں۔ بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے اسی حکم کا استنباط کرتے ہیں۔ کم فہم اُس کے ادراک سے عاجز رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے ہے اس کا کوئی ماخذ نہیں حالانکہ ان لوگوں کی نظر اس قدر دقیق نہیں"۔ انتہٰ

حضرت نے اپنی کتاب الدین میں قیاس کے بارے میں دو سرخیاں قائم کی ہیں۔ ایک سرخی فی القیاس بغیر وجہ شرعی۔ یعنی بلا وجہ شرعی امور میں اپنے خیال کے تکے لگانے کے باب میں۔ دوسری سرخی فی القیاس بالوجہ الشرعی۔ یعنی وجہ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں۔ پہلی سرخی کے تحت ایسی حدیثیں پیش فرمائی ہیں جن کو پیشِ نظر رکھ کر آدمی قیاس کے سلسلہ میں پوری طرح محتاط رہے۔ کیونکہ قیاس و استنباط کے ذریعہ جو فروعی احکام ظاہر ہوتے ہیں وہ بعد میں بجائے خود ایک اصل کی سی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں۔ یعنی ان کو نظائر کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جس علت کی بناء پر وہ احکام ثابت ہوئے تھے وہی علت ایک نئے معاملے میں بھی پائی

جاتی ہے اس طرح قیاس پر قیاس کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے ۔ اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں جن سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جہاں وہ علت پائی جائے قیاس سے وہ حکم ثابت کیا جائے ۔ اور علت کا معین کرنا نہایت مشکل کام ہے ۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو آیات قرآنی اور حدیث پر عبور رکھنے کے علاوہ اپنی جودتِ طبعی سے شارع کے مقصود کو قرائن سے معلوم کر سکیں۔ ایسے ہی لوگ فقیہہ اور مجتہد ہوتے ہیں ۔ اور علت کا معلوم کرنا بس انہیں کا کام ہے ۔ حضرت نے قیاس اور علت کے بارے میں اپنی کتاب ۔ معیار الکلام ۔ میں اتنی تفصیل دی ہے کہ یہاں اس کو پیش کرنا بے موقع ہے ۔ کیونکہ ایک فقیہہ اور مجتہد ہی اس کو سمجھ سکتا ہے اور فائدہ اٹھاسکتا ہے ۔ البتہ الدین میں متذکرہ دونوں سرخیوں کے تحت جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں یہاں ان کو پیش کردیا جاتا ہے ۔

فی القیاس بغیر وجه شرعی

بلاوجہ شرعی امور میں اپنے خیال کے تکتے لگانے کے باب میں

قال الله تعالٰی ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفؤ اد کل اولئک کان عنه مسئولا۔ (بنی اسرائیل ۔ آیت ۳۶)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو (بلاوجہ کھوجی نہ بنو) بےشک کان آنکھ دل (وغیرہ) ان میں سے ہر ایک کے متعلق باز پرس کی جائے گی ۔

من قال فی الدین برایه فقد اتهمنی۔ (الدیلمی عن ابی ذر ۔ کنز)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے جس نے دینی معاملات میں اپنی رائے سے کام لیا تحقیق کہ اس نے مجھ پر تہمت لگائی ۔

لا تقیسوا فی الدین فان الدین لا یقاس و اول من قاس ابلیس۔ (الدیلمی عن علیؓ)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے دین کی باتوں میں اپنی طرف سے قیاس کو کام میں نہ لاؤ ۔ جس نے قیاس سے سب سے پہلے کام لیا وہ ابلیس ہے (اسی نے سب سے پہلے بے اصل قیاس کیا ۔ کیونکہ دین میں بے وجہ قیاس ناقابل قبول ہے)

من قاس حدیثی برایه فقد اتهمنی۔ (الدیلمی عن انسؓ)

جس نے میری باتوں کو (حدیث کے مطلب کو) اپنے قیاس پر ڈھال کر اپنی رائے دی پس بیشک اس نے مجھ پر تہمت لگائی ۔ (انتہیٰ)

مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر اگر کوئی شخص احکامِ شرعیہ کے مقابلہ میں اپنی عقل سے اپنی محض رائے سے کام لے ۔ دل کے تکتے لگائے اور قیاس سے کام لے تو اول من قاس ابلیس کے زمرے میں اس کا شمار ہوگا ۔ ایسا شخص جانتے بوجھتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانے کا مرتکب ہوگا ۔ چنانچہ وہ لوگ جو قیاس کے مخالف ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ پر بھی الزام دھرتے ہیں کہ آپ نے

دین میں قیاس کو دخل دیا اور اپنے قیاس سے ایسے مسائل نکالے تھے جو قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہیں ۔ لوگ اول من قاس ابلیس تو کہہ دیتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ ابلیس نے آخر غلطی کیا کی تھی کہ راندہ درگاہ خداوندی ہوا ۔

حضرت لکھتے ہیں :۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو جن میں سے اہم فرشتے ہیں سب کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ تعظیمی کریں ۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا ۔ اس نے ایک من گھڑت خیال لگایا کہ میں آگ کا ہوں اور آدم مٹی کا ہے ۔ آگ مٹی سے بہتر ہے ۔ لہذا میں آدم سے بہتر ہوں ۔ یہاں شیطان نے دو کھلی غلطیاں کی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ انسان کی جامعیت کو وہ سمجھ نہ سکا ۔ آدم کے مٹی ہونے پر اس کی نگاہ پڑی مگر آدم کی روحانیت اور دوسری لطیف صفات کو وہ سمجھ نہ سکا ، دیکھ نہ سکا ۔ دوسری غلطی شیطان سے یہ ہوئی کہ یہ نادان خدا کو نادان سمجھتا ہے کہ خدا افضل کو مفضول سے کمتر سمجھتا ہے اور اسے سجدہ کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ اصل میں یہ جاہل ، خدا کو واجب الاطاعت نہیں سمجھتا لہذا اس کے حکم کو بھی غلط اور ناحق سمجھتا ہے ۔ دیکھو ! خدا کے ایک حکم کو نہ ماننے کا نتیجہ کیا ہے ؟ ہمیشہ کے لئے مردودِ درگاہِ خداوندی ہوگیا ۔ (ترجمہ و شرح " الدین ") انتہیٰ

اہلِ حدیث فقہ کی توہین میں اپنی بے بصیرتی و عدم تفقہ کی وجہ سے اول من قاس ابلیس نہایت جرأت سے کہا کرتے تھے ۔ حضرت نے وجہِ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں جو ذیل میں نقل کیا جارہا ہے احادیث سے ان کے اس باطل خیال کو رد کیا ہے ۔

کسی شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے قیاس پر اعتراض کرکے اول من قاس ابلیس کہا ۔ امام ابو حنیفہؒ نے جواب دیا کہ ابلیس نے اپنے قیاس سے خدا کے کلام کو رد کیا تھا جس سے کافر ہوا ۔ اور ہم قیاس کو کتاب اللہ و سنت اور اقوالِ صحابہ کی طرف پھیرتے ہیں جس سے اتباع مقصود ہے ۔

في القياس بالوجه الشرعي
(وجہ شرعی پر مبنی قیاس کے باب میں)

قال الله تعالى. فاعتبروا يا اولى الابصار (الحشر آیت ۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اے بصارت والو (بصیرت والو) عبرت لو (ظاہر سے) باطن کی طرف ، مجمل سے مفصل کی طرف ، منشاء سے مقصود کی طرف ، قیاس کرو ، مسائل کے استنباط کرو ، مقاصد کو سمجھو ۔

افلا يتدبرون القران ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا. (النساء آیت ۸۲)

کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ؟ اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کے پاس سے نازل ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ۔

و قال الله تعالى ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (النساء آیت ۸۳)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور صاحبانِ حکم کی طرف رجوع کرتے تو اس کا صحیح مقصد اصلی وجہ ان میں سے استنباط کرنے والے ۔ تحقیقات کرنے

والے جانتے ۔ (یہاں صاحبانِ امر سے مراد علماء ہیں علماء کا کام ہے مسائل کو استنباط کرنا ۔ استخراج احکام کرنا ۔

و قال اللہ تعالٰی والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا۔ (عنکبوت آیت ۶۹)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں تو ضرور ہم انہیں اپنا راستہ آپ بتاتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلوٰۃ و لیس معھما ماء فتیمما صعیدا طیبا فصلیا ثم وجدا الماء فی الوقت فاعاد احدھما الصلوٰۃ بوضوء ولم یعد الاخر ثم اتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فذکرا ذلک فقال للذی لم یعد اصبت السنۃ واجزء تک صلوٰتک وقال للذی توضا وعاد لک الاجر مرتین۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی وروی النسائی نحوہ وقدروی ابوداؤد ایضاعن عطاء بن یسار مرسلا)۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا انہوں نے ایک سفر میں دو صاحب نکلے پھر نماز کا وقت آگیا ۔ ان کے پاس پانی نہ تھا ۔ دونوں صاحبوں نے اچھی (پاک) مٹی پر تیمم کرلیا اور نماز پڑھ لی ۔ پھر انہیں اندرونِ وقت پانی ملا پس ان میں سے ایک نے وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھی ۔ دوسرے نے اعادہ نہیں کیا ۔ دوبارہ نماز نہیں پڑھی ۔ پھر دونوں حضرات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت نے اس شخص کو جس نے دوبارہ نماز نہیں پڑھی تھی فرمایا تم نے سنت کے مطابق کام کیا اور تمہیں تمہاری نماز کافی ہوگئی ۔ اور جس نے دوبارہ نماز وضو کرکے پڑھی تھی اس سے فرمایا تمہیں دو دفعہ اجر ملا ۔ (اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا ۔ اور نسائی نے بھی ایسا ہی بیان کیا اور ابوداؤد نے عطاء بن یسار سے بھی مرسلاً ایسی ہی روایت کی ہے (مشکوٰۃ)

اذاحکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد فاخطافلہ اجر واحد ــ حم ۔ ق ۔ د ۔ ن ۔ ہ ۔ عن عمرو بن العاص حم ۔ ق ۔ عدعن ابی ھریرۃ ۔ کنز) •

جب حاکم حکم کرے اور اپنی حد تک کوشش بھی کرے اگر وہ صحیح نکلے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر حاکم نے حکم کیا اور اپنی حد تک (اجتہاد) کوشش کی مگر یہ کوشش غلط ثابت ہوئی خطا نکلی تو (اس کوشش کی وجہ سے اور اس کی نیک نیتی کی وجہ سے) اسے ایک اجر ملے گا ۔

• حم اشارہ ہے احمد سے ان کی حدیث کی کتاب " مسند " میں یہ حدیث انہوں نے بیان کی ہے ۔ دؔ سے مراد ابوداؤد ۔ نؔ سے نسائی ۔ ہؔ سے ابن ماجہ ۔ قؔ یعنی امام بخاری اور امام مسلم ۔ عد ابن عدی نے کامل میں یہ حدیث بیان کی ہے ۔ اس حدیث کو مندرجہ صدر محدثین حضرات نے بیان کیا ہے ۔ اور یہ حدیث مشکوٰۃ کے ۵۵ پر ہے اور کنز العمال کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۸۹ پر بھی ہے ۔ اسے عمرو بن العاص سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے ۔

عن عمرو بن العاص انہ سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یقول۔ اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فلہ اجران و ان حکم فاجتھد ثم اخطاء فلہ اجر۔ (رواہ البخاری)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے انہوں نے سنا۔ کہ جب حاکم کسی مسئلہ میں کوئی حکم کرے پھر (اس میں اپنی بساط بھر غور و فکر اور تدبر کرنے کی) کوشش بھی کی اور وہ کوشش صحیح بھی نکلے تو ایسی صورت میں اس حاکم کو (اس مسئلہ کا حکم صادر کرنے کے معاوضہ میں) اللہ تعالیٰ دو اجر دے گا، دوہرا معاوضہ دے گا (ایک ثواب تو مسئلہ بیان کردینے کا دوسرا ثواب اس مسئلہ میں جو پیچیدہ بات ہے تفصیل سے، شرح سے اپنی بساط بھر تدبیر و فکر سے بیان کرنے کے صلہ میں دیا جائے گا) اور جب کوئی حاکم کسی مسئلہ کا حکم کرے اور اس میں مقدور بھر کوشش بھی کی ہو مگر (اس کے تدبیر سے جو بات معلوم ہوئی وہ اتفاقاً غلط ہوگئی) اس میں اس سے خطا واقع ہوئی تو بھی اللہ تعالیٰ اسے ایک ثواب دے گا۔ (اس حدیث کو حضرت امام بخاری نے روایت کیا ہے)۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم لنا لما رجع من الاحزاب لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریضۃ فادرک بعضھم العصر فی الطریق فقال بعضھم لا نصلی حتی ناتیھا۔ و قال بعضھم بل نصلی لم یردمنا ذالک فذکروا ذالک للنبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فلم یعنف احدا منھم۔

(رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ احزاب سے واپس ہوئے فرمایا۔ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے۔ مگر بنی قریظہ میں (یعنی سرزمین بنی قریظہ میں) پھر بعض لوگوں کے پاس راستہ ہی میں عصر کا وقت آگیا۔ تو ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز نہ پڑھیں گے یہاں تک کہ بنی قریظہ کو نہ پہنچ جائیں گے۔ اور بعض نے کہا بلکہ ہم نماز ضرور پڑھیں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے یہ مقصد نہیں ہے (کہ وقت آجائے اور نماز نہ پڑھیں بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ وقت پر پہنچ جائیں)۔ اس بات کو لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ پھر آپ نے کسی کی سرزنش نہیں کی، ناخوشی کا اظہار نہیں فرمایا۔ (اس حدیث کو بخاری نے بیان کیا)۔

قرآن سے منطقی قیاس کی ایک مثال تفسیرِ صدیقی سے پیش کرتا ہوں جو حضرت نے تحریر فرمائی ہے۔

وسیجنبها الا تقی [۱۶]

ترجمہ: دوزخ سے، زیادہ پرہیزگار (زیادہ متقی) جدا رکھا جائے گا۔

صاحبو! یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے نازل ہوئی ہے یہاں ایک منطقی قیاس پیدا ہوا۔ ابو بکرؓ اتقیٰ ہیں اور بزرگ وہی ہے جو اتقیٰ ہو۔ کیونکہ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم۔ ہے اس قیاس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابو بکر صدیق تمام صحابہ سے بزرگ تر ہیں۔

قیاس کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اجتہاد کا تذکرہ فرمایا جس سے قیاس کے شریعت میں باوقعت اور نہایت اہم ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ تجرید البخاری کے درس کا موقع تھا۔ اور روایت یہ تھی۔

عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه قال لما توفی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و کان ابو بکر عزم للقتال من کفر من العرب فقال عمر کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا اللّٰه فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه و حسابه علی اللّٰه تعالٰی فقال و اللّٰه لا قاتلن من فرق بین الصلاة والزکاة فان الزکاة حق المال واللّٰه لو منعونی عناقا کانوا یؤد و نها الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لقا تلتهم علی منعها قال عمر فو اللّٰه ما هوالا ان قد شرح اللّٰه صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔

(تجرید البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو جو لوگ عرب کے منکرِ زکوٰۃ ہوگئے تھے ابوبکرؓ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ جس پر حضرت عمرؓ کہنے لگے۔ آپ ان لوگوں سے کیونکر لڑ سکتے ہیں؟ جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللّٰہ کہہ دیں۔ پس جو شخص لا الہ الا اللّٰہ کہہ دے تو بے شک اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچائی مگر بحقِ اسلام اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ ایک بھیڑ کا بچہ (زکوٰۃ میں) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے مجھے نہ دیں گے تو میں اس کے نہ دینے پر ضرور ان سے جنگ کروں گا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف اس وجہ سے تھی کہ اللہ نے ابوبکرؓ کے سینہ کو کھول دیا تھا اور میں سمجھ گیا کہ یہی حق ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے زکوٰۃ کا قیاس نماز پر فرمایا۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ حدیث کا علم رکھتے ہوئے بھی جنگ کرنے تیار ہوگئے کیونکہ ان کو اپنے قیاس کے حق ہونے پر یقین تھا۔

اب ہم چند اعتراضات کی طرف توجہ کریں گے۔ جن میں کچھ تو غلط فہمیاں ہیں اور کچھ بے دینوں کی احادیث کو ساقط الاعتبار کرنے کی کاوشیں ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ جب تک لکھنے کا طریقہ نہیں تھا۔ حافظے قوی تھے۔ جب سے اس طریقہ کی بنیاد پڑی حافظوں میں ضعف آگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاتکتبوا عنی یعنی احادیث مت لکھا کرو جو فرمایا تھا اس میں جہاں اور مصلحتیں تھیں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کل حدیثیں حافظوں میں محفوظ رہیں۔ اور فلیبلغ الشاھد الغائب۔ فرماکر تاکید کردی کہ حدیثیں یاد رکھ کر ان کی اشاعت کرو۔

حضرت نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے اپنی کتاب الدّین میں باب کتابۃ الحدیث کے عنوان سے ایک باب ہی قائم فرمادیا ہے اور اس میں ایسی حدیثیں پیش فرمائی ہیں جن سے تصدیق ہی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات حدیثیں لکھنے کا کام شروع ہوچکا تھا۔

باب کتابۃ الحدیث

(حدیث لکھنے کے بارے میں)

قال اللّٰہ تعالیٰ خذوا ما اتینکم بقوۃ۔

(البقرہ آیت ۶۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "لو جو کچھ ہم تمہیں (احکام) دیتے ہیں پوری قوت سے، مصمم ارادے سے"۔

عن ابن عمر و بن العاص رضی اللّٰہ عنہ قال کنت اکتب کل شیء سمعتہ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فنھتنی قریش وقالوا تکتب کل شیء و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الرضی والغضب فامسکت عن الکتابۃ حتی ذکرت ذلک لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فا و ما باصبعہ الی فیہ وقال اکتب فوالذی نفسی بیدہ مایخرج منہ الا حقا۔

(اخرجہ ابوداؤد۔ تیسیر)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ میں ہر وہ بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا، لکھ لیا کرتا تھا۔ لیکن مجھے قریش نے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں (کبھی) خوشی کی حالت میں فرمادیتے ہیں اور (کبھی) غصہ کی حالت میں۔ اور تم ہر چیز لکھ لیا کرتے ہو۔ (یہ سن کر) میں نے لکھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس بات کا حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا۔ آپ نے انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا تو لکھ لیا کر۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے (منہ سے) سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال شكا رجل من الا نصار الىٰ رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال يا رسول الله انى لا سمع منك الحديث فيعجبنى ولا احفظه فقال رسول الله صلى الله عليه واله و سلم استعن بيمينك واوما بيده الى الخط "۔

(اخرجه الترمذی ۔ تيسير)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا کہ ایک شخص نے جو انصار میں سے تھا ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس شکایت کی ، پھر عرض کیا یا رسول اللہ بےشک میں آپ سے حدیث سنتا ہوں پھر وہ مجھے پسند آجاتی ہے اور وہ مجھے یاد نہیں رہتی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ۔ اپنے ہاتھ سے مدد لے اور اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے خط (تحریر) کی طرف ۔ ٥

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال ماكان فى اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم اكثر حديثا منى الا ماكان من ابن عمر و فانه كان يكتب ولا اكتب۔

(اخرجه البخاری والترمذی ۔ تيسير)

حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ احادیث یاد رکھنے والا کوئی نہیں تھا مگر عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا ۔ ا

عن عمر بن عبدالعزيز انه كتب الى ابى بكر بن حزم انظر ماكان من حديث رسول الله صلى الله عليه و سلم فاكتبه فانى خفت دروس العلم و ذهاب العلماء ولا تقبل الا حديث رسول الله صلى الله عليه و سلم وليفشوا العلم و ليجلسواله حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرا۔

(اخرجه البخاری ۔ تيسير)

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے انہوں نے ابوبکر بن حزم کو لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کی جستجو میں رہو (جو مل جائے) اسے لکھ لیا کرو ۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے گذر جانے کا خوف ہوگیا ہے ۔ اور تم ہرگز قبول نہ کرو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کے ۔ لوگوں کو چاہئیے کہ وہ علم کو ظاہر کریں ۔ اس کے لئے مجلیس کریں تا کہ نہ جاننے والا جان لے ۔ کیونکہ علم مفقود نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ راز نہ ہوجائے ۔

٥ خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اُس بیاض کا نام جس میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیثیں قلمبند کرلیا کرتے تھے ۔ صادقہ ۔ تھا ۔ علاوہ ازیں جامع بیان العلم للقاضی ابن عبداللہ مطبوعہ مصر صفحہ (،،) میں بھی صادقہ کا ذکر ہے ۔

جردوا القران عن غیرہ
قرآن کو غیرِ قرآن سے الگ کرو

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا تکتبوا عنی شیئا غیر القران ومن کتب غیر القران فلیمحہ۔
(اخرجہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہا انھوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے نہ لکھو کچھ مجھ سے سوائے قرآن کے اور جس نے لکھا ہے غیرِ قرآن کو پس وہ اسے مٹا دے (یعنی قرآن میں غیرِ قرآن کو نہ لکھو۔ چنانچہ قرآن شریف میں سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کا لفظ بھی نہیں لکھا جاتا البتہ پڑھا جاتا ہے)۔

عن المطلب بن عبداللّٰہ بن خطب رضی اللّٰہ عنہ قال دخل زید بن ثابت الٰی معاویۃ رضی اللّٰہ عنہما فسأ لہ معاویۃ عن حدیث فاخبر بہ فامر معاویۃ انسانا یکتبہ فقال زید امرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ان لا یکتب شیئا من حدیثہ فمحی۔
(اخرجہ ابوداؤد)

حضرت مطلب بن عبداللہ بن خطب سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ زید بن ثابتؓ حضرت معاویہؓ کے پاس آئے پھر حضرت معاویہؓ نے ان سے ایک حدیث پوچھی اور انھوں نے بیان کردی۔ حضرت معاویہؓ نے کسی آدمی کو لکھنے کا حکم دیا تو حضرت زیدؓ نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حکم دیا کہ آپ کے احادیث میں سے کچھ نہ لکھا جائے پھر جو حدیث لکھی گئی تھی وہ مٹا دی گئی۔

ابھی ہم نے بیان کیا کہ حدیث نہ لکھنے کا حکم قرآن شریف کے ساتھ متعلق ہے۔ حدیث کو لکھنے کی ممانعت نہیں۔ کیونکہ خود حضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے استعن بیمینک فرمایا ہے (یعنی اپنے ہاتھ سے مدد لے)۔ نہ حدیث سے واقف نہ قرآن سے آگاہ نہ احادیث میں تطبیق دینے سے، ایک حدیث دیکھ لی اور دوسری حدیث سے بے خبر لگے من مانے احکام جاری کرنے۔ مزید لکھتے ہیں:

صاحبو! ایک غلط فہمی بے دینوں نے پھیلا رکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے وصال کے ڈھائی سو (۲۵۰) سال کے بعد حدیث کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے حدیث کی کتاب لکھی تھی۔ جو حضرت نبی کریمؐ کے صحابی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم دیا تھا کہ حدیثوں کے لئے جلسے کئے جائیں مدرسے بنائے جائیں۔

صاحبو! ذرا غور کرو۔ حضرت امام مالکؒ حضرت نافع کے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں انھوں نے "موطا" لکھی وہ ۹۳ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور وہ بکثرت تابعین سے روایت کرتے ہیں اور ان کی طرف "مسند ابوحنیفہ" منسوب ہے۔ حضرت امام محمد بن الحسن ۱۳۲ ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ ھ میں انتقال کیا۔ ان کی سینکڑوں کتابیں ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ان کی بھی ایک "موطا" ہے۔ حضرت امام شافعیؒ ۱۵۰ ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ ھ میں انتقال فرمایا آپ کی طرف کتاب "الام" منسوب ہے۔

یہ ڈھائی سو سال کی روایت بالکل غلط ہے۔ واقعات کے خلاف ہے۔ احادیث کو بے اعتبار کرنے کے لئے ایسے وسوسے پیدا کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر بن حزم جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا تابعی تھے۔ یہاں سلسلہ دراز ہی کب ہے؟ بات یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ دراز ہوتا ہے تو کچھ شک و شبہ پیدا ہوتا ہے جہاں سلسلہ درازی نہیں ہے وہاں شک و شبہ کو کیا دخل۔ انتہیٰ (ترجمہ و شرح "الدین")

اس سے زیادہ اور کیا ستم ظریفی ہوگی کہ بعض حضرات کہتے ہیں ۔ دراصل عرب اُمی اور ان پڑھ تھے قراءت اور کتابت سے ان کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ان کے غلط نظریے کو کاٹ پھینکنے کے لئے عہدِ نبوت اور عہدِ صحابہؓ کا وہ سرکاری تحریری مواد بہت کافی ہے جس میں فرامین، معاہدے، محصلین صدقات کے لئے ہدایات، خطوط، وثائق، مردم شماری کی رپورٹیں اور دوسرے کاغذات شامل ہیں۔ تاریخی ثبوت کے سامنے ان کے غلط نظریئے کیا وقعت رکھتے ہیں۔

ابن الندیم نے ایک روایت عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے ۔ سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا۔ اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا۔ اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے ۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب بن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس کے الفاظ تھے۔

حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان الحميرى من اهل وزر صنعا عليه الف درهم فضة كيلاً بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه شهدالله والملكان	یہ عبدالمطلب بن ہاشم جو مکہ کا باشندہ ہے کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں

(ابن الندیم ۸ طبع مصر)

اس دستاویز سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دستاویز کے آخر میں اللہ اور دو فرشتوں (کراماً کاتبین) کی گواہی عبدالمطلب نے جو لکھی ہے ان کے اللہ اور فرشتوں پر اعتقاد رکھنے کو ظاہر کرتی ہے۔

اب ہم اسلامی فقہ میں وسعت اور اس کے ارتقاء کے سلسلہ میں ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے تاکہ متعدد فقہی اسکولوں کے عالم وجود میں آنے کے وجوہات اور چاروں اسکول یعنی مذاہبِ اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے حق پر ہونے اور ان کی افادیت کا اندازہ ہوسکے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حینِ حیات اسلامی قانون کی بنیاد مکمل طور پر استوار ہوچکی تھی۔ قانون سازی، فتویٰ اور عدلیہ کے جملہ فرائض حضورؐ کی ذاتِ اطہر سے وابستہ تھے۔ مکہ میں حضورؐ کی ساری توجہ اعلانِ توحید اور شرک کے استیصال پر مرتکز رہی۔ مدینہ میں بعدِ ہجرت تشریع یا قانون سازی کا کام شروع ہوا۔ حضورؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کا مرکزِ فکر کتاب و سنت سے استنباطِ مسائل نہ تھا، بلکہ تمام تر توجہ جہاد و عمل، تلاوتِ قرآن اور حضورؐ کے قول و فعل، زندگی کے مختلف شعبوں میں حضورؐ کے طریقہ کار اور اس کے مطابق عمل کرنے پر مبذول تھی۔

۲۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اہل علم صحابہ بڑے تغیر سے دوچار ہوئے۔ جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور ممالک فتح ہوتے گئے اور متمدن اور غیر متمدن اقوام زیرِ نگیں آتے گئے ویسے ویسے نئے نئے مسائل ابھرتے گئے۔

حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہر چیز براہِ راست آپ سے حاصل ہوجاتی تھی ۔ اپنی قوتِ فکریہ کو کام میں لانے یعنی مسائل میں اجتہاد کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی ۔ سوائے اس کے کہ حکم سنیں اور تعمیل کریں ۔ اب بدلتے ہوئے حالات میں اجتہاد کے سوا چارہ نہ تھا۔ صحابہ کے اجتہاد کی نوعیت یہ تھی کہ سب سے پہلے وہ قرآن کی طرف رجوع کرتے قرآن میں حکم مل جاتا تو اس پر عمل کرتے نہ ملتا تو احادیثِ رسولؐ کی طرف متوجہ ہوتے ۔ مختلف مسائل میں حضورؐ کے فیصلوں کو ایک دوسرے سے پوچھ کر معلوم کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ۔ اور اگر زیرِ بحث مسئلہ میں کوئی حدیث محفوظ نہ ہوتی تو مقاصدِ شریعت اور اصولِ دین کی حدود میں رہ کر اپنی فہم ورائے سے اجتہاد کرکے قیامِ عدل اور مصالحِ عامہ کی سعی فرماتے ۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں کوئی نیا مسئلہ یا نئی بات سامنے آتی تو وہ حضرات صحابہ کرام کو جمع کرکے ان سے استفتاء فرماتے اور ان کے متفقہ فیصلہ پر عمل پیرا ہوتے ۔ اجماع کے مسئلہ کی پیدائش کا یہی دور ہے ۔ ونیز رائے اور قیاس کے استعمال میں وسعت اور نئے واقعات کے متعلق شرعی احکام میں ان کے اجتہاد کی نوعیت ، بعد آنے والوں کے لئے واقعاتی فقہ کے سلسلہ میں ایک دستور کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

۳ ۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں اہلِ علم صحابہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مدینہ چھوڑنے کا موقع نہ دیا تھا تاکہ ان کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھائیں ۔ یہ اہلِ علم صحابہ جن مقامات پر تشریف لے گئے اپنے ساتھ قرآن کے علاوہ احادیثِ رسولؐ اور احکامِ شریعت بھی لے گئے جن سے تابعین نے فائدہ اٹھایا ۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں ۔

" امتِ اسلامیہ میں فقہ کی اشاعت اس طرح عمل میں آئی کہ عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ذریعہ سے ۔ مدینہ میں زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے تلامذہ سے ۔ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلامذہ سے علم فقہ پھیلا " (اعلام الموقعین از ابن قیم ج ۱ ۲۳)

اب یہاں مزید علمِ فقہ کی تدوین و توسیع کے بارے میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک سپوت اور حضرت کے ایک لائق شاگرد ڈاکٹر حمید اللہ جیسے محقق کے ایک مضمون " تدوینِ قانونِ اسلامی اور امام ابو حنیفہ " سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ حاشیہ میں وہ حوالے بھی جو ڈاکٹر صاحب نے پیش فرمائے ہیں ۔

کوفہ میں علمِ فقہ صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول خدا نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے ان ہی سے رجوع کرے ۔ اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے ۔ ● ۱

حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس پندرہ سال چھوٹے تھے ایک طرح سے حضرت ابوبکر کے شاگرد کہے جاسکتے ہیں ۔ ان دونوں میں اتنی گہری دوستی تھی کہ اکثر ساتھ رہتے کوئی کام کرنا ہوتو مل کر کرتے ۔ ● ۲

● ۱ کتاب الترتیب الاداریہ المسمٰی نظام الحکومۃ النبویۃ لکتانی ج ۱ ۵۷

● ۲ مغازی الواقدی (مخطوط برٹش میوزیم ۱۰۳ سیرۃ شامیہ غزوہ خندق

عہدِ رسالت کے بعد خلافتِ صدیقی میں دونوں کا اشتراکِ عمل اور باہمی مشورہ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ شاید اسی ہم مزاجی کو دیکھ کر ہجرت سے بھی پہلے جب مواخاۃِ اولیٰ قائم کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہی میں بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا (۱●)۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ علومِ صدیقی نے علومِ فاروقی کے ساتھ امتـــزاج حاصل کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابتداءً ان ہی بزرگوں سے تعلیم پائی پھر براہِ راست جناب رسالت مآبؐ سے تفقہ حاصل کرتے رہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سـند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مســعود سے سیکھے (۲●)۔ ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کوفہ میں معلم بناکر بھیجــا (۳●)۔ ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ت ۵۰ھ) نے امتیاز حاصل کیا۔ اور کوفہ میں حضرت ابن مســعود کے جانشین بنے۔ علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی (ایک اور یمنی) نے مسجد کوفہ میں درسِ فقہ کے لئے سلسلہ جاری رکھا۔ اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہوگئی تو حماد بن ابی سـلیمان نے جو غالباً ایرانی تھے کوفہ کی درسگاہ فقہ کو مزید شہرت عطا کی۔ امام ابو حنیفہ ان ہی حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں حضرت علیؓ بھی جو "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" کے خطاب سے بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوئے تھے وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے اور اس طرح حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے علوم کوفہ میں جمع ہوگئے۔

مدینہ منورہ میں توسیع فقہ مزید براں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیع فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ارادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کردیا تھا۔ اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے فقہاءِ سبعہ نے جلد ہی بڑا امتیاز پیدا کرلیا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون ســازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ سخاوی نے وضاحت سے بیان کیا کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلسِ ہفت گانہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ماہر قرآن و حساب و میراث حضرت زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراکِ عمل سے تقسیمِ وراثت کے مقدمات کا فیصلہ کرتے اور معاہدات کے دستاویز لکھتے۔)

۲۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم

۳۔ حضرت زبیــرؓ کے بیٹے عمرو

۱● کتاب المحبر مولفہ ابن حبیب باب المواخاۃ (مخطوط برٹش میوزیم)

۲● الاستیعاب لابن عبدالبر ۱۵۳۶ ۲ ایضاً

۳● (کوفہ) حضرت عمرؓ نے جب مملکت اسلامیہ میں جابجا چھاؤنیاں تعمیر کرائیں تو حیرہ (جو ایرانی سرپرستی میں ایک خود مختــار مملکت تھی جس کو فتوحاتِ اسلام کے اولین سـیلاب میں حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں سپہ سالار خالدؓ بن ولید نے اس کی ایرانیوں سے گلو خلاصی کرائی) کے بالکل قریب ایک خالص عربی اور اســلامی شہر بسایا جس کا نام کوفہ رکھا گیا۔

یہاں یہ صرف معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس چھاؤنی میں حضرت عمرؓ نے کوئی بارہ ہزار یمنیوں کو اور کئی ہزار دیگر قبائل کو بسایا۔ ان میں ایک ہزار پچاســ صحابی تھے جن میں چوبیس (۲۴) بدری بھی تھے۔ (سیرۃ النعمان شبلی ۲۴ بحوالہ بلاذری و معجم البلدان یاقوت)

۴ ۔ بی بی میمونہ یا بی بی ام سلمہ کے مولیٰ سلیمان بن یسار

۵ ۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ ۔

۶ ۔ سعید بن المسیب

۷ ۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابو سلمہ یا حضرت عمر کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القریشی ۔

اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے اور تین نام لئے جاتے ہیں جو تینوں مشہور فقیہہ تھے ۔ ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کرلئے گئے ہوں ۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے زمانہ کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے ۔ اور مجلس ہفت گانہ فقہاء سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا ۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہوکر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے ۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو اگر سفیان بن عیینہ نے اپنے زمانے کے حالات دیکھ کر یہ کہا ہو کہ " اگر کوئی غزوات (تاریخ اسلام) کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے ۔ اگر کوئی مناسکِ حج کی مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ ۔ (۱۵)

حضرت ابن عمر زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے ۔ ان کے شاگردوں میں ان کے مولا نافع نے بڑا امتیاز حاصل کیا (۲۵) ۔ امام مالک ان ہی کے شاگرد تھے ۔ اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے ۔ امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ اور امام شافعی کے شاگرد امام احمدؒ بن حنبل ہیں ۔

اپنے اسی مضمون میں امام ابوحنیفہ کا طریقہ کار کے عنوان کے تحت ایک مقام پر حضرت ابوحنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں ۔

ایک دن کسی نے ان کے اجتہاد کرنے پر اعتراض کیا تو کہا ۔

میں قرآن ہی کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم ملے ۔ اگر اس میں نہ ملے تو رسول کی سنت پر عمل کرتا ہوں اور ثقہ لوگوں کے ذریعہ سے جو صحیح حدیث نبوی ملے اس کو لیتا ہوں ۔ اگر قرآن میں حکم ملے اور نہ سنتِ نبوی میں تو آپؐ کے صحابہ کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو خود کسی ایک کو ترجیح دیتا ہوں ۔ لیکن اگر صحابہ اور غیر صحابہ میں اختلاف ہو تو صحابہ کے قول کو ہرگز نہیں چھوڑتا ۔ ہاں جب رائے ابراہیم اور شعبی اور حسن بصری اور ابن سیرین اور سعید بن المسیب وغیرہ وغیرہ کی ہو تو جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے مجھے بھی ہونا چاہئیے ۔ (۳۵)

امام ابو حنیفہؒ کی تدوین " قانونِ اسلامی " کے عنوان کے ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ " ایک مرتبہ کسی نے ان سے ایک خاص مسئلہ کے متعلق پوچھا کہ صحابہ کرام تک اس کے متعلق ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے تھے ۔ آپ کیسے قطعی رائے ظاہر کرتے ہیں ؟ ابو حنیفہ نے کہا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یونہی رائے قائم کرلی ہے ؟ میں نے خاص اس مسئلہ پر پورے بیس سال غور و فکر کیا ، اس

۱۵ مناقب ابی حنیفہ للصمیری مخطوط استنابول ۔ نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ

۲۵ مولیٰ ۔ آزاد کردہ غلام ۳۵ موفق ۸۹/۱ ۔

عبداللہ

کے ماتحت چیزیں ڈھونڈیں اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسلمہ پر جانچ کی (کروری ۔ ۱۵ / ۱۱تا۱۵)
ایک دفعہ انہوں نے (ابوحنیفہ نے) قیاس کا اصول یوں بیان کیا تھا کہ قیاس ہر چیز میں نہیں چلتا ۔ قیاس صرف ان چیزوں میں چلتا ہے جن کا رائے سے ادراک ہوتا ہے ۔ قیاس کسی طرح ارکانِ دین کے ثابت کرنے اور اسباب و علل میں نہیں چلتا ۔ بلکہ صرف احکام کے ثبوت کے لئے چلتا ہے ۔ " (کروری ۱۳۵/۱ ملتمیٰ)

اختلافِ ائمہ کے بارے میں حضرت لکھتے ہیں :۔

" یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم و جاہل دونوں برابر نہیں ہوتے ۔ عالم کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے ۔ جاہلوں کا کام ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں سے پوچھیں ۔ ان سے سوالات کریں ۔ ان پر اعتماد کریں ۔ ان کے فتووں پر عمل کریں ۔ بلا تحقیق کوئی بات قابلِ تسلیم نہیں ہوتی ۔ علماء کو تحقیق و تدقیق کرنی چاہیئے ۔ خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسولؐ ۔

مبہم یا مجمل امور کی تعمیل میں کوئی صورت اختیار کی جائے تو وہ غلط نہیں ہوتی ۔ امتیازِ تمیزی پر ایک امر چھوڑا گیا ۔ اور اس کی تعمیل مختلف لوگوں نے اپنے اپنے اختیارِ تمیزی کے موافق کی تو سب حق پر ہونگے ۔ یہ نہیں کہ ایک حق پر ہو اور سب باطل پر ۔ یاد رہے کہ ایک حق پر اور سب باطل پر اسی وقت ہوں گے جب کوئی رائے واقعات پر مبنی ہو ۔ کیونکہ جو امر مطابقِ واقعہ ہو " صادق " ہے ۔ اور جو مطابق واقعہ نہ ہو " کاذب " ہے ۔ امر مبہم جو اختیارِ تمیزی پر موقوف ہو اس کا کوئی واقعہ و محکی عنہ ہی نہیں ہوتا تو مطابق و غیر مطابق اور صادق و کاذب کی وہاں گنجائش ہی کہاں ؟ لہذا اپنے اپنے اعتبار سے سب صحیح و درست ہوسکتے ہیں ۔

بعض قیاسات کا ماخذ قرآن و حدیث ہوتے ہیں ۔ وہ صحیح اور درست ہیں ۔ بعض راویوں کا ماخذ نہ قرآن ہوتا ہے نہ حدیث ہی ہوتی ہے وہ درست نہیں ۔ بعض دفعہ بعض امام قرآن و حدیث سے کسی حکم کا استنباط کرتے ہیں ۔ کم فہم اس کے ادراک سے عاجز رہتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نری رائے ہے اس کا کوئی ماخذ نہیں ہے ۔ حالانکہ ان لوگوں کی نظر اس قدر دقیق نہیں ۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ اپنے خاندان ، اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے ۔ ان ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے ، اور دوسروں کے تفصیلی حالات سے واقف ہوتا ہے نہ ان پر اعتماد ہی کرتا ہے ۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک شخص کو کثرتِ روایت سے یقین یا ظن پیدا ہوتا ہے اور دوسرا راویوں کے ثقہ و فقیہ ہونے کو اہم سمجھتا ہے ۔

امام ابوحنیفہ قرآن کے عام اور مطلق کو اس کے افراد میں یقینی سمجھتے ہیں ۔ اور حدیثِ غیر متواتر سے قرآن شریف کی نہ تعیین کرتے ہیں نہ تقیید ۔ کیونکہ ان کی رائے میں موجبہ کلیہ کا نقیض سالبہ جزئیہ ہے ۔ عام و مطلق قرآن کے خلاف اس کے نقیض پر عمل کرنے کو انکارِ قرآن کے مماثل جانتے ہیں ۔

بعض ائمہ قرآن کے عام کو قطعی و یقینی نہیں سمجھتے ۔ ان کے نزدیک ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے ۔ لہذا وہ خبرِ آحاد سے جو ظنی ہے قرآن کی تخصیص و تقیید کرتے ہیں اور نہ اس کو حدیث کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں اور قرآن کی تخصیص و تقیید نہ کرنے والوں کو اہل الرائے اور مخالفِ حدیث سمجھتے ہیں ۔ ولکل وجھة ھو مولیھا ۔

حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے بہت سے اصحاب مثلاً زبیرؓ بن العوام الفاظ نبوی حفظ ہوتے تو روایت کرتے ورنہ نہیں کیا۔ یعنی روایت بالمعنیٰ کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور بہت سے دوسرے اصحاب روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے۔

مالکی لوگ اہلِ مدینہ کے تعامل عام کے خلاف کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا تو یہ سمجھتے کہ اس نے گویا تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت یعنی مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا۔ دوسرے مذاہب والے اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ اہلِ مدینہ بے خبر رہے ہوں اور دوسرے شہر والوں کو اطلاع مل گئی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات ہر حکم کی بابت شہادت کے نصاب کے موافق ثبوت طلب کرتے تھے۔ یعنی دو مرد۔ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی روایت کے بغیر حکم ثابت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی حکمِ نبوی سنایا جاتا اور نصابِ شہادت پورا نہ ہوتا تو قسم دیتے اور قسم کو تکملہ شہادت سمجھتے۔

متقدمینِ ائمہ کے پاس عامۃ الناس آتے اور ان سے سوال کرتے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ ان کو ائمہ پر اتنا اعتماد ہوتا کہ وہ نہ قرآن پوچھتے نہ حدیث، امام جو حکم دیتا اس پر عمل کرتے۔ بعض ائمہ ہر سوال کا جواب قال اللہ، و قال الرسول سے دیتے۔ متعلقہ آیات کے سوا متنِ حدیث سنا دیتے۔ اور سند بیان نہ کرتے۔ ایسے احادیث کو "مرسل" کہتے ہیں۔ حنفی مذہب میں حدیثِ مرسل قابل استناد ہے۔ چاہے سند نہ بیان کی گئی ہو۔ مگر راوی یا امام معتمد علیہ اور موثق بہ ہو۔ محدثین احادیثِ مرسل کو تسلیم نہیں کرتے مگر بخاری شریف میں مقطوعات بکثرت ہیں۔ امام بخاری ایک حدیث کا ٹکڑا ایک جگہ لکھ دیتے ہیں مگر کسی دوسری جگہ پوری حدیث مع سند بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری استاد و شاگرد کی ملاقات کو ضروری سمجھتے ہیں ورنہ حدیث قبول نہیں کرتے۔ امام مسلم دونوں کے ہم زمانہ ہونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ بعض حضرات صرف حدیثِ صحیح کو قبول کرتے ہیں۔ اگر تائید میں دوسری حدیث مل جاتی ہے تو اس کو صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔

بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات میں قابلِ عمل سمجھتے ہیں اسی طرح ائمہ کے مختلف مذاق ہیں۔ ہر ایک اپنے مذاق کے موافق حدیث کو قبول کرتا ہے۔ کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار ہوجاتا ہو۔ بلکہ فتبینوا پر عمل کرکے شرائط کے موافق حدیث تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خلافِ حدیث عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں ان کی تنقید ضروری ہے۔ بھلا کوئی مسلمان فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سرتابی کیوں کر کرسکتا ہے۔ ائمہ کو مخالفِ حدیث سمجھنا صرف زبان درازی ہے۔

صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث شائع و ذائع ہیں۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی سب کے سامنے ہیں۔ ان کتبِ حدیث کی اتباع میں علماء نے شرح کی ہے ان پر یہ الزام لگانا کہ باوجود احادیث کے مطالعہ کے اپنے امام کے مذہب پر اڑے رہے سخت سوءِ ظن ہے۔ ان بعض الظن اثم۔

اب ذرا اس پر بھی غور کرو کہ ان چاروں ائمہ کی تقلیدِ شخصی کی جاتی ہے یا یہ چار مذہب چار مکتب اور اسکول ہیں۔ جن میں وقت بہ وقت مسائل تحقیق ہوتے رہتے ہیں۔ ثبوتِ حدیث صحیح اور عرف کے بدلنے نئے حالات کے پیدا ہونے کی وجہ سے امام سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ہر مذہب کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمایئے۔ نہ صرف فروع میں امام سے اختلاف کیا جاتا ہے بلکہ اصول میں بھی۔ تاہم ایک

مذہب میں بہ نسبت دوسرے مذہب کے افراد کی قربت اور مناسبت پائی جاتی ہے ۔ مثلاً اصولی اختلاف امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف ، امام محمد ، امام زفر اور امام حسن بن زیاد میں بھی ہے ۔ علماءِ محققیسن کبھی امام یوسف کے قول پر کبھی امام محمد کے قول پر ، کبھی امام زفر کے قول پر فتوے دیتے ہیں ۔ تحقیق کو نری تقلیدِ شخصی سمجھنا اور کسی امام کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ احادیثِ صحیحہ کو نہیں مانتے اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے ۔

یہ بھی تو غور کرو کہ مسائلِ شرعیہ کے حل کرنے والے کتنے قسم کے عالم ہیں ۔ ہر قسم کے عالم کے لئے کس قسم کے معلومات کی ضرورت ہے ۔

عربی ادب کی بہر صورت ضرورت ہے ۔ عربی کے لئے لغت ، محاورات ، نحو ، صرف ، معانی بیان سے واقفیت کی حاجت ہے ۔ قرآن شریف اور اس کے لئے تفسیر و اصولِ تفسیر کی احتیاج ہے ۔ حدیث اور اس کے لئے اصولِ حدیث ، اسمائے رجال کا علم لابد ہے ۔ فقہ اور اس کے لئے اصولِ فقہ ، منطق ، اجماعی مسائل و اختلافِ ائمہ سمجھنے کے بغیر چارہ نہیں ۔ زمانے کے نئے نئے مسائل سے واقفیت اسرار و مقاصدِ دین ، عرف ، عامۃ البلویٰ غرض بیسیوں امور کے جاننے کے بعد کہیں ایک حکمِ شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے ۔

علماء میں بعض مجتہدینِ مطلق ہوتے ہیں وہ مستقل صاحب الرائے ہوتے ہیں ۔ ان کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے ۔ ان کا ایک خاص اجتہاد ، خاص طرز استدلال ہوتا ہے ۔

بعض مجتہد فی المذہب ہوتے ہیں ۔ استاد کا ان پر بڑا اثر رہتا ہے ۔ کہیں کہیں استاد سے اصولی اختلافات بھی رکھتے ہیں ۔ فروع میں اپنے اجتہاد پر رہتے ہیں ۔

مجتہد فی المسئلہ ، کوئی نئی صورت پیدا ہوجائے تو اس کا جواب دے سکتے ہیں ۔ احادیث پر غور و فکر کرتے ہیں ۔ کوئی حدیث صحیح ثابت ہوتی ہے تو اپنے اساتذہ کے خلاف اس پر فتوے دیتے ہیں ، صحیح عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔

" اصحابِ استنباط " خود قرآن و احادیث سے ذاتی تحقیق نہیں کرسکتے مگر اپنے مذہب کے کلیات سے تشریعات کرتے ہیں جزئیات کا حکم نکالتے ہیں ۔

" اصحابِ ترجیح " بعض لوگوں میں قوتِ تمیز کم ہوتی ہے ۔ اس بناء پر ایسے لوگ مختلف اقوال میں سے ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں ۔ بعض " مفتی " کہلاتے ہیں ۔ جو فقہ کی کتابوں سے جزئیات نکالتے ہیں ۔ یہ لوگ اصل میں ناقل ہوتے ہیں ۔ ذاتی کوشش صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کتابوں میں سے تلاش کرکے مسئلہ کا جواب نکالتے ہیں ۔ ان کے خیال میں تحقیقات و استنباط کا دروازہ بند ہوگیا ہے ۔ ہر نئی بات حرام و ناجائز سمجھتے ہیں ۔ ایسے لوگ شافعی میں بھی ہیں ۔ مالکی میں بھی ، حنبلی میں بھی اور حنفی میں بھی ۔

صحابہ کے زمانہ میں بھی اختلافِ آراء ہوتا تھا مگر وہ باہم ایک دوسرے کو " باطل " یا " بے دین " نہیں سمجھتے تھے ۔ ائمہ باوجود باہمی اختلاف کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کیسا زمانہ آگیا ہے ۔ آمین بالجہر ، رفع یدین کرنے والوں کی مسجد جدا اور حنفی و شافعی کی مسجد الگ ۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں ۔ اور اپنے خانگی معاملات یا مذہبی امور میں غیر مسلموں سے فیصلے کرواکر انہیں ماننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں ۔

ایک دفعہ بغداد شریف میں مسجد غوثیہ میں فقیر نے مغرب کی نماز پڑھی۔ حنفیوں اور حنبلیوں کی دو جماعتیں صف کے بازو صف لگا کر بہ یک وقت نماز پڑھ رہی تھیں اللہ اکبر کی آواز سن کر انسان حیران ہوجاتا تھا کہ یہ ہمارے امام کی آواز ہے یا دوسرے امام کی۔ عبدالعزیز سعودی نے ایک نماز کے لئے حنفی اور ایک نماز کے لئے شافعی، ایک کے لئے حنبلی اور ایک کے لئے مالکی امام مقرر کیا ہے۔ اور تمام مذاہب والوں کو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھنی ہی پڑتی ہے۔

(رسالہ مشاجرات صحابہ و اختلاف ائمہ از حضرت قبلہؒ)

حضرت نے معیار الکلام میں حسب ذیل اصول و کلیاتِ فقہ تحریر فرمائے ہیں۔

عقود میں اعتبار مقاصد و معانی کا ہے نہ کہ صرف الفاظ و عبارت کا، شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ہر شئے جس حال پر تھی اسی حال پر رہے گی۔ قدیم اپنی قدامت پر رہے گا۔ ضررؔ قدیم سے نہیں مانا جاسکتا۔ ذمہؔ کا بری رہنا اصل ہے صفاتِ عارضہ میں اصل عدم ہے۔ ایک امر جو کسی زمانہ میں ثابت ہوجائے جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو وہ ثابت ہی سمجھا جائے گا۔ اس کو استصحاب کہتے ہیں۔ اثر نو پیدا وقتِ قریب سے متعلق کیا جاتا ہے۔ منصوص کے خلاف اجتہاد کو گنجائش نہیں۔ خلافِ قیاس مقدمہ پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نقیض نہیں ہوسکتا۔ مشقتؔ سے آسانی پیدا ہوتی ہے اور صعوبت سے سہولت اور تنگی باعث وسعت۔ نہ ضررؔ اٹھاؤ نہ ضرر پہنچاؤ۔ ضررؔ زائل کیا جائے گا۔ مانع زائل ہوجائے تو ممنوع پھر موجود ہوجاتا ہے۔ ایک ضرر دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔ ضرر عام کے لئے ضرر خاص قابلِ اختیار ہے۔ ضررؔ خفیف سے ضرر شدید زائل کیا جاتا ہے۔ دو فساد جمع ہوں تو خفیف تر کو اختیار کریں گے۔ خیر الخیرین کو اختیار اور شر الشرین کو ترک کرنا چاہیئے۔ فساد کا دور کرنا منفعت کے حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ جب تک ممکن ہو ضرر دور کیا جائے گا حاجت عام ہو یا خاص بمنزلہ ضرورت کے ہے۔ اپنے ضرر کی خاطر دوسرے کا حق باطل کرنا جائز نہیں۔ جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا حرام ہے اس کی طلب اور ارادہ بھی حرام ہے۔ عادتؔ ایک حکم ہے۔ جو عادتاؔ ممتنع ہے وحکماً ممتنع ہے۔ زمانہ کے تغیر سے احکام میں بھی تغیر ہوتا ہے معنائے حقیقی بخلافِ عادت ترک ہوسکتے ہیں۔ عادتؔ کا اعتبار کثرت یا غلبہ پر ہے۔ غالب کا اعتبار ہے نہ کہ نادر کا۔ جو امر کہ عرف میں معروف ہو وہ بمنزلہ شرط کے ہے۔ مانع و مقتضیٰ میں مانع پر عمل کیا جاتا ہے۔ شئے کا تابع حکم میں بھی تابع ہے۔ تابع کا حکم علٰحدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک شخص کسی چیز کا مالک ہو تو اس کے ضروریات کا بھی مالک ہوگا۔ جب اصل جاتی رہتی ہے تو فرع بھی جاتی رہتی ہے۔ جو حق کہ ساقط ہوگیا مثل معدوم کے پھر نہیں موجود ہوسکتا۔ جب اصل شئے زائل ہوجاتی ہے تو بالضرور اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ توابع میں ایسی چیزوں کی حاجت پڑتی ہے کہ اس کے غیر میں حاجت نہیں پڑتی۔ ابتداء میں جو چیز جائز ہو وہ انتہا میں جائز ہوسکتی ہے۔ بہ نسبتؔ شروع کے آخر کار سہل ہے۔ تبرع بغیر قبضہ کے کامل نہیں ہوتا۔ رعیت پر مصلحت سے تصرف و حکومت کی جاتی ہے۔ ولایتِ خاص بہ نسبت ولایتِ عام کے قوی تر ہے۔ جب تک ممکن ہو کلام مہمل نہ کیا جائے۔ جب حقیقی معنیٰ نہ بن سکیں تو مجازی معنیٰ لئے جائیں گے۔ کلام کے معنیٰ نہ حقیقی درست ہوسکیں اور نہ مجازی تب ناچار کلام مہمل سمجھا جائے گا۔ جس چیز کے ممتاز و علٰحدہ اجزا نہ ہوں اگر اس سے بعض حصہ کا ذکر کریں تو بجائے ذکرِ کل کے ہوگا۔ مطلق بالنص یا بالدلالت مقید نہ ہو تو مطلق ہی رہے گا۔ غائب کا وصف کرنا معتبر ہے حاضر و مشارالیہ کا وصف کرنا لغو ہے۔ جو سوال میں مذکور ہو وہ جواب میں مقدر ہوگا۔ ضرورت ہی کے وقت ساکت سے کلام متعلق کیا جائے گا۔ جس شئے کی حقیقت پر اطلاع دشوار ہو تو اس کی دلیل و علامت ہی

قائم مقام ہوگی تاکہ ظاہرِ حال پر حکم ہوسکے۔ کتاب مثل خطاب کے ہے۔ گونگے کے مقررہ اشارے مثل بیانِ زبانی کے ہے۔ مترجم کا قول بلاف مقبول ہے۔ جو بیان کہ اس میں خطا ظاہر ہو اس کا اعتبار نہیں۔ جو احتمال کہ دلیل سے پیدا ہو اس کے ہوتے ہوئے کوئی امر حجت نہیں۔ توہم کا اعتبار نہیں۔ جو امر کہ بدلیل ثابت ہو وہ گویا بالمعاینہ ثابت ہے مدعی پر بینہ ہے منکر پر حلف۔ آدمی اپنے اقرار سے ماخوذ ہے۔ گواہ خلافِ ظاہر کے اظہار کے لئے بینہ (گواہ کی شہادت) حجت معتبہ ہے اقرار حجت قاصرہ ہے۔ انکار از قسم سے اصل دعویٰ باقی رہتا ہے باطل نہیں ہوتا۔ اگر حجت میں تناقص ہو تو وہ حجت حجت نہ رہے گی۔ کبھی فرع پر حکم ثابت ہوتا ہے اور اصل پر ثابت نہیں ہوتا۔ جو امر مشروط بہ شرط ہو وہ ثبوتِ شرط سے ثابت ہوگا۔ جب تک ممکن ہو شرط کی رعایت کی جائے گی۔ جو وعدہ کہ بشرطِ شکل ہو وہ لازم ہوجاتا ہے۔ ضمان (تاوان) سے اجرت و خراج ساقط ہوجاتا ہے۔ اجرت اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ الغرم بالغنم یعنی جو نفع اٹھائے گا وہ نقصان کا بھی متحمل ہوگا۔ نعمت بقدر قمت ہے اور قمت بقدر نعمت۔ فاعل پر حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ آمر پر مگر یہ کہ فاعل پر آمر نے جبر و اکراہ کیا ہو۔ جو امر شرعاً و قانوناً جائز ہو اس کے سلب سے ضمان لازم نہیں آتا۔ مرتکبِ فعل اگرچہ عمداً نہ ہو ضمان دے گا۔ مسبب فعل بدون عمل کے ضمان نہ دے گا۔ چوپایوں کا ضرر معاف ہے۔ کسی کو حکم دینا کہ ملکِ غیر میں تصرف کرلے باطل اور لغو ہے۔ کسی کو جائز نہیں کہ ملک غیر میں بدون اس کی اجازت تصرف کرے۔ کسی کو جائز نہیں کہ بےوجہ شرعی کے کسی کا مال لے۔ اگر کسی شئے کے ملک کا سبب بدل گیا تو گویا اس شئے کی ذات بدل گئی۔ جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرے تو وہ محروم رہتا ہے۔ جو شخص ایک کام اپنی سعی سے پورا کرچکا ہے تو پھر اس کے خلاف کوشش باطل ہے۔ تکلیف مالایطاق درست نہیں۔ حدود شبہ سے ساقط ہوتے ہیں۔ سکوت محلِ بیان میں، حکم میں بیان کے ہے۔ ایک معاہدہ میں کئی معاہدے درست نہیں۔ معدوم کی بیع باطل ہے۔ مگر استحساناً بیع سلم واستصناع میں توصیفِ کامل بمنزلہ وجود کے سمجھی جاتی ہے۔ وکیل کا کام موکل کا کام سمجھا جائے گا۔

شہادت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔

اس کے متعلق حضرت نے چند ارشادات لکھے ہیں۔ ان کو بغرضِ استفادہ یہاں نقل کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

• شہادت سے غرض یقین یا ظن کا حاصل کرنا ہے۔ یقین کا آنا یا ظن کا پیدا ہونا انسانی فعل نہیں ہے۔ بلکہ دل کی حالت ہے۔ کیفیت ہے۔ معاملہ جتنا اہم ہوگا اس کی شہادت میں بھی اتنی ہی اہمیت ہوگی۔ شہادت سے پہلے خفیہ طور سے شاہدوں کے حالات سے واقفیت حاصل کی جائے گی شاہدوں کے حالات بیان کرنے والے کو مزکی کہتے ہیں۔ اسلام میں تہمتِ زنا کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے اس پر چار گواہ کی ضرورت ہے چونکہ عورتیں ناتجربہ کار ہوتی ہیں لہٰذا حدودِ قصاص میں ان کی شہادت کو دخل نہیں ہے۔

عام طور پر شہادت میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نصابِ شہادت ہیں۔

رمضان کے چاند کے لئے ایک گواہ کافی سمجھا گیا ہے۔ اور شوال کے چاند کے لئے کافی گواہوں کی ضرورت ہے۔ کیونکہ روزہ چھوڑنا ہے۔ ولادت وغیرہ میں ایک عورت کافی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ ولادت کے وقت مردوں کی گنجائش نہیں۔ عورتیں بھی اکثر ہٹ جاتی ہیں۔ باہمی عداوت کے خیال سے غیر مذہب والوں کی شہادت ناقابلِ وثوق ہوتی ہے۔

ہمدردی اور رعایت کی وجہ سے قریبی قرابت دار کی شہادت مشتبہ ہوجاتی ہے۔ یقین کے پیدا کرنے میں قرائن کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور قطعی قرائن پیدا ہونے پر انسان یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

صاحبو ! قتل پر دو گواہ کافی سمجھے گئے اور زنا پر چار ۔ اس زمانہ میں نہ زنا کی اہمیت ہے نہ تہمت زنا کی ۔ اگر کوئی شخص کسی محصنہ عورت کو زنا کی تہمت لگاتا تو اسے حدِ قذف یعنی کوڑے لگائے جاتے ۔ اور خاوند سے لعان کیا جاتا ۔ یعنی دونوں ایک دوسرے پر جھوٹے ہونے کی صورت میں لعنت کرتے ۔

افسوس ! مسلمان کس حالت میں ہیں ۔ ان کے اخلاق اور ان کا تمدن کس قدر تبدیل ہوگیا ہے ۔ گزشتہ مسلمانوں میں اور اس زمانے کے مسلمانوں میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا ان کے زمانوں میں ۔

اسلام اس زمانے کے مسلمانوں کو دیکھتا ہوگا تو ضرور شرماتا ہوگا ۔ اور اس زمانے کے مسلمان اس کو اجنبی معلوم ہوتے ہوں گے ۔ پہچانت کی کیا صورت ۔ نہ صورت نہ شکل نہ اخلاق نہ عادات پھر اسلام کیوں کر پہچانے کہ یہ مسلمان ہیں ۔

(۸ المائدہ تفسیرِ صدیقی)

حضرت نے شہادت نصاب شہادت ، طریقہ شہادت ، شرطِ شہادت ، ترجیح شہادت ، شہادتِ قانونی ، اقسامِ شہادت ۔ بارِ ثبوت ، قیاس ، امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت ، اصولِ کلیہ شہادت کے بارے میں اپنی کتاب معیار الکلام میں بعض تفصیلات لکھی ہیں یہاں نقل کر دیا جاتا ہے تاکہ معتد بہ فائدہ ہو ۔

شہادت ۔ گواہی

شہادت دو طرح کی ہے ۔ ۱۔ شرعی ۔ ۲ ۔ قانونی

شہادتِ شرعی میں امورِ ذیل قابلِ توجہ ہیں ۔

۱ ۔ شہادت کی تعریف ۲ ۔ نصاب ۳ ۔ طریقہ شہادت ۴ ۔ حلفِ شاہد ۔ ۵ ۔ شرائطِ شہادت ۶ ۔ مطابقتِ شہادت بدعویٰ ۷ ۔ اختلافِ شہود ۸ ۔ تزکیہ شہود ۹ ۔ رجوعِ شہود ۔ ۱۰ ۔ تواتر ۱۱ ۔ حجتِ تحریری ۔ ۱۲ ۔ قرینہ قاطعہ ۔ ۱۳ ۔ ترجیح شہود ۱۴ ۔ حکمِ ظاہر ۔ ۱۵ ۔ بارِ ثبوت ۔

شہادت ۔ شہادت بہ لفظ اشہد للہ عدالت میں ہوتی ہے ۔

نصابِ شہادت ۔ ۱ ۔ زنا میں چار مرد ۲ ۔ دیگر حدود و قصاص میں دو مرد ۔ ۳ ۔ حقوق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ۴ ۔ اور ایسے امر میں کہ مردوں کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی ۔ ایک عورت بھی کافی ہے جیسے ولادت ۔

طریقہ شہادت ۔ شاہد کو ضرور ہے کہ معائنہ کیا ہو ۔ اور اشہد کہے ۔

اندھے کی گواہی مبصرات میں ناقابلِ قبول ہے ۔

سنی سنائی شہادت قابلِ قبول نہیں ۔

جائداد غیر منقولہ میں حدود بیان کرے یا بتادے تو کافی ہے

قبالہ میں جو حدود بیان ہوتے ہیں ان کا حوالہ دینا بھی کافی ہے

شرطِ شہادت ۔ محسوس کے خلاف شہادت مقبول نہیں ۔

متواتر کے خلاف شہادت مقبول نہیں ۔ نفیِ محض گواہی نہیں ہوسکتی ۔

اگر احتمال ہے کہ گواہی سے مضرت سے محفوظ رہے گا یا منفعت حاصل کرے گا تو وہ گواہی مقبول نہیں ۔ جیسے شریک ۔ ماں باپ ۔ گواہ صریح دشمن نہ ہو ۔

شہادت کسی شخص کی اپنے کام پر مقبول نہیں ۔

گواہ عادل ہوں ۔ کمینے ۔ رذیل ۔ بدمعاش ۔ بے مروت نہ ہوں ۔ اتہام کرنے میں سزا یافتہ نہ ہوں ۔

مطابقتِ شہادت بدعویٰ ۔ ضرورت ہے کہ شہادت دعویٰ کے مطابق ہو ۔

ضرور ہے اتفاقِ شاہدین لفظ و معنیٰ میں ہو ۔

مرادف لفظ کا استعمال منع نہیں ہے ۔

زمان یا مکان یا مقدار یا رنگ میں اختلاف مانعِ قبولِ شہادت ہے ۔

مہر کا اختلاف اصل نکاح کو باطل نہیں کرسکتا ۔

کوئی فعل کئی وقتوں میں ۔ کئی مقاموں میں ہوسکتا ہے تو اختلاف قابلِ تاویل ہے ۔

حلفِ شاہد : مدعی علیہ شاہد کا حلف طلب کرے تو حاکم حلف دے سکتا ہے ۔

تزکیہ شاہد : حاکم کو چاہئیے کہ مدعی علیہ طلب کرے تو شاہد کے چال و چلن کو دریافت کرے ۔ حاکم کو چاہئیے کہ حدود و قصاص میں خود شاہد کے چال و چلن سے واقفیت حاصل کرے ۔

رجوع از شہادت : قبلِ فیصلہ شاہد شہادت سے پلٹ جائے تو اگر نصابِ شہادت باقی رہے تو فیصلہ کیا جائے گا ۔ ورنہ نہیں مگر شاہدِ کاذب کو سزا دی جائے گی ۔

فیصلہ کے بعد شاہد رجوع کرے تو فیصلہ باقی رکھا جائے گا ۔ اور شاہد پر ضمان و تاوان آئے گا ۔

تواتر : تواتر میں کوئی مقدار معین نہیں ۔ لیکن اس قدر گروہ ہو کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا متصور نہ ہو ۔ تواتر سے علمِ یقین حاصل ہوتا ہے ۔ اس لئے تواتر کے خلاف گواہ نہیں لئے جائیں گے ۔

حجتِ تحریری ۔ کسی کے خط و مہر پر حکم نہیں دیا جاسکتا ۔ بجز فرامین و احکامِ دفاترِ سرکاری کے ۔

شاہد اپنا خط دیکھ کر جب تک اس کو یاد نہ آئے شہادت نہیں دے سکتا ۔ صاحبین کے پاس دے سکتا ہے ۔

قرینہ قاطعہ : سنی سنائی شہادت ناقابل قبول ہے ۔ بجز نسب ۔ موت ۔ نکاح ۔ وطی اور ولایتِ قاضی کے لئے ۔

شاہدِ فرع : اصل شاہد کی شہادت ناممکن یا دشوار ہو تو شاہدِ فرع کی شہادت درست ہوسکتی ہے ۔

ترجیح شہادت : ایک شخص مالکِ مستقل اور دوسرا شریک ہونے کا مدعی ہے تو مدعی بالاستقلال کے گواہ مرجح ہیں ۔ دونوں مالک بالاستقلال ہونے کے مدعی ہیں اور دونوں نے شہادت پیش کی تو دونوں شریک ہوں گے ۔ ان میں سے ایک شہادت پیش کرنے سے قاصر ہوگیا تو شہادت پیش کرنے والا مستقل مالک ہے ۔

دعوائے ملکِ مطلق میں کہ تاریخ معلوم نہ ہو خارج کے گواہ مرجح ہوں گے ۔

ملکِ مقید میں جس میں ایسا سبب ہو کہ بار بار پیدا نہیں ہوتا ہے صاحبِ قبضہ کے گواہ مرجح ہوں گے ۔
ملک کے گواہ عاریت پر ، بیع کے گواہ ھبہ پر ، رہن کے گواہ اجارہ پر ، اجارہ کے گواہ رہن پر مرجح ہوں گے ۔
عاریت میں گواہِ مطلق مقید پر مرجح ہیں حادث و قدیم ہونے کے ۔ گواہوں میں حادث ہونے کے گواہ مقدم ہیں ۔ مدعی زیادت کے گواہ مقدم ہیں ۔

شہادتِ قانونی : شہادت میں امور ذیل قابل توجہ ہیں ۔

۱ ۔ شہادت اور اس کے اقسام ۔ ۲ ۔ اقسامِ واقعات ۔ ۳ ۔ بارِ ثبوت ۔ ۴ ۔ اقسامِ قیاسات ۔ ۵ ۔ امورِ مسلمہ قانون ۔
۶ ۔ امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت ۔ ۷ ۔ مقدار یا نصابِ شہادت ۔ ۸ ۔ چند اصولِ شہادت ۔

شہادت : ایک ایسا امر ہے جس کا اثر اور میلان اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ حاکم کی رائے کا رحجان کسی واقعہ کے اثبات یا سلب کے متعلق پیدا ہوجائے ۔

امور ذیل سے جو اصل واقعات تنقیحی یا واقعہ متعلقہ کے متعلق ہوں شہادت ہوتی ہے ۔
الف ۔ شہادتِ مادی ۔ وہ مواد اور مواقع جن کا معاینہ عدالت کرے یا بحکم عدالت کیا جائے ۔
ب ۔ شہادتِ دستاویزی ۔ وہ دستاویزات جو عدالت کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے جائیں ۔
ج ۔ شہادتِ شخصی یا زبانی ۔ جو کسی عدالت کے روبرو یا بحکم یا باجازتِ عدالت قلمبند کئے جائیں ۔ شہادتِ مادی کو دستاویزی پر ۔ دستاویزی کو زبانی پر ترجیح ہے ۔

عمل درآمد اشخاص ان کے الفاظ سے زیادہ معتبر ہے
شہادت : علت و وسیلہ ہے ۔ اور ثبوت : معلوم و نتیجہ
اقسامِ شہادت : اقسامِ واقعات بہ اعتبارِ رحجان
کسی واقعہ کے وجود کے متعلق حاکم کی رائے کا اثباتی رحجان ہوجائے تو وہ واقعہ مثبتہ ہے ۔
عدم کے متعلق رحجان ہو تو واقعہ مستردہ ہے ۔
وجود و عدم دونوں کی طرف رحجان نہ ہو تو واقعہ غیر مثبتہ ہے ۔
واقعہ تنقیحی : غیر مقصود بالذات مگر رائے پر اثر ڈالنے والا واقعہ ہوتا ہے ۔

بارِ ثبوت : جب کوئی شخص کسی امر کے وجود کو بیان کرتا ہو ۔ اور فریق ثانی انکار کرتا ہو ۔ تو مثبت پر بارِ ثبوت ہوگا ۔ اگر منکر نے اقبال کیا ہو تو منکر کو تردیدِ واقعہ کرنا پڑے گا ۔

قیاس ۔ کسی واقعہ مثبتہ یا منفیہ کے متعلق رحجان ذیل ہے جس کی صحت پر عمل کرسکیں بشرطیکہ کافی شہادت اس کے خلاف نہ ہو ۔

عبداللہ

قیاس کے دو قسم ہیں

۱۔ قانونی ۲۔ واقعاتی

۱۔ قیاسِ قانونی : وہ قیاس ہے جو اصل انصاف و قانونِ فطرت اور تجربہ عقلاء پر مبنی ہو ۔ اور جس کو قانون نے صاف طور پر وقعت دی ہو ۔

۲۔ قیاسِ واقعاتی : جو واقعات کے خصوصیات سے پیدا ہو اور ایسے قیاس کے قائم کرنے کا حکم کو اختیار دیا گیا ہو ۔

قیاسِ واقعاتی کو قانون کے برابر وقعت نہیں دی جائے گی ۔

قیاسِ قانونی کی دو قسمیں ہیں ۔

۱۔ قطعی ۲۔ غیر قطعی

۱۔ قیاسِ قانونی قطعی : وہ دو واقعات کہ عام طور پر متلازم ہوں اور بغرضِ مصلحتِ عامہ اس کے خلاف شہادت دینے کی اجازت نہیں دی گئی ۔

۲۔ قیاسِ قانونی غیر قطعی : وہ قیاسِ قانونی جن کو قانون نے اغلب ہونے کی وجہ سے قائم کیا ہو ۔ اس کے خلاف فریقِ مخالف پر بارِ ثبوت آتا ہے ۔ قانون امر مانع تقریر مخالف کی تردید کی اجازت نہیں دیتا ۔

مسلمہ قانون : چند امور عام طور پر سرکاری یا علمی طور پر ثابت ہیں تو عدالت ان کا ثبوت تسلیم کرلیتی ہے ۔ مگر شدید ضرورت پر ان کے اثبات کا بھی حکم دے سکتی ہے ۔

امور قابلِ ادخال و اخراجِ شہادت امور قابلِ ادخالِ شہادت : اہم و مفید تر شہادت کو عدالت ادخال کی اجازت دیتی ہے اور وہ اقبال ۔ بیانات اور اظہارات ہیں ۔

امور ناقابلِ ادخالِ شہادت : ناقص شہادت کو عدالت ناقابلِ ادخال شہادت سمجھتی ہے ۔

مقدارِ شہادت : واقعاتِ مسلمہ ۔ عدالت یا فریقین کی اثبات کی ضرورت نہیں ۔ کوئی خاص تعداد گواہوں کی متعین نہیں ۔

ثبوتِ دستخطِ کاتبِ دستاویز و تکمیل دستاویز جن پر گواہی ہوئی قانونی طور پر ضروری ہو ۔ لازمی ہے ۔

اصولِ کلیہ شہادت : بارِ ثبوت ۔ ہر دعویٰ میں ہر اس شخص پر ہوتا ہے کہ طرفین سے مطلق شہادت کے نہ گزرنے کی صورت میں جس کا نقصان ہوتا ہے ۔

ہر خاص واقعہ کی نسبت بارِ ثبوت اس شخص پر ہوتا ہے جو عدالت کو اس کا وجود باور کرانا چاہتا ہو اور اس حال میں کہ قانوناً حکم ہو کہ اس واقعہ کے ثبوت کا داخل کرنا فلاں شخص کے ذمہ ہے ۔

خاص قسم کے واقعات کی صورت میں عدالت ایک ایسا قیاس قائم کرے گی کہ جس سے یہ فرض کیا جائے گا کہ جب چند واقعات ثابت ہوجائیں تو چند واقعات کافی طور پر ثابت ہوں گے ۔

شہادتِ زبانی : بلا واسطہ ہونی چاہیے نہ کہ سنی سنائی ۔

شہادت منقولی : بابتِ مضامینِ مندرجہ دستاویز صرف اس صورت میں ادا کی جاسکتی ہے جب کہ شہادتِ اصلی بدست نہ ہوسکے ۔ یا عدالت کے حکم نامہ کی رسائی سے باہر ہو ۔

شہادت صرف ان واقعات کی نسبت گزرنی چاہیے جن سے امورِ تنقیح طلب پر کچھ اثر ہو ۔

صرف اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی شہادت داخل کرنی چاہیے ۔

سنے سنائے بیانات کوئی شہادت نہیں ۔

برتاؤ سب سے بہتر مبینہ اشیاء کا مثبت ہے ۔

پیشہ کی نسبت پیشہ ور کی شہادت قابلِ قبول ہے ۔

ہر قیاس قانونی مرتکب فعل ناجائز کے مضر ہوگا ۔

قیاس کیا جائے گا کہ تمام افعال بالکل جائز اور درست طور پر کئے گئے ہیں کوئی معاملہ مابین دو شخصوں کے شخص ثالث کے حق میں مضرت نہ ہوگا ۔

عملدر آمدِ اشخاص ان کے الفاظ سے زیادہ معتبر ہے

دستاویز کو معتبر گواہ کے بیان پر ترجیح ہے

(معیار الکلام) منتخب

تفسیر صدیقی سے ایسی آیتوں کی تفسیر پیش کی جاتی ہے جن کی تفسیر کے ضمن میں بہت سارے اہم فقہی مسائل زیرِ ضوء آئے ہیں جن سے چاروں مذاہب کے طریقہ اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے ۔

یا ایہا الذین امنوآ اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین وان کنتم جنباً فاطھروا وان کنتم مرضٰی اوعلٰی سفر اوجآء احد منکم من الغآئط اولمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجھکم وایدیکم منہ مایرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ○

(المائدہ آیت ۶ تفسیر صدیقی)

یا ایہا الذین امنوا اے ایمان والو اذاقمتم ۔ جب تم کھڑے ہوجاؤ ، اٹھو ۔ الی الصلوٰۃ ۔ نماز ادا کرنے کے لئے ۔ فاغسلوا پس دھولو ۔

یہاں تین لفظ ہیں غسل یا غسل ۔ رش ۔ مسح ۔ غسل تمام بدن کا دھونا ۔ نہانا ۔ غسل ۔ دھونا ۔ خواہ بعض حصہ جسم کا ہو یا کسی اور کا ۔ رش پانی چھڑکنا ۔ پانی کے قطروں کا جسم وغیرہ تک پہنچانا ۔ مسح ترچیز کا جسم وغیرہ پر پھیرنا ۔ بعض وقت خفیف غسل کو بھی مسح کہہ دیا گیا ہے ۔ وجوھکم تم اپنے چہروں کو وجوہ جمع وجہ چہرہ ، مواجہ ، رودررو ۔ سامنے وجہ میں سامنے ہونے کو اہمیت ہے ۔ تو طول میں سر کے بالوں کے مقام سے تھوڈی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ۔ کان کا پچھلا حصہ اس میں شامل نہیں ۔ اگر داڑھی ہو تو اس میں خلال کرنا مستحب ہے ۔

امام محمد سے کسی نے کہا میری داڑھی بہت گھنی ہے۔ خلال کرنے سے بھی پوری نہیں بھیگتی۔ فرمایا اسے بھیگنے ڈالو۔ کان کے پیچھے کا حصہ سر کے متعلقات سے ہے۔

وایدیکم اور اپنے ہاتھوں کو یعنی دھولو ایدی جمع ید ہاتھ۔ الی المرافق کہنیوں تک۔ مرافق جمع مرفق کہنی۔ کیا کہنیوں کو اس طرح دھونا چاہئیے کہ اس کے اوپر کا کچھ حصہ بھی آجائے ؟ بے شک دھونا چاہئیے کیونکہ کہنی ہاتھ کے جنس سے ہے۔ مرفق، ید کا ایک حصہ ہے۔ روزہ میں رات کا کچھ حصہ داخل نہیں۔ کیونکہ رات دن کے جنس سے نہیں۔ روزہ روز کا ہوتا ہے نہ کہ شب کا۔ وامسحوا اور مسح کرو برء وسکم اپنے سروں کا۔ امام مالک کے پاس پورے سر کا مسح فرض ہے۔ امام شافعی کے پاس اتنا فرض ہے کہ سر پر ۔ مسح کیا گیا ۔ کہنا صحیح ہو۔ اور امام ابوحنیفہ کے پاس ناصیۃ یعنی سر کے سامنے کے حصہ کا مسح فرض ہے جس کا اندازہ ربع سر سے کیا گیا ہے۔

وارجلکم اور اپنے پیروں کو بھی دھو۔ ارجل جمع رجل پاؤں ، پیر۔ الی الکعبین دونوں ٹخنوں تک، ٹخنہ بھی دھلنا چاہئیے کیونکہ یہ پاؤں کا ایک حصہ ہے۔ اس کی جنس سے ہے۔

صاحبو ! بہت سے لوگ فرضِ اعتقادی اور فرضِ عملی میں فرق نہیں کرتے۔ فرض اعتقادی ایک قطعی اور متواتر حکم ہے۔ فرضِ اعتقادی کا منکر کافر سمجھا جاتا ہے۔ فرض عملی میں اصلی حکم قطعی ہوتا ہے مگر اس کی تعیین اجتہادی ہوتی ہے۔ فرض عملی کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں انسانی رائے اور عقل کو دخل ہے۔ سر کا مسح فرضِ اعتقادی ہے۔ اس سے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس کی تعیین کہ پورے سر کا مسح یا ناصیہ کا یا اس قدر حصہ کا کہ ۔ مسح کیا گیا ۔ کا لفظ صادق آئے فرض عملی ہے۔ جہاں انسانی عقل کی مداخلت ہوئی تکفیر ایک طرف، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے عمل نہیں کیا۔ لہذا یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ مالکی، حنفی کے پیچھے اس لئے نماز نہ پڑھے کہ اس نے پورے سر کا مسح نہیں کیا۔ یا حنفی شافعی کے پیچھے اس لئے نماز نہ پڑھے کہ اس نے ناصیہ کا مسح نہیں کیا۔ فرضِ عملی اور واجب میں یہ فرق ہے کہ فرضِ عملی کا ترک ناقابلِ تدارک ہے اور واجب کا ترک قابل تدارک۔ پس اگر نماز میں اگر کوئی واجب ترک ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو آئے گا۔ اور حج میں اگر کوئی واجب چھوٹ جائے تو اس پر دم یعنی قربانی واجب ہوجائے گی۔

مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوکر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ یاد رکھو جہاں حضرت انسان کی رائے آئی وہاں احتمالِ خطا پہنچ گیا۔

واضح ہو کہ وضو میں بعض ائمہ کے پاس نیت فرض ہے اور بعض کے پاس ترتیب بھی۔ جن کے پاس نیت فرض نہیں۔ ان کے پاس دھونے سے پاک ہونا پانی کا ایک فعلِ طبعی ہے۔ جو نیت پر موقوف نہیں۔ ایک آدمی حوض میں کود پڑا اور پھر نکل آیا اس کا غسل بھی ہوا، اس کا وضو بھی ہوگیا۔ کیونکہ تمام جسم جب پانی سے دھل گیا تو منہ دونوں ہاتھ اور پاؤں سب دھل گئے۔ اس صورت میں چونکہ وضو بھی ایک نیک کام ہے لہذا بغیر نیت کے اس کا ثواب نہ ملے گا۔ مگر غسل اور وضو ہوجائے گا۔ بعض ائمہ کے پاس کوئی عمل بغیر نیت کے نہیں ہوسکتا انما الاعمال بالنیات ان کے پیش نظر ہے۔

وان کنتم۔ اور اگر ہو تم، اگر تھے تم۔ جنبا۔ ناپاک کنارہ کشی کرنے والا۔ عموماً ناپاک آدمی بغیر طہارت کے کنارہ کشی کرتا ہے۔ فاطھروا تو خوب طہارت کرو۔ شافعیوں کے پاس پورے جسم کا دھونا مقصود ہے۔ اور اس میں ناک میں پانی لینا، کلی کرنا داخل نہیں۔

اور حنفیوں کے پاس چونکہ منہ اور ناک کی طہارت اور صفائی کی جاتی ہے۔ اس لئے غسل میں کلی اور ناک میں پانی لینا فرض ہے۔ کیونکہ غسل کے لئے خوب پاک ہونے کا حکم ہے۔ برخلاف وضو کے کہ وہاں ایسا حکم نہیں ہے۔ اطھروا اصل میں تطھروا تھا۔

اب اس کے بعد وضو کا قائم مقام تیمم کا ذکر ہے۔

وان کنتم اور اگر تم ہو مرضیٰ جمع مریض بیمار او علیٰ سفر - یا تم سفر پر ہو، اور پانی نزدیک نہ ہو۔ نزدیکی کا اندازہ ایک میل سے کم سمجھا گیا ہے۔ بعض ائمہ کے پاس رائے مبتلیٰ بہ معتبر ہے۔ یعنی جو اس حالت میں مبتلا ہے قریب و بعید کا اندازہ کرنا اسی کا معتبر ہے۔ اوجآء یا آیا، یا آئے احد کوئی شخص منکم تم میں سے من الغائط بیت الخلا سے، پائخانہ سے، جھاڑے سے او لمستم النساء یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو، ان کو چھوا ہو، ان کو مس کیا ہو لمستم کے معنے شافعی لوگ ہاتھ لگانے کے لیتے ہیں اور اس کو ناقض وضو یعنی توڑنے والی چیز سمجھتے ہیں۔ اور حنفیوں کے پاس یہ کنایہ ہے جماع سے۔ حنبلیوں کے پاس شہوت سے عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔

بعض احادیث میں ہے کہ حضرت بی بی عائشہؓ لیٹی ہوئی رہتیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے۔ سجدہ کرنا ہوتا تو بی بی صاحبہؓ کے پیر کو ہاتھ لگادیتے اور وہ پیر سمیٹ لیتیں۔ پھر حضرتؐ سجدہ کرتے۔

بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے حضرتؐ مسجد کو نماز کے لئے جاتے جاتے اپنی بیوی کا بوسہ لے کر چلے جاتے۔

فلم تجدوا پھر تم نے نہیں پایا ماآء پانی کو فتیمموا تم قصد کرو۔ ارادہ کرو صعیدا طیبا پاک مٹی کا صعیدا وہ چیز جو زمین پر مٹی کی قسم سے ہے، پتھر بھی مٹی کی قسم سے سمجھا جاتا ہے۔ تیمم کے معنی ارادہ و قصد کے ہیں اور اس سے حاصل ہونے والی پاکیزگی طبعی نہیں جیسے پانی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا تیمم میں نیت فرض ہے بخلاف وضو اور غسل کے۔ فامسحوا - پھر تم مسح کرو بوجوھکم اپنے چہروں پر وایدیکم اور اپنے ہاتھوں پر منہ - اس مٹی سے۔

مسح میں دو ضرب ہیں یا ایک ضرب کافی ہے ؟

احناف کے پاس ایک ضرب سے منہ پر ہاتھ پھیرنا ہے اور دوسرے ضرب سے ہاتھوں پر۔ اور شوافع کے پاس منہ اور ہاتھوں پر ایک ہی ضرب کافی ہے۔

پھر ہاتھ کے کتنے حصہ پر مسح کرنا چاہئیے ؟

حنفیوں کے پاس کہنیوں تک اور شافعیوں کے پاس صرف پہنچوں تک۔ حنفی وضو کی طرح کہنیوں تک مسح کو ضروری سمجھتے ہیں۔

مایرید اللہ - خدا ارادہ نہیں کرتا۔ خدا نہیں چاہتا۔ لیجعل - کہ کرے - علیکم - تم پر - من حرج - کسی قسم کی تنگی یا سختی۔ ولکن یرید لیکن ارادہ کرتا ہے - لیطھرکم - کہ تم کو پاک کرے - تیمم میں منہ اور ہاتھوں پر مٹی کا ملنا نہایت خاکساری پر دلالت کرتا ہے۔ یہ خاکساری اصلِ عبادت ہے - اسی لئے موجبِ طہارت ہے - ولیتم - اور تا کہ پوری کرے - تمام کرے - نعمتہ اپنی نعمت کو علیکم - تم پر لعلکم - تا کہ تم تشکرون - شکر کرو - اس کے احسانات کو مانو۔

علمی مشاغل

صبح کا درس اور علمی مشاغل

صبح کا درس اور علمی مشاغل	۳۵۹
صحاح ستہ کی روایت	۳۶۱
تفسیرِ صدیقی	۳۶۳
طباعت کا کام	۳۶۸
بعض ہم عصر علماء	۳۷۰
التوحید	۳۷۳
تصوّف کے موضوع پر ایک اہم تقریر	۳۷۵
زنانہ درس	۳۸۵

عبد اللہ

صبح کا درس اور علمی مشاغل

مذہب انسان کو مہذب بناتا ہے ۔ مذہب ہی تہذیب کا حقیقی جوہر ہے ۔ جب تک آدمی ان اصولوں پر پوری طرح کاربند نہ ہوجائے جو انسانی فطرت کے دائمی اور عالمگیر قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر خود پروردگار عالم نے بنائے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچائے ہیں وہ مہذب نہیں کہلا سکتا ۔ تہذیب کے معیارات ہیں ۔ تہذیب کے ارتقاء کی ایک خاص منزل تک آدمی نفس کی تہذیب کے بغیر نہیں پہنچ سکتا ۔ جہاں اس کو وات کل ذی حق حقہ کی تعمیل میں ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرنا پڑتا ہے ۔ یعنی خدا کا حق خدا کو ، بندے کا بندے کو ، ہر چیز کا ہر چیز کو ، یہاں تک کہ خود اپنی ذات و صفات کا حق اپنی ذات وصفات کو ۔ یہی امر حضرت عبدالقدیر کی زندگی کا ماٹو (نصب العین) تھا ۔

ہر چیز کا حق ادا کرنا ، اقتضائے وقت کے مطابق کام کرنا ، اپنی عدمیتِ اصلی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا اور توحید پر جمے رہنا ، ردِ امانت کرنا ، بے ارادہ جینا ، حکم پر چلنا ، اطلاق کو اطلاق کا اور تقید کو تقید کا حق ادا کرنے میں اعتدال کو برقرار رکھنا حضرت کی تعلیم کے اہم اقدار ہیں ۔ زندگی بھر حضرت نے اپنے وابستگان اور ملنے جلنے والوں میں اپنے قول و فعل سے ان ہی اقدار کو مستحکم بنانے کی کوشش کی ۔

حضرت کے فرزندِ اکبر مولوی محمد عبدالعزیز صدیقیؒ کے عین جوانی میں لاولد فوت ہوجانے کی وجہ سے حضرت کی ساری توجہ فرزند دوم مولوی محمد عبدالرحیم صدیقیؒ کی طرف مبذول ہوگئی جو آئندہ حضرت کے جانشین کی حیثیت سے مسندِ ارشاد پر متمکن ہونے والے تھے ۔ حضرت موصوف کو " رحیم صاحب " سے مخاطب کرتے تھے اور عام طور پر رحیم پاشاہ سے مخاطب کئے جاتے تھے ۔ اور ناواقف آپ کو فرزندِ اکبر خیال کرتے تھے ۔ موصوف اپنے والد سے حد درجہ مشابہ تھے ۔ اور اسم بامسمیٰ تھے ۔ کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ تھے ۔

مدرسہ فوقانیہ میدک سے وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد جب موصوف مستقلاً شہر میں منتقل ہوگئے تو " جامع مسکن " مچھلی کمان میں قیام پذیر ہوئے ۔ روزانہ شام میں اپنے گھر سے ملک پیٹھ اپنے والد کی خدمت میں پیدل تشریف لے جاتے رات میں ان کی خدمت میں حاضر رہتے اور بعد نماز فجر صبح کے درس میں جو آپ ہی کی خاطر حضرت نے بطورِ خاص شروع فرمایا تھا شریک رہ کر گھر لوٹتے ۔ حضرت کی عمر شریف اسی (۸۰) کے لگ بھگ ہوگئی تھی ۔ حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے سینہ میں جو کچھ تھا رحیم پاشاہ صاحب کے سینہ میں منتقل کرنے کی غرض سے صبح کے اس درس کا بطورِ خاص اہتمام فرمایا تھا ۔ رحیم پاشاہ صاحب کے طفیل حضرت کے بیشتر خلفاء اور ذی علم مریدوں کو اس خصوصی درس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ۔ رحیم پاشاہ صاحب حضرت کے اس دور کے شاگرد تھے جس دور میں حضرت کے گھر سے علم و فضل کا دریا ٹھاٹھیں مارتا بہہ رہا تھا ۔ مگر اس وقت کے درس کی نوعیت فیض باطنی کے خصوصی اجراء کی تھی ۔ اس وقت حضرت کا جسم جوان تھا ۔ علم و فضل انتہائی شباب پر تھا ۔ اور مولویت کمال پر نمایاں تھی جس میں فقیری پنہاں تھی ۔ اس مرتبہ جسم ضعیف و ناتوان تھا اور فقیری اوجِ کمال پر تھی اور روح اپنی جوانی کی بہار دیکھ رہی تھی ۔

حضرت کے دولت خانہ پر بے شمار درس کی مجلسوں کو منعقد ہوتا اور حیدرآباد کے بیشتر علماء، فقراء اور مشائخین کو شریک درس ہوتا میں نے بچپن سے دیکھا ہے۔ بعض درسوں میں شرکت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔ میں بغیر کسی ششش و پنج کے عرض کروں گا کہ اس درس کی نوعیت ہی ان درسوں سے بالکل ہی جدا تھی۔ اس درس میں علمی کمالات سے زیادہ فیضِ روحانی کا دریا موجزن تھا۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا۔ میں رحیم صاحب کو بڑوں میں دیکھنا چاہتا ہوں مگر ان پر محویت غالب رہتی ہے۔ مجھے دیکھو، میں ہر طرف سے ہوشیار ہوں ان کو ہر وقت ہوشیار کرتا جاتا ہوں "۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا۔ رحیم صاحب میرے پاس سب سے زیادہ اہم ہیں " چنانچہ ناسازیٔ طبیعت کی بناء پر جس روز رحیم پاشاہ صاحب مجبوراً حاضرِ درس نہ ہوسکتے اس روز حضرت درس ملتوی فرمادیتے۔

صبح کے اس خصوصی درس میں جو بعد نمازِ فجر شروع ہوکر تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ختم ہوتا تھا حضرت نے اس میں مختلف کتابوں کا درس دیا۔ ابتداءً لوائحِ جامی کا درس ہوا۔ اس کے بعد محی الدین ابن عربی کی کتاب " فصوص الحکم " کا درس شروع ہوا اس زمانہ میں حضرت مدینہ منزل کے نو تعمیر شدہ مکان میں سکونت پذیر تھے۔ اور اس مکان کے بیرونی حال میں حضرت کے خادمین رہتے تھے۔ اس حال میں حاضر خدمت ہونے والوں سے حضرت ملاقات فرماتے۔

فصوص الحکم کی کتاب نصف سے زائد ہوچکی تھی۔ درس کے دوران حضرت کے چند ممتاز شاگرد کتاب کے بعض نازک اور اہم مسائل پر آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگے تھے۔ حضرت ان کو دیکھتے مگر کچھ نہ فرماتے۔ اسی انداز پر دو تین دن درس چلتا رہا۔ چوتھے دن دورانِ درس میں نے کرنل حبیب علی صاحب سے آہستہ سے کہا " حبیب بھائی حضرت کتاب کو حیلہ بناکر فیض دے رہے تھے، تین دن سے فیض بند ہے اور صرف کتاب چل رہی ہے "۔ کرنل صاحب نے جواب دیا۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں پاشا آپ؟ بحث مباحثہ کے بغیر علم آتا کیسے؟ میں خاموش ہوگیا۔ حضرت تخت پر تشریف فرما تھے اور سب کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ حضرت نے کرنل حبیب علی صاحب سے دریافت فرمایا " حبیب انھوں نے تم سے کیا کہا؟ اور میری طرف اشارہ فرمایا۔ حبیب علی صاحب نے عرض کیا " کچھ نہیں سرکار " حضرت نے دوبارہ پوچھا " بولو حبیب انھوں نے کیا کہا " اس مرتبہ بھی حبیب علی صاحب نے بات اڑادینا چاہی، اس خیال سے کہ کہیں احقر پر حضرت کی ڈانٹ نہ پڑ جائے۔ حضرت نے تیسری بار شدت سے دریافت کیا۔ اس پر حبیب علی صاحب نے مجبور ہوکر عرض کیا " سرکار پاشا کہہ رہے ہیں، حضرت کتاب کو حیلہ بناکر فیض دے رہے تھے، تین دن سے فیض بند ہے اور صرف کتاب چل رہی ہے "۔ حضرت نے فوراً ہاتھ اٹھائے، سر بلند کیا اور دعا فرمانے لگے " اللہ فیض جاری کردے، اللہ فیض جاری کردے، اللہ فیض جاری کردے "۔ پھر اہلِ درس سے مخاطب ہوکر کہنے لگے " انھوں نے درست کہا۔ بحثیں کرنا ہے تو اپنے گھر پر کرنا یہاں میں پڑھا رہا ہوں جو کچھ کہوں اس کو سننا ہے تو یہاں آنا "۔ حضرت کے دعا فرمانے اور تصدیق کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اس درس کی نوعیت بالکلیہ فیضِ باطنی کے خصوصی اجراء کی تھی، جیسا کہ میں نے خیال کیا۔

فصوص الحکم کی کتاب ختم ہونے کے بعد حضرت مدینہ منزل کے قدیم اور اندرونی مکان میں منتقل ہوگئے۔ حضرت کے کمرہ سے متصلہ ہال میں حضرت کی زوجہ محترمہ قیام پذیر ہوئیں۔ اور حضرت کے کمرہ کی دوسری طرف ایک وسیع دالان در دالان تھا۔

جس میں حضرت کے خادمین کو ٹھرایا گیا تھا۔ حضرت وصال تک اسی حصہ میں سکونت پذیر رہے۔ اس حصہ میں منتقل ہونے کے بعد حضرت نے " رسالہ قشیریہ " نظام العمل فقراء (مرتبہ خود) تبلیغ دین، اور خطباتِ غوثِ اعظمؒ کا درس دیا۔

صحاح ستہ کی روایت اب حضرت کو ایک نئی فکر دامن گیر ہوگئی کہ وقت تھوڑا ہے اور کام بہت ہے۔ صحاح ستہ کی روایت دینی تھی تاکہ روایت آگے بڑھ سکے۔ حضرت کی نظرِ انتخاب علی پاشاہ صاحب (حضرت کے فرزند سوم ابوتراب علی صدیقی صاحب) پر پڑی۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ علی پاشا کا تبادلہ شہر میں ہوجائے۔ موصوف نے شہر میں تبادلہ کے لئے محکمہ میں درخواست دے دی اور اس میں اپنے والد کی کبرسنی کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ موصوف کا تبادلہ مدرسہ فوقانیہ دار العلوم پر بحیثیت مددگار کردیا گیا۔

علی پاشا صاحب کالج میں حضرت کے حدیث کے شاگرد تھے۔ حضرت نے ان کے پیچھے بڑی محنت کی تھی۔ حدیث پر عبور آسان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب والعجم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا تھا۔ حضور کے ارشادات کو سمجھنے کے لئے عربی زبان، اس زمانے کے محاورے اور اس وقت کے حالات پر گہری نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت، علی پاشا صاحب کے باپ بھی تھے، استاد بھی تھے اور مرشد بھی۔ یہ تینوں جہتیں ایک ساتھ متوجہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ حدیث کے کام کو آگے بڑھانے اور جاری رکھنے کی توقع علی پاشا صاحب کے سوا کسی اور سے نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ یوں تو بے شمار لوگوں نے حضرت سے حدیث پڑھی تھی اور سندِ روایت حاصل کی تھی۔ مگر حضرت محسوس کر رہے تھے کہ یہ کام آسان نہیں، کسی اور سے توقع بھی نہ تھی۔ لہذا حضرت نے بطورِ خاص علی پاشاہ صاحب کو صحاح ستہ کی روایت دینے کے خیال سے حدیث کا درس شروع فرمایا۔ علی پاشاہ صاحب کے طفیل اہلِ درس کو حضرت سے صحاح ستہ کی روایت ان سے لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت کے پاس روایت کی بڑی اہمیت ہے۔ دیر حاضری کی بناء پر جن حضرات کے صفحے چھوٹ گئے تھے حضرت نے ان کو حکم دیا کہ وہ چھوٹے ہوئے حصوں کو علی پاشا کو سنا کر ان سے سند حاصل کریں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ خود یہ خادم بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا جن کے مختلف صفحات چھوٹ گئے تھے اور جن کو علی پاشا صاحب کو سنا کر ان سے سند روایت حاصل کرنی پڑی تھی۔ اس طرح حضرت نے اپنی موجودگی میں حدیث کی روایت کا علی پاشا صاحب سے اجراء فرمایا، روایت کو آگے بڑھا دیا اور مطمئن ہوگئے۔

صحاح ستہ کی روایت جب مکمل ہوگئی تو حضرت نے خود اپنی مؤلفہ کتاب " الدین " کا درس شروع فرمایا۔ جب یہ کتاب اختتام کو پہنچی تو حضرت نے تصوف کے موضوعات پر گفتگو شروع کی اور اپنی ذاتی تحقیقات اور واردات کو بیان کرنا شروع کیا اور وہ ساری باتیں کھول کھول کر سب کے سامنے رکھ دیں بلکہ دل و دماغ میں اتار دیں جن کو لوگ اپنے سینہ میں چھپا کر قبر میں لے جاتے ہیں۔ مسلسل کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت نے خود بھی درس میں فرمایا تھا " میں یہ باتیں پہلے بیان نہیں کرتا تھا اب تم لوگوں سے بیان کردے رہا ہوں "۔

سر چڑھ کے پلاتا ہے احساں تو ذرا دیکھو

تصوف کے موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ شروع فرمانے سے پہلے ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا، حضرت تصوف کے مسائل اور مقامات اتنے نازک ہیں کہ پہلے تو ان کا پوری طرح سمجھنا ہی مشکل ہے دوسروں سے بیان کرنا اور ان مسائل پر

لَب کشائی کرنا تو کارے دارد ۔ تصوف عملی چیز ہے ۔ اللہ آپ کو تادیر سلامت با کرامت رکھے ۔ تصوف کے اہم اور نازک مقامات پر سے کون گزرا ہے جو خبر دے سکے اور گزار دے سکے ۔ ہم بڑے خوش نصیب ہیں جو حضرت سے وابستہ ہیں "۔ حضرت نے فرمایا ۔ میں ایسا ویسا جاؤں گا ؟ دو اور دو چار کرا کے جاؤں گا "۔ چنانچہ صبح کے درس میں حضرت نے اپنے شاگردانِ خاص کے سامنے جن میں بیشتر حضرت کے خلفاء تھے تصوف کے مسائل پر ایک نہایت اہم تقریر فرمائی تھی ۔ جو خدا اور بندے کے ربط و تعلق کو سمجھنے کے سلسلہ میں حضرت کی تحقیقات اور خصوصی تعلیم پر مشتمل تھی ۔ یہ تقریر نوٹ کرلی گئی تھی ۔ مضمون کے آخر میں اس کو استفادہ خصوصی کے لئے پیش کردیا گیا ہے ۔ مگر ساتھ ہی اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تفہیمات جدیوں کے لئے ہرگز نہیں ہیں بلکہ صرف خواص ہی کے لئے مفید ہیں ۔ کیونکہ یہ ارشادات حضرت کے آخری زمانہ کے ارشادات ہیں ۔ جن کو حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو مدنظر رکھ کر ظاہر فرمادیا ۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۷۵)

مختلف کتابوں کے ان تمام مخصوص درسوں میں بہ پابندی شریک درس رہنے والوں میں حضرت کے مرید اور خلیفہ سید خیرالدین قادری صاحب بھی ہیں ۔ جو تاریخ وار حضرت کے ارشادات اور تفہیمات کو تیزی سے نوٹ کرتے جاتے تھے ۔ حضرت کے ان ارشادات اور تفہیمات کا ایک زبردست ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے ۔ اللہ اس کو خیر متعدی میں مبدل کرنے کا خیران سے نمایاں کرے ۔ ●

حضرت رکاب گنج کے گھر سے ابتداءً مدینہ منزل سے متصلہ ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہوگئے تھے ۔ یہ مکان تکر محبس کے علاقہ کا تھا ۔ اس وقت مدینہ منزل کا قدیم مکان سرکاری گودام کے لئے کرایہ پر اٹھا ہوا تھا ۔ اسی قدیم مکان سے ملحق ایک جدید مکان زیرِ تعمیر تھا اور اس کی نگرانی کے سلسلہ میں حضرت کو قریب رہنا ضروری تھا ۔ محبس کے مکان میں قیام کے زمانہ میں پولیس ایکشن ہوا ۔ اسی زمانہ میں حضرت کے جسم مبارک پر سوائے چہرہ اقدس کے چھالے نکل آئے تھے ۔ اس بیماری کی تفصیل میں نے کسی اور مقام پر بیان کی ہے ۔ مدینہ منزل کی قدیم عمارت کے عقب میں بڑی کشادہ اراضی تھی ۔ اس کے ایک حصہ میں جو عمارت سے متصل تھا چمن بندی کرائی گئی ۔ رنگ برنگ کے کروٹن اور ہمہ اقسام کے پھولوں کے پودے لگائے گئے اور لان تیار کیا گیا جس میں سنگ اسود کے بنچس جابجا رکھے گئے تھے ۔ اور بقیہ اراضی پر مختلف قسم کے منتخب میوؤں کے درخت لگائے گئے تھے ۔ کیاریوں میں ترکاریاں بوئی گئیں جو گھر کے استعمال میں لائی جاتی تھیں ۔ میوؤں میں انجیر اس قدر نکلتا کہ میوہ فروش آکر لے جایا کرتے ۔ اصلی گلاب اور موتیا اتنا نکلتا کہ منڈہ داروں کے ہاتھ فروخت ہوتا ۔ حضرت جب دل چاہتا باغ میں چہل قدمی فرمایا کرتے ۔ درختوں اور پودوں کو دیکھ کر نشاندہی فرماتے کہ فلاں پودا یا درخت فلاں بیماری کا شکار ہے اس میں یہ دوا ڈالو ۔ یا پانی زیادہ دو یا ایک دن آڑ پانی دیا کرو ۔ اس میں فلاں کھاد ڈالو ۔ اسی طرح کی مختلف ہدایتیں دیتے ۔ ان پر عمل کیا جاتا تو درخت اور پودے تازہ ہوجاتے ۔ روح نباتی بھی روح حیوانی کی طرح قسم قسم کے جسموں میں ابھرتی ہے اور طرح طرح کے افعال و خواص کی نمائش کرتی ہے ۔ ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار ۔ اس کے لئے چشم بینا چاہئیے ۔ دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے ۔ خیر یہ چمن آرائی کا ذکر تو گویا ایک جملہ معترضہ تھا جو کچھ طویل ہوگیا ۔

محبس کے مکان کے پچھواڑے کے صحن اور باغ کے درمیان دیوار تھی ۔ حضرت کی آمد و رفت میں سہولت کی خاطر اجازت لے کر ایک عارضی دروازہ نصب کروالیا تھا ۔ چمن کے محاذی کھلی جگہ چھوڑ کر ایک بڑا چبوترہ بنوایا گیا ۔ جس پر ٹین شیڈ ڈال دیا گیا تھا ۔

● جناب سید احمد خیرالدین صاحب نے یہ مجموعہ "فیوضِ صحبت" کے نام سے چھ اجزاء میں شائع کردیا ہے ۔ (اکیڈیمی)

کھلی جگہ کم از کم اتنی تو کشادہ تھی کہ دس بارہ آدمی آسانی سے لٹھ اور بنوٹ کی مشق کرسکتے تھے۔ ٹین شیڈ ایسے مقام پر تھا کہ نیم کے درخت کی شاخیں اس کو سایہ میں لے کر گرما میں بھی ٹھنڈا رکھ سکتی۔ گویا یہ مردانہ حصہ تھا۔ اس زمانے میں سماع کی محفلیں، ختمِ قرآن کی مجلسیں اور چھوٹی بڑی دعوتیں اسی ٹین شیڈ میں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت کے خادم بھی یہیں رہتے تھے۔ کچھ دن حضرت نے یہاں پچھلی رات میں ذکر بالجہر بھی فرمایا تھا۔ پڑوسیوں کے مکانات اتنے فاصلہ پر تھے کہ ذکر بالجہر سے ان کے آرام میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ حضرت ایک مرتبہ اللہ قال فرماتے اس کے بعد انی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا کے نعرے مارتے۔ ہر تھوڑی دیر سے اللہ قال فرماتے اور پھر نعرے مارنے لگتے۔ عجب کیف و رنگ تھا۔

تفسیرِ صدیقی

تفسیرِ صدیقی لکھوانے کے سلسلہ میں فجر کی نماز کے ساتھ ہی حضرت برآمد ہوتے اور ٹین شیڈ میں آکر تشریف فرما ہوجاتے۔ یہاں ہرن کا ایک چمڑا بھی حضرت کے لئے بچھا دیا گیا تھا۔ اسی پر تشریف فرما ہوکر حضرت تفسیر لکھواتے تھے۔ حضرت فرماتے جاتے اور مظہر الدین لکھتے جاتے۔ تفسیر لکھوانے کا یہ سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ تفسیر کا کام رکاب گنج کے گھر سے شروع ہوکر مدینہ منزل میں منتقل ہونے کے بعد بھی کئی سال تک چلتا رہا۔ فجر کی نماز کے ساتھ ہی برسات ہو یا کڑاکے کا جاڑا پابندی سے حضرت کی خدمت میں ٹھیک وقت پر پہنچنا اور کئی برس تک یہ پابندیِ وقت اس کو نباہنا مظہر الدین صاحب پر ختم ہوگیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا تھا، مظہر میرا ہاتھ ہے۔ میں کہتا جاتا ہوں وہ لکھتا جاتا ہے۔ پوری تفسیر اس نے لکھی ہے۔

مرزا امام بیگ رونق قادری نے تفسیر صدیقی کی اشاعت کے لئے ایک ماہنامہ "درس القرآن" کے نام سے جاری کرنے کی حضرت سے اجازت لی اور جاری کیا۔ اس ماہنامہ کو ہند و بیرونِ ہند بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ادھر تفسیر لکھوانے کا کام بھی جاری تھا اور ادھر درس القرآن میں اس کی اشاعت بھی ہورہی تھی۔ تقریباً بائیس (۲۲) یا تئیس (۲۳) پارے کی تفسیر اس میں چھپ سکی۔ غالباً امام بیگ صاحب کے انتقال کرجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

درس القرآن کے پرچوں سے تفسیر کے پارے الگ کرلئے گئے اور ان کو مجلد کرایا گیا۔ حضرت نے ہر اتوار کو دس بجے سے تفسیر کا درس اپنے دولت خانہ پر رکھا۔ تاکہ نظرثانی بھی ہوجائے اور ضروری اضافے بھی کردیئے جائیں۔ حبیب علی صاحب اس کو پڑھتے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوتی اضافے یا تصحیح کردی جاتی۔ اور شریکِ درس حضرات کے استفادہ کے لئے حضرت مزید تشریح بھی فرماتے۔

ان تشریحات کو احمد اللہ قدیری لکھ لیا کرتے تھے۔ اور القدیر کے ماہنامے میں اس کو طبع کرواتے۔ احمد اللہ قدیری نے کئی سال تک ماہنامہ القدیر کے ذریعہ حضرت کے خیالات کو عوام تک پہنچانے کی بڑی سعی کی۔ حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد بھی "القدیر" کئی برس تک شائع ہوتا رہا۔ جب احمد اللہ قدیری کی صحت نے جواب دے دیا تو مجبوراً انھیں رسالہ کو بند کردینا پڑا۔

آخری زمانہ میں بھی حضرت کا تصنیف و تالیف کا کام مستقلاً جاری رہا۔ مضمون کا ترشح جس وقت بھی شروع ہوتا خواہ دن ہو یا رات، حضرت بلاتعین اوقات خواجہ نظام الدین قادری المعروف بہ خواجہ پاشا کو طلب فرماتے اور لکھوانا شروع کردیتے۔ نیند سے بیدار ہوئے ہیں، نیم وا آنکھیں، کمزوری کی وجہ سے آواز میں پستی، جملے تو کیا الفاظ بھی ادھورے ادا ہورہے ہیں۔ اس وقت کا منظر بھی ناقابلِ فراموش ہے۔ خواجہ نظام الدین کی نظر حضرت کے ہونٹوں کی حرکت پر جمی ہوئی ہے۔ اور کان حضرت کی آواز کی طرف، خیال سے خیال لڑا ہوا، سب سے بے خبر لکھتے جارہے ہیں۔ مجال نہیں کہ درمیان کوئی مخل ہو۔ جتنا بھی لکھوانا منظور ہوتا جس کیف میں رہتے اسی کیف میں لکھوا دیتے۔

آپ جو کہتے ہیں کہہ دیتا ہوں
میں نہ زندہ ہوں نہ مردہ ہوں میں (حضرت صدیقیؒ)

اب حضرت پوری طرح اس طرف متوجہ ہوجاتے اور فرماتے - ہاں سناؤ - خواجہ پاشا عبارت پڑھ کر سناتے اور حضرت پورے انہماک سے سنتے۔ کہیں الفاظ متروک ہوجاتے تو لکھوا دیتے۔ کہیں کہیں معمولی سی لفظی تبدیلی کروادیتے۔ اور مطمئن ہوجاتے۔ برملا حضرت کی صحبت میں رہنے اور ڈکٹیشن لیتے رہنے کی وجہ سے حضرت کے خیالات اور اندازِ بیان کا خواہ پاشا کو پوری طرح اندازہ ہوگیا تھا۔

ہتورہ اور ٹیکمال دونوں خاندانوں سے تعلق رکھنے والا یہ مشائخ زادہ اوائلِ نوجوانی سے حضرت کے زیر پرورش رہا۔ سیدوں میں سیادت کا جو غرہ اور تناؤ رہتا ہے وہ ان میں پوری شدت سے موجود تھا۔ حضرت فرمایا کرتے تھے ان کا نفس شیطان سے زیادہ موٹا ہے۔ بڑی مشکل سے صرف مجھے مانا ہے۔ جہاں ان پر خفا ہوتے وہیں ان کی ناز برداری بھی فرماتے کہ سید کا بچہ ہے۔ بہرحال جمال ہو کہ جلال، حضرت کے پاس برسوں لگے رہنا، نظم ہو یا نثر اس طرح ڈکٹیشن لیا کرنا خواجہ پاشا اور صرف خواجہ پاشا کا حصہ تھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

کوئی غزل مکمل ہوتی یا مضمون یا رسالہ تکمیل کو پہنچتا تو کرنل حبیب علی صاحب کی طلبی ہوتی وہ جس حال میں رہتے دوڑے چلے آتے۔ ان کو یقین رہتا کہ اس وقت حضرت ان ہی کے انتظار میں ہیں۔ ان کو اشعار سنواتے اور اس کی ایک نقل ان کے حوالے کردیتے تاکہ محفوظ رہے۔ مضمون یا رسالہ تیار ہوتا تو بغرض طباعت ان کے حوالے کردیتے۔ طباعت کے کاموں میں حبیب علی صاحب نے بہت حصہ لیا۔ حضرت کے اشعار کی اگر وہ جان و دل سے حفاظت نہ کرتے تو حضرت کا مجموعہ کلام اس طرح بہ آسانی طبع نہ ہوسکتا۔

کرنا حبیب علی صاحب کی شخصیت ہی وہ واحد شخصیت تھی جو یہ دعویٰ کرسکتی تھی کہ میں ہی وہ واحد شخص ہوں جو حضرت کے ہمراہ سفر میں حضر میں ہر جگہ لگا لپٹا رہا۔ اور حضرت کا کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ حبیب علی صاحب حضرت کے واحد رازدار آدمی تھے جن سے حضرت کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ تھا۔ حضرت نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ ان سے سلسلہ بیعت، درس و تدریس تصنیف و تالیف، پند و نصیحت کا سلسلہ ان کے انتقال تک جاری رہا۔

ایک مرتبہ دن میں حاضر خدمت ہوا۔ دیکھا کہ کرنل حبیب علی صاحب حضرت کے سامنے کھڑے ہیں۔ دو تین حضرات اور بھی ہیں۔ حضرت حبیب علی صاحب سے مخاطب تھے اور کچھ فرمارہے تھے۔ ان لوگوں میں حضرت کی گفتگو سننے کا اشتیاق اور انہماک پایا جارہا تھا۔ میں جوں ہی کمرہ میں پہنچا تو حضرت نے سلسلہ گفتگو منقطع فرمادیا اور فرمایا حبیب! اب یہ آگئے یہ کوئی بات سن کر خاموش نہیں ہوجاتے۔ گھر جاکر لکھ لیتے ہیں۔ لکھ کر اپنے پاس رکھ نہیں لیتے اس کو چھپاکر ہزاروں میں مفت تقسیم کردیتے ہیں۔ حبیب علی صاحب سکتہ میں آگئے اور دیگر لوگوں نے مجھے کڑوی نظروں سے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں عجب آدمی ہے۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ حضرت کی تعلیم و ارشادات، دعوتِ خاص ہیں، دعوتِ عام نہیں۔ قریب پہنچ کر قدم بوسی حاصل کی تو نہایت شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا اور میری طرف متوجہ ہوگئے۔ کچھ دیر منتظر رہنے کے بعد حاضرین قدم بوسی حاصل کرکے واپس ہوئے۔ قریب رہنے والے اور رات دن آنے جانے والے جانتے تھے کہ میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا ہوں، حضرت آدھے پون گھنٹہ سے کم گفتگو نہیں فرماتے۔ اور نہ کسی اور کی طرف توجہ فرماتے ہیں الا اس کے کہ صاحبزادے ہوں۔

حضرت کے مقالات اور مضامین کی طباعت کے سلسلہ میں مصباح الدین قادری اگزیکیٹیو انجنیر برقی مرحوم ، دامے ، درمے پیش پیش رہے ۔ مذہبی علم اور علماء کی ناقدری کے دور میں اشاعت پر حسبۃً للّٰہ روپیہ صرف کرنا آسان نہیں ۔ اس سلسلہ میں ان کی شخصیت قابلِ تقلید اور ناقابلِ فراموش ہے ۔

ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں کچھ رقم بطور نذر پیش کی ، حضرت نے اشارہ سے دریافت فرمایا یہ کس غرض سے ہے ؟ انھوں نے عرض کیا " تفسیر لطیفی " کی طباعت کے لئے نذر ہے ۔ ارشاد فرمایا " صمدانی پاشا (یعنی احقر) کو دے دو ۔ چھپائی کا انتظام وہی کرتے ہیں " ۔ جب وہ واپس ہورہے تھے اتفاقاً میں بھی پہنچا تو انھوں نے سارا تذکرہ کیا ۔ میرے ساتھ دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کے بالمواجہ وہ رقم میرے حوالے کی ۔ حضرت نے ان سے فرمایا " باوا ! صمدانی میرا معتمد ہے " ۔ مصباح الدین صاحب مجھ سے معذرت چاہنے لگے ۔ حضرت ان سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے ۔ حضرت نے ان کو خلافت بھی عطا کی تھی ۔ چنانچہ حضرت کے وصال کے بعد لوگ ان کے طور طریق اور ان کے خیالات سے متاثر ہوکر ان کے مرید بھی ہوئے تھے ۔ حضرت سے ان کی نسبت اور عقیدت بڑی استوار تھی ۔ وہ جب کبھی حاضر ہوتے ، خواہ کوئی محفل ہو ، حضرت کے دولت خانہ پر ہو یا کسی اور جگہ ، بلا تکلف حضرت کے پاس پہنچ جاتے ۔ دیگر مشائخین یہاں تک کہ حضرت کے صاحبزادوں کا بھی خیال نہ کرتے اور بالکل قریب بلکہ مانڈی سے مانڈی لگاکر بیٹھ جاتے اور محفل برخواست ہونے تک حضرت کے پاس سے نہ ہٹتے ۔ ان میں ایسی سادگی ، صاف دلی اور اتنا خلوص تھا کہ ان کا ایسا طرز عمل کسی کو ناگوار نہ گزرتا ۔

حضرت کے رقمی کاروبار ، بینک میں رقم جمع کرنا بینک سے رقم نکالنا اور جائیدادوں کی نگرانی کرنا پروفیسر نصر اللہ صاحب قادری کے ذمہ تھا ۔ نصر اللہ صاحب صبح کے درس میں بلا تاخیر بہ پابندی حاضر رہنے والوں میں سے ایک ہیں ۔ نصر اللہ صاحب کی انگریزی بہت اچھی تھی ۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو حضرت کے خیالات سے واقف کرانے اور حضرت سے قریب کردینے کی غرض سے انھوں نے حضرت کے کئی مضامین انگریزی میں ترجمہ کرکے شائع کئے ۔ اور صحیح ہاتھوں میں پہنچانے کی کوشش کی اور اشاعت دین کے جذبہ کے تحت ان پمفلٹوں کو یورپ اور امریکہ کے علمی حلقوں میں تقسیم کروانے کا بھی بندوبست کیا ۔ نصر اللہ صاحب کو حضرت سے خلافت حاصل ہے ۔ ان سے بھی سلسلہ بیعت جاری ہے ۔ آج کل امریکہ میں مقیم ہیں ۔ وہاں بھی اشاعت دین کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ چنانچہ وہاں کے کئی مرد اور کئی خواتین نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس پر مضبوطی سے نہ صرف قائم ہیں بلکہ نصراللہ صاحب کے مرید بھی ہوئے ہیں ۔

دورانِ درس مزید تفہیم کے لئے سوالات کرنے کی لوگ جرات نہ کرتے تھے ۔ مگر شاہ اللہ خان صاحب قادری فردِ واحد تھے جو بے جھجک سوالات کرڈالتے ۔ بعض وقت تو حضرت کے ساتھ کٹ حجتی کرنے لگتے ۔ سب کو اس خیال سے پریشانی شروع ہوجاتی کہ کہیں ان کی کٹ حجتی کی بناء پر حضرت ان سے ناراض نہ ہوجائیں ۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " باوا ! ہمارے حضرت پچاس سال کے اندر جو کر گزرے ، میری عمر نود (۹۰) کے لگ بھگ ہے آج تک نہ کرسکا " ۔ شاہ اللہ خان صاحب نے اپنے خاص لہجہ میں کہا " میں تو اس بات کو ہرگز ماننے تیار نہیں ۔ آپ کی عمر کے مزید چالیس سال کیا یوں ہی اکارت گئے ؟ حضرت سب سن سکتے تھے مگر اپنے پیر و مرشد کے بارے میں بے حد سخت تھے ۔ حاضرین درس شاہ اللہ خاں صاحب کا منہ تکنے لگے ۔ اور ان پر

حضرت کی زبردست ڈانٹ کے منتظر تھے ۔ حضرت کے چہرہ پر ناگواری کے آثار نمایاں ضرور ہوئے مگر شاہ اللہ خاں کے منہ بھٹ ہونے کا لحاظ کرکے آگے کچھ نہ فرمایا ۔ شاہ اللہ خاں صاحب درس میں وقت سے پہلے آتے اور آتے وقت تھرماس میں چائے ، کچھ بسکٹ ساتھ لاتے اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تاکہ درس دینے سے پہلے حضرت تازہ دم ہوجائیں اور اس ضعیفی میں بغیر ناشتہ کے درس دینے کی وجہ سے بار نہ ہو ۔ شاہ اللہ خاں صاحب کو حضرت نے خلافت سے سرفراز فرمایا ہے ۔ نہ معلوم ان کی کیا بات اللہ و رسول کو پسند آئی کہ ہجرت کرجانے کی اجازت ملی اور وہ مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ عام طور سے ان سے ملاقات اصحاب صفہ کے چبوترے پر ہوا کرتی ہے ۔

حضرت کی گفتگو کے درمیان بات میں بات پیدا کرنا ، نازک باتوں پر واہ ! واہ ! کرنا اور حضرت نے کیا نازک بات فرمائی اس پر حاضرین درس کو متوجہ کرنا ، یہ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ کے حصہ کی بات تھی ۔ قتیلؔ صاحب رحیم پاشا صاحب کے شاگرد اور مرید تھے ۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیلؔ کی خلافت کے سلسلہ میں حضرت منتظر تھے اور رحیم پاشا صاحب کو توجہ بھی دلائی تھی ۔ تعمیل حکم میں بطور خلافت رحیم پاشا صاحب نے اپنی ٹوپی قتیلؔ صاحب کو پہنا دی اور حضرت سے عرض کیا کہ " تعمیل حکم میں قتیلؔ کو خلافت دے چکا ہوں " یہ سن کر حضرت نے اپنی گدڑی کی کلاہ نکلوائی اور اپنے دستِ مبارک سے قتیلؔ صاحب کو پہنادی اور نہایت مسرور ہوئے

دورانِ درس نہایت پر لطف سوالات کرنے میں ابوالمعظم قاضی عبدالغفار صاحب کا جواب نہ تھا ۔ اس موقع پر ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ ان کے سوالات اور حضرت کے برجستہ جوابات سننے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مثلاً قاضی صاحب نے سوال کیا ، اللہ مقتدرِ اعلیٰ ہے چاہے تو قضائے مبرم کو بھی بدل سکتا ہے ۔ حضرت نے جواب دیا " یہ وہ کہتا ہے جو اللہ کو بے وقوف سمجھتا ہے " ۔

درس میں بعض وقت اشاروں اور استعاروں میں گفتگو فرماتے تھے ۔ جس کو ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق سمجھتا تھا ۔ مثلاً ایک مرتبہ صبح کے درس میں اہلِ درس کو مخاطب کرکے فرمایا " میں تو یہ روتے بیٹھا ہوں کہ کم بختے میرے پاس کاہے کو آئے اپنی مٹی خراب کرنے کو ۔

کیوں بیٹھے ہو خودکشی کو تیار — اے مردِ خدا یہ کیا سمائی
دیکھا تو وہ چیز اور ہی تھی — کچھ اور ہی تھی سنی سنائی
حسرت میرے پاس کیا دھرا ہے — اک جان سو وہ بھی ہے پرائی
مجھ کو میری بندگی مبارک — تجھ کو تیری شانِ کبریائی
اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو — تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنادے

شیر ہے مگر ناخن نہ دانت ، واہ رے شیر ۔ تم شکار کرنا نہیں شکار ہوجانا ۔ ہم بھی اللہ میاں کے تماشے ہیں ۔ ان کو تماشہ دیکھنا منظور ہوا تو ہم کو پیدا کیا ۔ اجمال تفصیل میں آرہا ہے ۔ کیا بولا ، حبیب ۔

میں چکر گھمی میں ہوں کہ ایک بچی آئی ۔ تو شاہ ہے ؟ جی ہاں میں شاہ ہوں ۔ وہ شاہ کی بیوی تھیں ۔ کچھ تعجب کیا نہ حیران ہوئی مجھے اچھا معلوم ہوا ۔

آپ کسی کو دیکھے ؟ نہیں ۔ آفتاب کو دیکھے ۔ آفتاب اس میں نظر آیا ۔ پھر آفتاب کو بھی نہیں دیکھے ۔ اپنے آپ میں چھپتے

بس خیال ہے دوئی کا۔ ارے! یہ رحمت ہے رے دیوانے۔ یہ خیال بھی۔ نہیں تو اس کی قہاریت سب کو فنا کر دیتی ہے۔

اگر سچ پوچھئے غفلت نشانِ شانِ رحمت ہے

ہم غفلت کی وجہ سے جی رہے ہیں۔ غفلت نہ ہوتی تو فنا ہو جاتے۔

سب لوگ کوشش کرتے ہیں علم کے واسطے۔ ہم کوشش کرتے ہیں بے علمی کے واسطے۔ تم علم سیکھنے کو آئے میرے پاس؟ (یعنی یہاں علم کھوجاتا ہے)۔ یہ سب بچے ہوشیار ہیں۔ (ہاتھ پر ہاتھ رگڑتے ہوئے) مگر یہ ہوشیاری فنا کر دینا۔

کچھ نشہ نہیں ہوتا ساقی مئے خالص سے
اب ساغر و مینا میں کچھ زہر ہی ملوا دے   (حسرت صدیقیؒ)

بڑے نشہ کرنے والے مجبور ہو کر جب نشہ نہیں ہونے لگتا تو سنکھیا تک کھا لیتے ہیں۔ یہ ایسے ہوتے ہیں کہ سانپ ان کو کاٹے تو مرجاتا۔

مجھے رحم آتا ہے ان بچوں پر۔ ہوشیار بچے۔ ان کی کیا عقل ماری گئی۔ یہ علم سیکھنے کو آئے؟ علم کھونے کو آئے؟ ہر چیز اپنے وقت پر صحیح ہے۔ علم صحیح۔ ارے کونسا علم صحیح رے۔ سب علم اللہ کے پاس ہی سے آتا ہے۔ اس کا علم غلط ہوتا؟ (یعنی اسی کا علم ہرگز غلط نہیں ہوتا)۔

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کاہے کو آئے رے، بے وقوف بننے کو؟ ارے یہ بے وقوف بننے پر بڑے خوش۔ غم غم، کیا غم؟ غلط بات ہمارے پاس آتی کہاں؟ غلط بات نہیں تو غم کیسا؟ پھر یہ کیا تکلیف؟ ارے یہ تکلیف میں بھی مزا ہے رے۔ اس کے پاس کوئی غلط بات آتی؟ نہیں آتی۔ ہم سمجھے غلط، ہائے ہم سمجھے غلط۔ حفیظ قتیلؔ نے مصرع پڑھا "پیوند خاک ہوگا نقش قدم بنے گا" حضرت نے فرمایا "نقش قدم سے راستہ ملتا۔ ارے کوئی گیا رے ادھر سے "۔

ایک مرتبہ درس میں فرمایا "کوئی دوکان لگا کر بیٹھا ہوگا تو کوئی خریدار آیا ہوگا "۔

سیر گہ میں دل کسی نے لے لیا   کیا تماشے میں تماشا ہو گیا
رہ گئے حسرت کلیجہ تھام کر   بیٹھے بیٹھے تم کو یہ کیا ہو گیا   (حسرت صدیقیؒ)

"سورج تم دھیرے تپو مورا بالا جوبن کملائے ہے"

اس دور میں جب کہ حضرت خود اپنے دستِ مبارک سے مضامین لکھا کرتے تھے، اس زمانہ میں حضرت کے ایک خلیفہ قاضی منیر الدین فاروقی، قاضی پربھنی و صدر محافظ عدالت العالیہ تھے، جو دیگر پیر بھائیوں کے ساتھ رکاب گنج کے مکان کے بنگلہ پر رہا کرتے تھے۔ ان کا کام تھا کہ حضرت کے ملفوظات اور تحریرات کو محفوظ کرلیں۔ چنانچہ ایک ضخیم رجسٹر ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا۔ حضرت کی عربی میں لکھی ہوئی کتاب "الدین" قاضی صاحب کے زیر اہتمام چھپی۔ قاضی صاحب فاروقی تھے۔ ان کو حضرت نے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ ان میں جہاں غصہ شدید تھا وہیں رحم و کرم بھی انتہا پر تھا۔ نہایت سخی تھے۔ سخاوت پر آتے تو تنخواہ ملتے ہی ساری تنخواہ غریبوں میں تقسیم کرتے ہوئے خالی ہاتھ گھر واپس آتے۔ ان کے جنازہ پر کھڑے ہو کر حضرت نے اوپر نظر کی

اور فرمایا - ایسا سمی تجھے اب نہیں ملے گا -

طباعت کا کام | اس دور میں ابتداءً طباعت کا کام سید مظہر علی شوکت قادری المعروف بہ شوکت میاں کے ذمہ تھا۔ چنانچہ حضرت کی تصنیف " معیار الکلام " اور " رسالہ اعجاز القرآن " اور دیگر متعدد رسالے اور حضرت کے اردو ، فارسی اور عربی کلام کے مجموعے " نسیم عرفان " " زمزمہ محبت " اور " زفرات الاشواق " ان ہی کی زیر نگرانی طبع ہوئے۔

اس کے بعد کے دور میں طباعت کا کام محمد مظہر الدین صاحب قادری کے ذریعہ لیا جانے لگا۔ چنانچہ " المعارف " حصہ اول و دوم جو حضرت کے مقالات اور ارشادات پر مشتمل ہیں اور قاضی منیر الدین صاحب کے جمع کردہ ہیں ۔ مظہر الدین صاحب کے زیرِ اہتمام حصہ اول ۱۳۵۴ھ میں اور حصہ دوم ۱۳۵۶ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ المعارف کے تینوں حصوں میں جو مقالات اور مضامین چھپے ہیں ان مقالات کو حضرت نے ماہوار رسالہ " النور " کے لئے لکھا تھا۔ یہ رسالہ حضرت کے بڑے داماد ابو الفتوح سید محمد باقر حسینی صاحب طارق کے زیرِ ادارت محلہ قاضی پورہ سے شائع ہوتا تھا۔ ابتداءً یہ مضامین رسالہ النور میں شائع ہوئے تھے۔ بعد میں ان کو کتابی شکل میں طبع کرایا گیا۔

جس زمانہ میں طباعت کی ذمہ داری حضرت نے مجھے سونپی میں نے حضرت کو توجہ دلاکر قاضی منیر الدین صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے حضرت کے کئی غیر مطبوعہ مضامین بغرض طباعت رجسٹر سے نقل کرلئے اور ان مضامین کی رسالوں کی شکل میں طباعت بھی عمل میں آئی ۔ اس رجسٹر میں حضرت کے دیئے ہوئے نہایت اہم فتاوے اور کئی ایسے مضامین بھی تھے جن کی ہنوز طباعت عمل میں نہ آسکی تھی ۔ کسی علم حرام نے اس رجسٹر کو غائب کردیا ۔ رجسٹر غائب ہوجانے کا جتنا بھی ملال کیا جائے کم ہے ۔ کاش وہ شخص مضامین کی اہمیت کے مدنظر اسس رجسٹر کو ترکیب ہی سے سہی سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں پہنچا دے تاکہ غیر مطبوعہ مضامین کی " حسرت اکیڈیمی " کے ذریعہ طباعت و اشاعت ہوجائے ۔ اسی زمانہ میں حضرت نے مجھے حکم دیا کہ " تم اپنے نام کے ساتھ " ابو الفیض " لکھا کرو " اگر کوئی پوچھے تو کہو یہ نام (لقب) میں نے دیا ہے ۔ چنانچہ حضرت کے بعض رسالوں پر جو میرے زیر اہتمام طبع ہوئے ہیں ۔ نام کے ساتھ ابو الفیض بھی موجود ہے ۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوجانے کے بعد کے دور میں جب کہ حضرت رکاب گنج کے مکان میں مقیم تھے ۔ دن کے بیشتر اوقات میں مطالعہ میں غرق رہتے تھے ۔ اس زمانہ میں حضرت کے مطالعہ فرمانے کے انداز کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا ۔ بڑے گھر کے پیش دالان میں زہ کے قریب ایک کمبل بچھی رہتی اور سرہانے تکیہ ، تکیہ کے بازو کچھ کتابیں ، پان کی ڈبیا ، اگالدان ، ناس کی ڈبیا ، سگار کا ڈبہ ۔ حضرت اس کمبل پر لیٹے رہتے ۔ سر تکیہ سے اونچا دیوار سے لگا ہوا ۔ گلے میں تسبیح حمائل ، سینے پر کتاب کھلی ہوئی ، دونوں ہاتھوں سے کتاب تھامے ہوئے ۔ منہ میں پان ، سامنے کے دانتوں سے چھالیہ کے دانے کھٹکتے ہوئے اور غرق مطالعہ ۔ گھر کے لوگ مطالعہ میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے حضرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے ڈرتے تھے ۔ حضرت کی نظر کتاب پر جمی ہوئی رہتی گھنٹوں گزر جاتے مگر صفحہ الٹنے کا نام نہیں ، بظاہر تو دنیا دیکھتی کہ حضرت مصروفِ مطالعہ ہیں ۔ مگر اصل حال خدا بہتر جانے ۔ ہوسکتا ہے کہ اپنی محویت میں کسی کے خلل انداز نہ ہوسکنے کا حضرت نے بظاہر کتاب کو حیلہ بنایا ہو ۔ ظاہراً مولوی باطناً فقیر ۔ اولاد و احفاد کی کثرت سے گھر میں گڑبڑ سی رہتی ۔ مگر حضرت کی خلوت در انجمن پر اس کا مطلق اثر نہ پڑتا ۔

حضرت کی طبیعت کی افتاد ابتداء ہی سے خلوت کی خواہاں اور جلوت سے گریزاں رہی ۔ باوجود اس کے زندگی کی ظاہری مشغولیتوں اور اس کے تقاضوں کا بھی حضرت نے گو پورا پورا حق دیا مگر خلوت کی طلب بھی بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی ۔ جوں ہی کاموں کے تقاضوں سے مہلت ملتی حضرت اپنے دل کی دنیا میں ایسی جگہ پہنچ جاتے جہاں خود حضرت کو اپنا پتہ بھی نہ رہتا ۔ ایک ایسی ہی حالت میں حضرت کے بھتیجے اور داماد مولوی محمود عبدالصبور صدیقی صاحب المعروف بہ یوسف پاشا، حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ حضرت نے آہٹ پر سوال کیا کون ؟ انھوں نے جواب دیا عبدالصبور ۔ کون عبدالصبور ؟ انھوں نے عرض کیا یوسف ۔ اتنی دیر میں حضرت اس طرف متوجہ ہوگئے تھے ۔ فرمایا " مجھے ابھی اطلاع ہوئی یوسف پاشا ہیں " ۔ پھر ان سے گفتگو فرمانے لگے ۔ عبدالصبور صاحب نے بعد میں تذکرہ کیا کہ چچا حضرت کے سوال پر سوال کرنے سے مَن عائشہ والی حدیث میرے پیش نظر ہوگئی ۔ یہ واقعہ حضرت کے مدینہ منزل میں قیام کے زمانہ کا ہے ۔

جس زمانہ میں حضرت کالج تشریف لے جایا کرتے تھے فجر کی نماز کے ساتھ ہی ایک شیرمال اور ایک سادہ چائے کی پیالی حضرت کے ملاحظہ میں پیش کردی جاتی ۔ حضرت شیرمال چائے کے ساتھ نوش فرماتے اور پان کھاکر مطالعہ میں مصروف ہوجاتے ۔ آٹھ بجے دسترخوان بچھتا ۔ ناشتہ سے فراغت حاصل کرتے ، چائے پیتے ، پان کھاتے اور کالج کو جانے کی تیاری شروع کردیتے ۔ ڈارک بلو کلر کی سرج کی شیروانی زیبِ تن فرماتے ۔ سر پر ملائم سیاہ بالوں کی اونچی دیوار کی ٹوپی ، پیسر میں سیاہ رنگ کا قیمتی پمپ شوز پہنتے ۔ اور عمدہ قسم کا ناسی رنگ کا شال گلے میں حمائل کرتے اور موٹر میں تشریف فرما ہوجاتے ۔ ایک آدھ کتاب بھی بعض وقت ہاتھ میں ہوتی ۔ حضرت کے پاس پیلے رنگ کی ڈاج تھی ۔ جب کار اسٹارٹ ہوتی تو گھر کے تمام افراد سمجھ جاتے کہ اس وقت ٹھیک نو بجے ہیں اور موٹر روانہ ہوجاتی ۔ حضرت نے اپنے وقت کی بے حد قدر کی ۔ حضرت کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مصروف تھا ۔ کالج کے قدیم طلباء سے پوچھئے وہ بتلائیں گے کہ بحیثیت پروفیسر حضرت کس شان کے مالک تھے ۔ کالج کے طلباء کو گھر پر آنے کی حضرت نے اجازت دے رکھی تھی ۔ جب بھی موقع ملتا دیگر فنون کے طلباء بھی مذہبی معلومات کے سلسلہ میں گھر پر حاضر ہوکر استفادہ کرتے تھے ۔

حضرت سے کوئی شخص سوال کرتا کچھ مسئلہ پوچھتا تو اس کے سوال کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کو معلوم کرلیتے اور جواب میں اس کے مشکل مسئلہ کا حل پیش فرمادیتے ۔ اور اس کی تشفی ہوجاتی ۔

حضرت اجمالی سوال کا جواب اجمال میں اور جامع سوال کا جواب جامع انداز میں دیتے ۔ مسائل کے سوال سے اس کی علمی استعداد سے واقف ہوجانے کی بناء پر اگر دورانِ جواب کہیں تفصیل ضروری سمجھتے تو بقدر ضرورت تفصیل میں جاتے تھے ۔

وظیفہ حسنِ خدمت پر بٹنے کے بعد بھی حضرت نے درس و تدریس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رکھا ۔ حضرت کا اس غضب کا حافظہ تھا کہ طویل مدت کی باتیں من و عن بیان فرمادیتے تھے ۔ انتقال تک حافظہ کا یہی عالم رہا ۔ حضرت کی خدمت میں بغرض ملاقات حاضر ہونے والوں میں پڑھے لکھے اور لائق لوگوں کی تعداد بھی زیادہ تھی ۔ اسکالرس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ، خود اپنا تعارف کراتے یا کوئی ان کا تعارف کراتا تو پہلی ہی ملاقات میں خلوص ، محبت اور بزرگانہ شفقت کا اظہار اس انداز میں فرماتے کہ اس کے دل پر نقش ہوجاتا ۔ دورانِ گفتگو بعض باتیں پوچھتے ۔ مثلاً یہ کہ کالج میں مضامین کیا تھے ؟ تمہارا رجحان طبع کس طرف ہے ؟ اب کیا کرنے کا ارادہ ہے ؟ تمہارے پروفیسر کون کون ہیں ؟ مضمون کی مناسبت سے ایک دو سوالات بھی کرتے ۔ تشفی بخش جواب ملتا تو

بہت خوش ہوتے ۔ اس طرح اس کو اپنے قریب کرلیتے ۔ ایک آدھ بات ایسی فرمادیتے کہ مخاطب میں عشقِ خدا و رسول کا شعلہ بھڑک اٹھتا ۔ لذتِ ایمان کا چسکا لگتا اور آدمی بار بار حاضر ہونے کا اشتیاق اور حضرت کی بے پایاں محبت اور شفقت کا ہر دفعہ ایک نیا اثر نیا جذبہ اور نیا حوصلہ ساتھ لے جاتا ۔

بعض ہم عصر علماء حضرت کے ہم عصر علماء ، پروفیسرس ، فقراء اور مشائخین حضرت کی خدمت میں جس وقت بھی ان کو کسی معاملہ میں ضرورت درپیش ہوتی حاضر ہوا کرتے اور استفادہ کرتے ۔ ان کے پاس حضرت کا فضل و کمال ، ورع و تقویٰ ہر طرح مسلم اور ثابت تھا ۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ علم و عمل کی متعدد شاخوں میں حضرت اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے ۔

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد صدر مجلس علمائے دکن جو حضرت کے ماموں زاد بھائی اور شاگردِ خاص تھے حضرت کے پاس منعقد ہونے والی حدیث و فقہ اور تصوف کی ان خصوصی درس کی مجالس میں بہ پابندی شرکت فرماتے تھے جن میں حیدرآباد کے علماء و مشائخین شریک درس رہتے تھے ۔ اپنے ایک مضمون میں اس طرح اعترافِ حقیقت فرماتے ہیں ۔

" ہم عصر علمائے کرام حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حاضر ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابھی دریائے علم کے ابتدائی شناور ہیں جو دریا کے کنارے کھیل رہے ہیں " ۔ (ماخوذ از رسالہ القدیر ۸۱)

پروفیسر الیاس برنی صاحب حضرت کے کالج کے ساتھی پروفیسر اور سمدھی بھی تھے ۔ حضرت جہاں کہیں رہے تشریف لایا کرتے تھے ۔ یہ تھے تو معاشیات کے پروفیسر مگر سیاست پر بھی گہری نظر رکھتے تھے ۔ نفسیات کے تو ماہر تھے ۔ نہایت قیافہ شناس تھے ۔ حج میں حضرت کے رفیقِ خاص تھے ۔ حضرت نے ان کو اپنا امیر سفر بنایا تھا ۔ راز و نیاز کی باتوں سے بڑی دلچسپی تھی ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کوچہ کی ہوا اچھے اچھوں کو نہیں لگی ۔ حضرت سے سننا چاہتے تھے ۔ حضرت سے استفادہ کرنے کا ان کا ڈھنگ ہی نرالا تھا ۔ آتے ہی فرمادیتے میں تخلیہ چاہتا ہوں ۔ مجبوراً حاضرین کو برخواست کرنا پڑتا ۔ گھنٹوں تخلیہ میں حضرت سے تصوف ، سلوک اور رموز باطنی کے مسائل پر گفتگو رہتی ۔

برنی صاحب مولانا شاہ محمد حسین صاحب ناظم عدالت سمستان ، ونپرتی کے مرید اور خلیفہ خاص تھے ۔ محمد حسین صاحب کے پاس توحید پر بےحد زور تھا ۔ شغل مطلقہ میں رہتے ۔ چنانچہ آخری زمانہ میں ان پر توحید محض کا رنگ اس قدر غالب ہوا کہ بھڑک گئے تھے ۔ ان کے احوال دیکھ کر ان کے متعلقین متفکر ہوگئے ۔ چنانچہ برنی صاحب حضرت کو اپنے مرشد کے پاس لے گئے ۔ حضرت نے محمد حسین صاحب پر توجہ فرمائی اور ان کو رسالت کی طرف متوجہ کیا اور ان میں الحمد للہ اعتدال پیدا ہوگیا ۔

الیاس برنی صاحب حضرت کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے عازم سفر ہوئے تو ان کے والد محمد ابراہیم برنی صاحب نے ان سے فرمایا " تو ان کے ساتھ جارہا ہے ، اتنے بڑے آدمی کے ساتھ ، اللہ تیری حفاظت کرے " ۔

برنی صاحب نے پورا قرآن تجوید کے ساتھ حضرت کو سنایا اور سند روایت حاصل کی ۔ ان کے پاس حضرت کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی ۔ دل سے قائل تھے ۔ صراط الحمید حصہ اول میں حضرت کے تعلق سے ان کا تعارفی مضمون ان کے قلبی جذبات کا آئینہ دار ہے ۔

ایک مرتبہ برنی صاحب کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا ۔ دورانِ گفتگو انھوں نے حضرت کے تعلق سے فرمایا

عبد اللہ

حضرت آئندہ کے لئے فیڈرس تیار نہیں کر رہے ہیں جو بعد میں حضرت کے کام کو آگے بڑھائیں ۔ میں نے عرض کیا ۔ بھائی جان ! جس طرح آپ تشریف لاتے ہیں تو گھنٹوں حضرت سے مختلف مسائل میں تبادلہ خیال فرماتے ہیں ۔ اسی طرح یہاں کے دیگر علماء، اسکالرس، فقراء، مشائخین سب ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں اور حضرت کا زیادہ تر وقت ان کے شکوک و شبہات کے رفع کرنے اور مختلف مسائل میں اپنی تحقیقات بیان کرنے میں صرف ہوتا رہتا ہے ۔ کوئی نئی دوکان کھولنا چاہتا ہے، تو کوئی باپ دادا کی جمی جمائی دوکان کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کے لئے سامان کی فراہمی چاہتا ہے ۔ اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کی دوکان کے لئے ایسا نایاب مال ملے جو کسی اور دوکان پر نہ مل سکے ۔ دوکان میں سامان تو حضرت کے گودام سے فراہم کیا ہوا رہتا ہے ۔ مگر سائن بورڈ تو ان کا اپنا ہوتا ہے ۔ حضرت ان مراکز کو جما دینے کی فکر میں رہتے ہیں تاکہ گاہکوں کو اصلی مال سپلائی ہوسکے ۔ اور گاہک نقلی مال سے نقصان نہ اٹھائیں ۔ یہ فیڈرس تیار کرنا نہیں تو اور کیا ہے ۔ حضرت کو اپنے نام و نمود کی تو مطلق پروا نہیں ۔ حضرت کے پاس جمے جمائے مراکز کو دیوالیہ ہونے سے بچالینا زیادہ اہم ہے ۔ حضرت کی تصانیف فیڈرس تیار کرنے کے لئے خود بہت کافی ہیں ۔ یہ سن کر برنی صاحب خاموش ہوگئے ۔ جیسے ان کو جواب شافی مل گیا ہو ۔

حضرت کے صاحبزادے ڈاکٹر موسیٰ عبدالرحمن صدیقی صاحب جو برنی صاحب کے منجھلے داماد تھے ۔ بچپن سے عنفوان شباب تک حصول تعلیم میں سہولت کے خیال سے انھیں کے پاس رہتے تھے ۔ مجھ سے کہا ۔ صمدانی پاشا میں نے بھائی جان سے اتنی طویل اور مسلسل گفتگو کرتا ہوا سوائے آپ کے کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ یہ پہلا موقع ہے ۔ بھائی جان دوسرے کو بات کرنے کب موقع دیتے ہیں ۔ موسیٰ پاشا صاحب پر قدیری رنگ بچپن سے اتنا گہرا چڑھا تھا کہ باوجود دوسرے ماحول میں کئی سال رہنے کے ان کی طبیعت نے وہاں کا اثر مطلق قبول نہ کیا ۔

پروفیسر انگریزی ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب بھی اکثر تشریف لاتے اور گھنٹوں دقیق اور نازک مسائل پر حضرت سے تبادلہ خیال فرماتے ۔ خود بھی سگریٹ نوش کرتے اور حضرت کی خدمت میں بھی پیش کرتے ۔ ڈاکٹر صاحب کے سوالات زیادہ تر علومِ اسلامیہ کے مختلف مسائل سے ہوا کرتے تھے ۔ یا پھر قرآن کی آیتوں کی تفسیر میں مفسرین کا جہاں عام طور اختلاف پایا جاتا ہے ان آیتوں میں بعض نکات کے بارے میں وہ حضرت سے توضیح چاہتے تھے ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے شکوک و شبہات دور فرماتے ۔ ان کے سوالات کے تشفی بخش جواب دیتے جس پر ڈاکٹر صاحب سر دھنتے تھے ۔ اور ہر مسئلہ میں حضرت ان سے اپنی تحقیقات بیان فرماتے ۔ حاضرین کو بڑا استفادہ ہوتا تھا ۔

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے حضرت کے وصال پر جو تعزیتی مضمون رسالہ القدیر کو روانہ کیا تھا اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔ ان کے علم و فضل کے متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ زندگی نے مجھے بہت سارے مواقع عطا کئے کہ میں اپنے زمانہ کی فاضل ترین شخصیتوں سے ملا اور ان کے علم و فضل اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کرسکا ۔ لیکن کسی پس و پیش کے بغیر میں کہوں گا کہ مولانا سے کسی موضوع پر بھی بحث کے دوران مجھے وہ خوشی حاصل ہوئی جو کسی اور کی صحبت میں میں نے ایسی خوشی کبھی نہیں محسوس کی ۔ ان کی شخصیت ایسی جامع واقع ہوئی تھی کہ سخت سے سخت توہم پرست کو بھی اس کے جذبات کو مجروح کئے بغیر حقائق سے روشناس کردیتے ۔ ساتھ ہی جدید طرز کے مفکرین و محققین کو بھی کسی مسئلہ میں اپنے خاص اندازِ تفہیم سے مطمئن فرمادیتے تھے ۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ حضرت سے پوچھا وَاعف عنا واغفرلنا مٹا دینے کے بعد چھپا دینا کیسا ؟ حضرت نے جواب دیا ۔ ماضی کو مٹا دیتے اور مستقبل کے آنے والے (واقع ہونے والے) کو چھپا دیتے ہیں ۔ ظاہر ہونے نہیں دیتے ۔ ماضی کو مٹایا مستقبل کو چھپایا "۔

حضرت اور ڈاکٹر صاحب میں باہمی قلبی لگاؤ بے حد تھا ۔ حضرت کے کالج کے ساتھی پروفیسروں میں ڈاکٹر لطیف صاحب ہی واحد شخص تھے جن کو حضرت بھی اپنا دوست سمجھتے تھے ۔

ڈاکٹر صاحب اپنے تعزیتی مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں " میرے والد کا انتقال ۱۹۲۵ء کے اواخر میں ہوا ۔ مولانا سے آخری ملاقات میں انھوں نے فرمایا تھا کہ " مولانا میں جسد خاکی چھوڑ رہا ہوں لیکن خوش ہوں کہ میرے بچے کو (یعنی خود مجھے) اچھی صحبت میں چھوڑ رہا ہوں "۔ مجھے مولانا کی یہ صحبت چالیس سال سے زیادہ حاصل رہی ۔

ڈاکٹر صاحب کی شادی حضرت نے اور حضرت کی زوجہ محترمہ نے اپنی شخصی سرپرستی میں انجام دی تھی ۔ اور دلہن کو اس طرح بیاہ کر لائے جیسے کوئی بہو کو بیاہ کر لاتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی بیگم جب تک زندہ رہیں انھوں نے آخر تک ایسے ہی مراسم برقرار رکھے جیسے ایک خاندان میں باہم ہوا کرتے ہیں ۔

حضرت نے ڈاکٹر صاحب کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ۔ یہ خود بھی حضرت غوث الاعظمؒ کی اولاد اور مشائخ خاندان کے ایک رکن تھے ۔ مگر ان کی مصروفیات نے ان کو اس جہت میں کام کرنے کا موقع نہ دیا ۔ ڈاکٹر صاحب میں روحانی کیفیت اچھی تھی ، علمی اور مثالی انکشافات غیر معمولی تھے ۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت سے واقعی استفادہ کیا کہ ان کی روح حضرت کی روح سے لگی رہی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تقریباً دس گیارہ سال حضرت کی خدمت میں بغرض استفادہ بہ پابندی حاضری دی ہے ۔ انھوں نے بڑی ہی تحقیق سے حضرت سے استفادہ کیا ۔ بڑی رد و قدح کے بعد کسی بات کو ملتے ۔ ان کی یہ علمی صحبت برنی صاحب کی طرح چونکہ تخلیہ میں نہیں ہوتی تھی لہذا دوران گفتگو حاضرین میں سے کسی نہ کسی کے ٹپک پڑنے سے بڑی دشواری ہوتی ۔ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ۔ جب کسی مسئلہ میں کوئی شخص مودودی صاحب کے نازک اعتراضی سوالات پر خود اپنی علمیت بگھارنے لگتا تو حضرت اور مودودی صاحب دونوں خاموش سنتے ، جب اس کی بکواس ختم ہوجاتی تو حضرت فرمانے لگتے اور سلسلہ گفتگو جاری ہوجاتا ۔ جب پاکستان جانے لگے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ، دعا اور نصیحت کے طالب ہوئے تو حضرت نے ان سے فرمایا " باوا ! آپ وہاں سب کچھ کرنا مگر نبوت کا دعویٰ نہ کرنا ، کیونکہ پنجاب کی سرزمین دعویٰ نبوت کے لئے بڑی زرخیز ہے "۔ مودودی صاحب جب تک حیدرآباد میں رہے " ترجمان القرآن " کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا تھا ۔ ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ جلد ۶ عدد ۴ کے پرچہ میں حضرت کی تفسیر " سورہ الناس " بھی شائع کی تھی ۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں یہ رسالہ حیدرآباد میں بند ہوا ۔ مودودی صاحب جب پاکستان پہنچے تو وہاں اس کو جاری کیا ۔ جس کا دفتر جمال پور متصل پٹھان کوٹ پنجاب میں تھا ۔

جب لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ مودودی صاحب اپنے مجدد ہونے کا ترکیب سے اظہار کر رہے ہیں تو بڑی لے دے ہوئی ۔ لہذا مزید آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ کرسکے ۔ البتہ انھوں نے بڑی ہی فراست سے اپنے متبعین کی بڑی تعداد فراہم کرکے جماعت اسلامی کے نام پر اسلام میں ایک نئی جماعت کی بنیاد تو ضرور ڈال دی ۔ اور اس کے دستور میں اعلان کردیا کہ " اس جماعت میں کوئی

شخص محض اس مفروضہ پر شامل نہیں کرلیا جائے گا کہ وہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اس کا نام مسلمانوں کا سا ہے تو ضرور مسلمان ہوگا۔ اسی طرح کوئی شخص کلمہ طیبہ کے الفاظ کو بے سمجھے بوجھے محض زبان سے ادا کرکے بھی اس جماعت میں نہیں آسکتا "۔

(دستور جماعت اسلامی)

بہرحال بڑی خوبی سے انھوں نے اپنی شخصی فکر کے ہمنواؤں اور مقلدین کی بڑی جماعت تیار کرلی۔ اور اپنے مخصوص طرزِ فکر کے جتھے اور مقلدین کی حفاظت کے لئے حکم صادر فرما دیا کہ " جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں، تطہیر کے ذریعہ ان کو جماعت سے خارج کردیا جائے اور اس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے "۔

(سیاسی کشمکش ج ۳ صفحہ ۲۱)

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ بڑے آدمی کی ایک ادنیٰ لغزش بسا اوقات ہزاروں انسانوں کی مجموعی معصیت اور ذنوب سے بڑھ کر مضرت رکھتی ہے۔ (لمحوں کی خطائیں صدیوں کی سزائیں)

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا " اگر ننانوے پہلو شرک و کفر کے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا تو ہرگز اس کو کافر و مشرک نہیں کہہ سکتے۔ ناظم عدالت کہتا ہے شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا۔ جب تک کوئی بات یقینی اور قوی نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو "۔

اس مخصوص جماعت کے دستور نے جو اصول پیش کئے ہیں اس سے اراکین جماعت کو اکابر اسلام جیسے صحابہ، تابعین، اولیاء عظام، ائمہ کرام پر تنقید کرسکنے اور ان کی عظمتوں کو مجروح کرنے کا جو گستاخانہ ذہن ملتا ہے اس سے پریشان ہوکر علماء کی ایک جماعت حضرت کی خدمت میں پہنچی اور حضرت سے سوال کیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دونوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت نے جواب دیا " دونوں انار ہیں "۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ تھوڑے سے توقف کے بعد حضرت نے فرمایا " مگر ایک پک کر سڑ گیا اور دوسرا کچا ٹوٹ گیا "۔

حضرت کے چھوٹے داماد قاضی بشیر الدین فاروقی نے جو ابوالکلام آزاد کے لٹریچر سے متاثر تھے ان کے تعلق سے حضرت کی رائے کا ان کو اندازہ ہوا تو ترکیب سے انھوں نے مولانا آزاد کی لکھی ہوئی سورہ فاتحہ کی تفسیر دوپہر کے خاصہ کے بعد چند روز تک حضرت کو بہ پابندی سنائی۔ پوری تفسیر سننے کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا " اگر اللہ قبول فرمالے تو یہ تفسیر ان کی بخشائش کے لئے کافی ہے "۔

التوحید عبداللہ خان صاحب صوبہ دار اور رحیم الدین حسین صاحب یہ دونوں مل کر حضرت کی خدمت میں مدینہ منزل حاضر ہوا کرتے۔ ان دونوں نے حضرت سے مثنوی مولانا روم سبقاً سبقاً پڑھی۔ حضرت نے عبداللہ خاں صاحب کے لئے فارسی میں تصوف کا ایک رسالہ " التوحید " کے نام سے تحریر فرمایا اور اس میں یا عبداللہ سے مخاطبت فرمائی۔ رسالہ طبع ہوجانے کے بعد ایک نسخہ ان کو عطا کیا اور ان سے فرمایا " یہ رسالہ میں نے آپ کے لئے لکھا ہے اور اس میں مخاطب آپ ہی ہیں۔ مثنوی مولانا روم کے درس کے دوران عبداللہ خاں صاحب کو حضرت کی علمیت اور روحانیت کا کچھ اندازہ ہوا تو مرید ہوگئے۔ حضرت نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ بڑے پرکیف اور مست آدمی تھے۔ محفلِ سماع میں بڑا ہی کیف و رنگ رہتا۔

مولوی اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ تفسیر پڑھنے آیا کرتے تھے۔ انھوں نے بھی حضرت کی خدمت میں برسوں حاضری دی۔ اس زمانہ میں جب کہ حضرت رکاب گنج کے مکان میں رہتے تھے۔ مولوی اکبر علی صاحب نہایت خشک اور کٹر قسم کے آدمی تھے۔ صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے۔ پیری مریدی کے قائل نہ تھے۔ بزرگوں کی دل میں جیسی عظمت ہونی چاہئیے ان میں مطلق نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے قلبی لگاؤ ضرور تھا مگر راست اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی دھن سوار تھی۔ نہایت کٹ حجت تھے ان کے پاس ٹانگہ تھا خود چلاتے ہوئے آتے۔ منجھلے گھر میں جہاں حضرت ملاقات فرماتے تھے ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے اور اپنے آنے کی حضرت کو اطلاع نہ کراتے۔ تسبیح پڑھتے ہوئے ٹہلتے رہتے۔ درود شریف بکثرت پڑھتے تھے۔ حضرت خود برآمد ہوتے تو تفسیر کا درس لیتے۔ رفتہ رفتہ ان میں بڑی تبدیلی پیدا ہوئی فقیروں سے دوستی پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ نیاز محمد صاحب المعروف بہ " جل شاہ " (بعض لوگ ان کو " اللہ کا حکم " کہہ کر ہی یاد کرتے ہیں) حضرت کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ ان سے ربط ضبط بڑھ گیا تو ان کے معتقد ہوگئے۔ اور ان کے مرید ہوجانے کا خیال پیدا ہوگیا تو نیاز محمد صاحب نے ان کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور قدموں پر ڈال دیا اور عرض کیا کہ حضرت ان کو مرید کرلیں۔ حضرت نے انھیں اٹھاکر نیاز محمد صاحب کا دامن ان کے ہاتھ میں تھمادیا۔ بالآخر وہ نیاز محمد صاحب کے مرید ہوگئے۔ بعد میں حضرت سے عرض کیا " میں نے آپ کی ناقدری کی تو اللہ نے مجھے ایک جاہل کے پلے باندھ دیا "۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی روحِ اطہر کے قریب جو ارواح تھے بہت ساروں کو تو اللہ نے حضور کے زمانہ میں ظاہر فرمادیا اور وہ صحابہ کہلائے۔ کچھ ارواح کو اللہ نے حکمۃً روک لیا اور بعد میں موقع سے ظاہر فرمایا۔ دنیا میں وہ اصحابِ رسول تو کہلا نہ سکے مگر روحی اعتبار سے تو تھے ان ہی میں کے۔ میں سمجھتا ہوں آپ ان ہی میں سے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا باوا! قرآن میں خود موجود ہے۔ ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین۔ اور ساتھ ہی (تائیدی انداز میں) زور دے کر دھرایا۔ قلیل من الاخرین۔

بات در اصل یہ ہے کہ حضرت نے جس راہ میں بھی قدم اٹھایا علم ہو کہ روحانیت ہر قدم برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا ہی گیا۔ وقت کا ساتھ دینے یا پیش رو بزرگوں کا احترام ملحوظ رکھنے کے خیال سے حضرت نے اپنی منزل کھوئی نہیں کی۔ تن تنہا آگے چل پڑے اور اتنی دور نکل گئے کہ اپنے پیچھے صرف گردِ راہ کو چھوڑا اور وہ گردِ راہ بھی خود حضرت ہی کی تیز رفتاری کی اڑائی ہوئی تھی۔ اس گردِ راہ کو اگر دیکھ سکتے تو صرف حضرت ہی دیکھ سکتے تھے۔ پلٹ کر دیکھنے کی حضرت کو فرصت کہاں تھی۔ توفیق و تائید الٰہی نے ساتھ دیا اور حضرت کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم کی بولتی چالتی چلتی پھرتی قدِ آدم تصویر بنادیا۔

میں جلوہ محبوب میں بُت بن کے کھڑا ہوں
وہ بھی ہیں کھڑے محوِ تماشا مرے آگے (حسرت صدیقیؒ)

آئینہ رو کے سامنے ہم بن کے آئینہ
حیرانیوں کا ایک تماشا کریں گے ہم (حسرت صدیقیؒ)

تصوف کے اہم موضوعات پر

حضرت کے آخری زمانہ کی صبح کے درس کی ایک اہم تقریر

حضرت نے اپنے آخری زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر علومِ ظاہری و باطنی کی ترسیل میں عجلت اختیار فرمائی تھی۔ چنانچہ صبح کے درس میں تصوف کے بعض اہم موضوعات پر بھی گفتگو فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں اپنی تحقیقات کو بیان فرمایا جو کتب خانہ کھنگالنے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس تقریر کو ضبطِ قلم کرلیا گیا تھا جو صرف خواص کے استفادہ کے لئے من و عن پیش ہے۔

نوٹ:۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ درس میں جو کچھ بھی فرمایا ہوتا کرنل حبیب علی صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کرتے چنانچہ اس تقریر میں بھی جابجا ان ہی سے مخاطبت معلوم ہوتی ہے جو مثال کا فائدہ دیتی ہے اور فہم میں آسانی کا موجب ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

• سب سے پہلی صفت حیات ہے اور اس کے ساتھ ہی علم ہے۔ یہ صفت یعنی علم، فاعل اور مفعول یعنی عالم و معلوم کو چاہتی ہے۔ جاننے والا بھی اللہ، جانا ہوا بھی وہی ہے۔ اس طرح اللہ کے دو اعتبارات ہوئے۔ جاننے والا، جانا جانے والا۔ بحیثیت جانا جانے کے عینِ ثابتہ الہٰیہ کہلاتا ہے۔

جس طرح میں خود کو دیکھتا ہوں کہ یہ میری آنکھیں ہیں، یہ میرے ہاتھ ہیں، یہ میرا چہرہ وغیرہ۔ تو یہ میرا سراپا یا میرا مرقع جسے میں خود دیکھ رہا ہوں وہ میرے اعیانِ ثابتہ ہیں۔ میں نے خود کو دیکھا اور جانا۔ کیسا جانا؟ جیسا میں ہوں۔ اعیانِ ثابتہ خدائے تعالیٰ کی معلومیتِ تفصیلی ہے۔ اپنے کو ہی اللہ جانا۔ جانا کسی اور کو نہیں۔ مگر تفصیل سے جاننے کی وجہ سے اعتبارات بھی آگئے۔ جب میں، اپنے کو میں، میں، بولا تو بس میں یا میری احدیت ہی تھی لیکن تفصیل سے جانا تو میری داڑھی بھی علم میں آئی، میری آنکھیں بھی علم میں آئیں۔ یہ اعیانِ ثابتہ کا علم ہے۔ صرف "میں" کہوں تو یہ میرا اجمال ہوا۔

حبیب علی اجمالی طور سے عالم ہیں اور آنکھ ناک تفصیل کے لحاظ سے معلوم ہوئے مگر اعیانِ ثابتہ کی یہ شان واحدیت کی ہے اور حبیب علی بحیثیت عالم شان احدیت ہے۔ مگر فقط حبیب علی اجمالی و تفصیلی کے بغیر وحدتِ مطلقہ کی شان ہے۔

مجمل حبیب علی میں آنکھ ناک اور تفصیل کی قابلیت ہے، یہ وحدت ہے۔ ان قابلیتوں کو شیون کہتے ہیں۔

حبیب علی منشاء حرکت ہے، یعنی حرکت کرسکتے ہیں۔ تفصیلات میں جاسکتے ہیں۔ یہی صفت حیات ہے۔ حبیب علی حیات رکھنے کے بعد ہی جان بھی سکتے ہیں اور جانے بھی جاسکتے ہیں۔ کوئی تفصیل یا کوئی اور صفت، حیات سے پہلے نہیں۔ مختصر یہ کہ "میں" ہوں کہنا خود دلیلِ حیات ہے۔

حبیب علی نے حیات رکھنے کے بعد اپنے آپ کو جانا یہ علم ہے۔ اب کیسا جانا؟ جیسے ہیں۔ کیسے ہیں؟ دو طرح سے۔ یعنی فقط "میں" تو یہ احدیت ہے لیکن اس شان میں بھی قابلیت ہے ظہور تفصیلات کی، یہ شان "وحدت ثانیہ" ہے۔ اور جب تفصیل میں آجائے، وہ "واحدیت" ہے۔

احدیت، واحدیت سے نہیں لڑسکتی، اس واسطے کہ احدیت میں بھی تفصیل کو لینے کی قابلیت ہے۔ اسی کو وحدتِ ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ تیسرا اعتبار کیوں نکالے؟ یہ بتانے کے لئے کہ اس کی احدیت بھی ایسی ہے کہ واحدیت سے ٹکراتی نہیں۔ ایک اور بات یاد رکھو! جس وقت بچہ کپڑے پہنا ہوا ہے۔

حبیب علی آنکھ ناک رکھ کر بھی مطلق حبیب علی باقی ہے۔ یعنی حبیب علی کے خیال سے آنکھ یا ناک نہیں آتے۔ گویا اس اعتبار میں وہ آنکھ ناک رکھ کر بھی بے آنکھ ناک کے ہیں۔ یعنی ہم ان کے نفس کے خیال میں تفصیل پر دھیان نہیں دیتے۔

دیکھتے ہی وجود خارجیہ یا اعیان خارجیہ ہوجائے گا۔ جیسے یہ میرا ہاتھ ہے۔ یہ میرا پیر۔ یہ میری آنکھ وغیرہ۔ اور اعیان ثابتہ یعنی ہیں تو سہی لیکن کہاں ہیں؟ علم میں ہیں، خارج میں نہیں ہیں۔ تعین وحدت ثانیہ میں آجاتا ہے۔ اور وحدتِ مطلقہ لاتعین ہے۔

وحدتِ ثانیہ یہ بتانے کے لئے ہے کہ احدیت و واحدیت میں کوئی غیریت اور ٹکراؤ نہیں ہے۔

حبیب علی کہتے ہیں کہ مجھے دیکھو، مجھے دیکھو! لیکن وہاں ہیں کون جو دیکھیں۔ اب وہ خود اپنے کو دیکھتے ہیں۔ اس دکھانے کے لحاظ سے "کمالِ جلا" اور دیکھنے کے لحاظ سے "کمال استجلاء"۔ کون دیکھے؟ حبیب۔ کس کو دیکھے؟ حبیب کو یعنی خود کو۔ کیسا دیکھا؟ جیسا ہے ویسا۔ پہلے صرف حبیب جو سمجھتے تھے وہ خارج میں نہیں تھا۔ اب اپنے ہاتھ پاؤں کو دیکھتے ہیں۔ تو یہ خارج میں دیکھنا ہے۔ صرف حبیب علی میں نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں۔ لیکن جب خارج میں دیکھا تو ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک کی صورت میں۔

ایک علم، اجمالی ہے، ایک تفصیلی۔ اجمالی میں تفصیل ہوگی اور تفصیل میں اجمال۔ ایک لیمن کا شیشہ منہ بند تھا۔ تو کیا اس میں بلبلے تھے یا نہیں؟ تھے مگر بند حالت میں۔ اور منہ کھولنے کے بعد وہ بلبلے تفصیل میں آگئے۔

پہلے ہم تھے وحدت میں ÷ اب تو ہم میں وحدت ہے (حسرت صدیقی)

فنائے مطلق یا کسی کی حاجت نہ رکھنا، تو یہ ذات کی صفت ہے۔ احدیتِ ذات کے لحاظ سے اسے کسی کی حاجت نہیں وہ مکمل ہے۔ تمام موجودات کے وجود سے مستغنی ہے ان اللّٰہ لغنی عن العلمین۔ (عنکبوت - ۶)

حبیب آپ اپنے کو جانتے ہیں یا نہیں؟ جانتے ہیں۔ کیا آپ اپنے کو دیکھنے کے محتاج ہیں؟ نہیں، مگر اپنی داد لینا ہو تو اپنے کو دیکھنا ہوگا۔

آثار و احکام، وجودِ علمی پر نہیں بلکہ وجودِ خارجی پر مرتب ہوتے ہیں۔ گھونسے کا خیال پسلیاں نہیں توڑتا، بلکہ گھونسا پسلیاں توڑتا ہے۔

مرتبہ عین یعنی وجودِ خارجی، آنکھوں سے دیکھنے والی چیز ہے۔ خیالی چیز پر احکام بھی مرتب نہیں ہوتے۔ اور ان سے آثار بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ محاورۃً جب تک وجودِ خارجی نہ لے اسے شیون کہتے ہیں۔ وجودِ خارجی کا منشاء اور اصل وجودِ علمی ہے۔ ہاتھ پیر اس وقت ہی اپنے آثار ظاہر کرسکیں گے یا اسی وقت کام کرسکیں گے جب ان کو جانیں گے۔ اعیان خارجیہ، تجلی گاہ اور آئینہ ہیں۔ یعنی جو جانتے تھے وہ اس میں دکھ رہا ہے۔ جو وجودِ علمی میں تھا، وہ وجودِ خارجی میں نظر آرہا ہے۔ ہاتھ پیر کا خیال تھا، علم تھا وہ ظاہر ہورہا ہے، نظر آرہا ہے، کس میں؟ ہاتھ پیر کی شکل میں۔ خارجی حیثیت میں۔ اعیان ثابتہ سے اعیان خارجیہ میں ایک رتی بھر اضافہ نہیں۔ خارجیہ بھی وہی ہیں جو ثابتہ تھے۔ فرق اتنا ہے، وہ صرف علم و خیال میں تھے۔ یہ ظاہر اور خارج میں ہیں۔ اسی لئے ثابتہ پر احکام مرتب نہیں ہوتے۔ خارجیہ پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

باطنِ وجود پر اعیانِ ثابتہ کی تجلی ہوئی تو اعیان خارجیہ ہوئے ۔ ذاتِ حبیب علی ہی ہے مگر تفصیلات جب خارج میں ظاہر ہوئیں ۔ تو ہاتھ ، پیسر ، گھونسہ اور تھپڑ بنے ، جو پہلے خیال و علم میں ہی تھے ۔ مگر اس ظہور سے ذاتِ حبیب علی میں نہ تو ایک رتی کا اضافہ ہوا نہ کمی ۔ یہ خیال ہے جو ظہور لے کر نظر آرہا ہے کہ یہ حبیب علی کا ہاتھ پیسر وغیرہ ہے ۔ اس لئے ایک طرح یہ ایک خیالی اور انتزاعی چیزیں ہیں ۔ دراصل صرف ذاتِ حبیب علی ہے ۔ حبیب علی کے ہاتھ کا خیال خارج میں نظر آیا تو حبیب علی ہاتھ نہیں بن گیا ، نہ ہاتھ کے جیسا ۔

ہاتھ خیال میں تھا ، پھر ظاہر میں بھی ظاہر ہوا ۔ لیکن کیا ہاتھ میں ناخن شامل نہیں ؟ ضرور ہے مگر صرف خیال میں ، اور جب خاص ناخن پر توجہ ہو تو وہ خارج میں نظر آتا ہے ۔ تو کیا اس سے پہلے ناخن نہ تھا ؟ ضرور تھا ۔ کہاں تھا ؟ خیال و علم میں ۔ اچھا ! کیا ناخن کے خارج میں نظر آنے سے ہاتھ ناخن بن گیا ، یا ناخن کے جیسا ہے ؟ نہیں ۔ ہاتھ ، ہاتھ ہی ہے ۔ ناخن کے خارج میں دکھائی دینے سے ہاتھ کی حقیقت نہیں بدلی ، حقیقت میں اب بھی صرف ہاتھ ہے ۔

جس طرح وجود علمی تھا اور خارج میں ظاہر ہوا ۔ اسی طرح خارج میں حادث ہوگا مگر وجودِ علمی میں حادث نہیں ۔ ناخن کا خیال حادث ہونے یا چلے جانے سے ہاتھ حادث نہیں ہوا ۔

حبیب علی ایک ذات کا نام ہے ، مگر ہاتھ پیسر کا خیال کئی چیزیں بنایا اس لئے کثرت ظاہر ہوئی ورنہ وہ واحد ہے ۔ مگر یہ خیال بھی کسی مستقل ذات کا ہی ہے ۔ اس لئے پائیدار بھی ہے ۔ ناخن پر سے توجہ ہٹی تو گویا ناخن حادث ہوا ہمارے معنیٰ میں ۔ مگر کیا ناخن باقی نہیں ہے ؟ ضرور ہے ۔ پیدا ہونا کیا ہے ؟ خیال کرنا ۔ اور حادث ہونا کیا ہے ؟ خیال کا ہٹنا ۔ خیالات کا امتیاز ، حادث ہونے کی نسبتیں پیدا کرتا ہے ۔ پہلا خیال قدیم اور بعد کا خیال حادث ظاہر ہوگا ۔ شیون خارجی کو باہم نسبت دے کر اول و آخر اور قدیم و حادث کہا جاتا ہے ۔ ورنہ اس کی ذات میں تو کوئی شے حادث نہیں ۔ جیسے کہ حبیب علی کے ہاتھ پر سے خیال ہٹ کر ان کے پیسر پر جا تو ہاتھ حادث ہوگیا اور پیسر پیدا ہوگیا ۔ لیکن کیا ہاتھ باقی نہیں ہے ؟ حبیب علی کی ذات میں ہے ۔

" وجود " اور " اعیانِ ثابتہ " کے لین دین سے " وجود " اعیان ثابتہ سے لے کر کثیر نظر آتا ہے اور " اعیانِ ثابتہ " وجود سے لے کر موجود نظر آتے ہیں ۔ ہے سو ہے ناہیں سو ناہیں ۔

یہ لین دین کا نظر آنا بھی جو مراتب کی تنگی میں مقید اور آثار کے چکر میں پھنسے ہیں انھیں کو نظر آتا ہے ۔

ان خیالات کا منشاء یا اصل چونکہ موجود اور حقیقی ہے اس لئے " ہے " بولتے ہیں اور اپنے آثار دکھاتے ہیں ۔ گھونسہ یا ہاتھ کا منشاء حبیب علی ہے ۔ اس لئے ہاتھ خیالی ہے مگر بظاہر بھی ہے ۔ اگر ہم اس کو حقیقت میں ہے کہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب علی اس کا منشاء حقیقت میں ہے ۔ مگر ایسا نہیں کہ یہ ہاتھ حبیب علی کا جز ہے ، کیونکہ ہاتھ کے ختم ہوجانے سے حبیب علی کی ذات ضائع نہیں ہوتی ۔

جتنی چیزیں ہیں سب اس کی ذات سے نکلی ہیں ۔ تو کیا وہ ایسی ہیں جیسے جزو ، کل ہیں ؟ نہیں ۔ یا کیا ایسے ہیں جیسے سالن یا اس کے اجزاء آلو ، گوشت وغیرہ کٹورے میں ؟ نہیں ۔ بلکہ ایسا ہے جیسے صفات موصوف میں اور لوازم ملزوم میں رہتے ہیں ۔ اور ایسے جیسے آدھا پن ، تہائی پن ، پاؤ پن وغیرہ عدد ایک میں ۔

دائرہ سے منتزع ہیں مرکز و قطر و محیط

شانِ وحدت سے ہوئی ہے شانِ کثرت آشکار (حسرت صدیقی)

ہے تو ایک ہی چیز مگر اس سے متعدد خیالات انتزاع کئے جاسکتے ہیں۔ مگر وہ خیالات جھوٹ نہیں ہیں، صحیح ہیں۔کیا لازم کی نسبت ملزوم کو ایسی ہے کہ اللہ کو ہم، مخلوقات و موجودات لازم ہیں؟ توبہ، نعوذ باللہ یہ تو نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ پاک ہے ان سب چیزوں سے جو اس کی قدوسیت کے لائق نہیں۔

صفات بدلتی ہیں یعنی ایک صفت آتی ہے اور ایک جاتی ہے۔ مگر لازم ملزوم کو پکڑا رہتا ہے، نہیں چھوڑتا۔

ایک اور بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر لازم ہے۔ جس وقت زید موجود ہے اس کو موجود نہ کہیں تو نہیں ہوسکتا۔ موجود ہونے کے زمانہ میں چونکہ اس کی علتِ تامہ، اس کا سبب موجود ہے اس لئے اس کو موجود ماننا پڑتا ہے۔ اس لازم کی مثال بھی اپنے وقت پر صحیح ہے۔ (حسرت صدیقی)

نہ ٹلائے سے ٹلے گی ہے بلائے آسمانی

مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

شیون مخفی کیوں ہوتے ہیں؟ بعض چیزیں نظر آتی ہیں بعض چیزیں نہیں۔ نظر آنے والوں کو موجود اور نظر نہ آنے والوں کو معدوم کہتے ہیں۔ ظاہرِ وجود سے نسبت دیں تو دکھائی دیں گے۔ ظاہرِ وجود سے نسبت نہ ہو تو مخفی۔

تعین اور کثرت آئے کہاں سے؟ نسبت و اعتبارات سے۔ نسبتوں اور اعتبارات کے بدلنے سے شئے نہیں بدلتی۔ دائرہ ہے ایک مگر قطر بھی نظر آرہا ہے اور محیط بھی۔ قطر کی لمبائی وغیرہ الگ ہے اور محیط کی الگ۔ اور یہ نسبتوں کا بدلنا ذات کے تغیر کو نہیں چاہتا۔

اگر عمرو، زید کی سیدھی جانب سے اٹھ کر بائیں طرف بیٹھ جائے تو اس سے زید و عمرو کی نسبتوں میں تو فرق آگیا، لیکن اس سے زید یا عمرو کی ذات وصفاتِ حقیقیہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے صفاتِ حقیقیہ کے ساتھ ویسے ہی برقرار ہیں۔ اسی طرح وجود کی حقیقت میں امور شریفہ کے ملنے سے نہ کسی قسم کی زیادتی پائی جاتی ہے اور نہ ادنیٰ چیزوں کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کوئی نقصان۔

مطلق بغیر مقید کے ظاہر و نمایاں ہو نہیں سکتا۔ مقید بغیر مطلق کے صورت ہی نہیں لیتا۔ مگر مقید، مطلق کا محتاج ہے۔ لیکن مطلق مقید سے مستغنی ہے۔ اس طرح استلزام تو دونوں طرف سے ہے۔ لیکن احتیاج صرف ایک طرف سے۔

مطلق ہزاروں شکلیں لے سکتا ہے۔ ایک شکل اسے بند نہیں رکھ سکتی۔ جیسے کہ ہاتھ کی حرکت اور ہاتھ میں کنجی کی حرکت، دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں مگر ہاتھ کی حرکت کے لئے کنجی ضروری نہیں

وحدت میں تیری حرف، دوئی کا نہ آسکے

آئینہ کیا مجال جو صورت دکھاسکے

کھوئے ہوئے کا حکم الگ ہے، غافل کا حکم الگ اور عارف کا الگ۔ عارف، وجود ہی کو کھاتا ہے، وجود ہی کو پیتا ہے۔ اس وقت بھی انسان کو فرشتے سجدہ کر رہے ہیں۔ شیطان اس وقت بھی بہکانے آرہا ہے۔

عالم کب سے چلا ہے معلوم نہیں ÷ کب اس کی انتہا ہے معلوم نہیں

مطلق ایک اور مقیدات بہت رہتے ہیں ۔ مطلق کسی ایک مقید میں اٹکا ہوا نہیں ۔ کئی مقیدات میں پایا جاسکتا ہے ۔ اور مقید ایک مطلق کو چھوڑکر نہیں پایا جاسکتا ۔ ع

ہم سے تم کو سینکڑوں اور تم تو ہم کو ایک

مطلق چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مقید ہو مگر علی سبیل البداھۃ یعنی ایک کو چھوڑکر دوسرا ، دوسرا نہیں تو تیسرا ۔ مقیدِ مخصوص اسے لازم نہیں ۔ اور چونکہ مطلق کا کوئی بدل ہی نہیں اس لئے تمام مقیدات کا قبلہ احتیاج وہی ہے ۔ سخی محتاج نہیں ہے فقیر کا ، سخاوت تو فقیر کی محتاج ہے ۔ ورنہ اس کا اظہار نہیں ہوسکتا ۔

بربادیٔ عاشق سے کب رہتی ہے معشوقی
سب دم سے ہمارے ہے معشوقی و شیدائی (حسرت صدیقی)

سب وہی ہے ، دوسرا ہے کہاں ؟ جو اس کا عاشق بنے ۔

اللہ میاں میں دو باتیں ہیں ۔ اجمال ۔ تفصیل ۔ تفصیل یہ چاہتی ہے کہ میں اجمال میں جاکر فنا ہوجاؤں ، اور اجمال چاہتا ہے کہ خود کو تفصیل میں دیکھوں ۔ یہ دونوں خدا کی شانیں ہیں ۔ اجمال میں محبوبیت اور تفصیل اس کی عاشق ہے ۔ اجمال میں وہ پکارتا ہے کہ " ہے کوئی مجھے دیکھنے والا " ؟

دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب
تیرے لئے میں تیری طرح بے قرار ہوں (حسرت صدیقی)

اور اس کے بعد تفصیل میں ہر ایک کہتا ہے " میں ہوں تیرا عاشق "

کونسی شئے ہے نہیں جو مجھ میں اک طلسمات کا پتلا ہوں میں
وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے وہی سب کچھ ہے تو پھر کیا ہوں میں (حسرت صدیقی)

تم اپنے کو موجود سمجھتے ہو ، شرک فی الوجود کرتے ہو ۔

تو بھی موجود اور حق بھی موجود
ظالم یہ شرک و خود پرستی کب تک (حسرت صدیقی)

اشیاء ، تعین اور وجود ، دو کا نتیجہ ہیں ۔ موجود شئے اس وقت بولیں گے جب وجودِ خارجی سے متاثر ہو ۔ برخلاف اس کے حقیقتِ شئے کہیں تو علم الہٰی میں ہوتی ہے ۔

وجود خارجی لے تو اسے موجودہ شئے کہیں گے ۔ اور جب علمِ الہٰی میں ہوتو حقیقتِ شئے کہیں گے ۔ احکام و آثار جاری ہوتے ہیں اس حقیقتِ شئے کے لحاظ سے ۔ مگر کس پر ؟ وجود خارجی پر ۔ حقیقت جب وجودِ خارجی سے متاثر ہوتو وہ موجود ہے ۔ مگر موجود شئے کیسی ہے ؟ حقیقت شئے کے مطابق جو علمِ الہٰی میں تھی اور ہے ۔ کیا مطلب اس کا ؟ اللہ اپنے علم کے مطابق شکلیں بدلتا جارہا ہے جیسا جانتا تھا ویسا دکھارہا ہے ، ظاہر کررہا ہے ۔ " ظاہر ہورہا ہے " نہیں کہنا کیونکہ ہم بھی تو وجود خارجی میں ہیں ۔ بندگی کا اقتضاء ہے

اسی لئے احتیاط سے کہیں۔

ہاتھی، گھوڑا ایک معنی ہیں۔ کہاں تھے؟ علمِ الٰہی میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق بنتا گیا (فقیر کی زبان میں) وجودِ خارجی کو ظاہر فرماتا گیا۔ (مولوی کی زبان میں) وجود جو واحد ہے، اعیان کی وجہ سے کثیر نظر آرہا ہے اور اعیان جو موجود نہیں وجود کی وجہ سے موجود نظر آرہے ہیں۔ ع

میں دکھا کے لاکھوں نمائشیں ہوں ہنوز پردہ راز میں (حسرت صدیقی)

یعنی اب بھی ظاہر ہوکر بھی علمِ الٰہی یعنی باطن میں موجود ہوں۔ علمِ الٰہی دائمی ہے۔ وہ مفقود ہوتا کیسا؟ علمِ الٰہی میں سے ہاتھی، گھوڑا، انسان جاتے کیسا؟ اگر اس علم کو زوال آئے تو نعوذ باللہ، اللہ کو جہل لازم آئے گا۔ خدا کبھی بے علم نہ ہوگا۔

تعینِ وجود ۔ تعین کا نام ہے گھوڑا ہاتھی

وجودِ متعین ۔ خارج میں گھوڑا ظاہر ہوا

حقیقتِ شئے ۔ علمِ الٰہی میں

تعینِ وجود ۔ وجود کو تعین عارض ہوا

وجودِ متعین ۔ خارج میں ظاہر ہوا۔

حقیقتِ شئے کیا ہے؟ تعین یا یہ کہ وجود کو حقیقت کہیں گے، باعتبار تعین کے۔ تعین، اعتباری چیز ہے اور وجود حقیقی۔ جو چیز کہ دفعتہً ہے وہ متعین ہوکر نمودار ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ خیالی چیز ہے جو حقیقی شئے میں نمایاں ہورہی ہے۔ تعین ایک اعتباری شئے، جو حقیقی شئے یعنی وجود میں نمایاں ہے۔ وہ وجود کی وجہ سے موجود نظر آرہا ہے مگر ہے اعتباری۔ اور دوسرے حقیقی شئے یعنی وجود متعین ہوکر ظاہر ہوا اعتبار میں۔

ہم اپنے کو دیکھے تو اعتباری۔ خدا کو دیکھے تو حقیقی۔ ہم موجود ہیں کہتے ہی حقیقت آگئی کیونکہ حقیقت جسے کہتے ہیں وہ وجود ہی ہے۔ ہر شئے حقیقت و وجود کے لحاظ سے یا تو وجود ہے تعین لیا ہوا۔ یا تعین، وجود کو عارض ہوا ہے۔ ہم کون ہیں؟ دو میں سے ایک یا تو اعتباری ہیں جو اصل وجود سے موجود ہورہے ہیں۔ یا یہ کہ ہم وجود ہیں مگر متعین۔

آدمی ہوتا ہے دو قسم کا۔ حبیب علی پر پہلے نظر پڑی تو تعین پر پڑی، یہ تعینِ وجود ہے۔ دوسرے پہلے اللہ یا وجود پر نظر پڑے بعد حبیب علی پر تو یہ وجودِ متعین ہے۔

صفت، مفہوم کے اعتبار سے موصوف کا غیر ہے لیکن وجود کے اعتبار سے اس کا عین ہے۔

جبداء خبر کہاں بناتے ہیں؟ جبداء خبر دونوں ایک ہی جگہ بناتے ہیں۔ زید قائم زید قائم ہے۔ یہ دو ایک ہی جگہ ہیں، ایک ہی حقیقت ہے۔ مفہوم کے اعتبار سے زید الگ ہے قائم الگ ہے۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں۔ حمل کرنے سے مراد حکم کرتے ہیں زید کے اوپر قائم کا حکم کرتے ہیں۔ کیونکہ زید کی حقیقت کے لحاظ سے قائم اور زید ایک ہی ہے۔

وجود کو دیکھے تو ہمہ اوست ہے اور تعینات کو دیکھے تو غیر ہیں اور ہمہ از اوست ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا (غالب)

عبد اللہ

وجود پر پہلے نظر پڑے تو منتزع عنہ یا منشاء، اور تعین پر نظر پڑے تو انتزاعی ہے۔ زید پر پہلے نظر پڑے تو یہ وجودِ متعین ہے۔ اور اگر پہلے قائم پر نظر پڑے تو تعینِ وجود ہے۔

شیخ (محی الدین ابن عربی) کہتے ہیں کہ کوئی آئینہ کو دیکھ ہی نہیں سکتا بلکہ تعین کو دیکھتا ہے۔ مگر غزالی کہتے ہیں کہ جو چیز نہیں ہے اسے دیکھ ہی کیسے سکتے ہیں۔ جو ہے سو وہی نظر آرہا ہے۔ نظر پہلے آئینہ پر ہی پڑتی ہے۔ پہلے "ہے" بولتے ہی وجود آیا اور دیکھا بولیں تو جب تعین آیا۔

ہمیشہ جو چیز معلوم ہے اسے جداء بناتے ہیں اور جو معلوم نہ ہو اسے خبر۔ سب چیزوں پر خواہ ذہنی ہوں یا خارجی "ہے" کہہ کر حکم لگایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس "موجود ہے" کہیں تو اللہ ہی ہوتا ہے۔ زید موجود ہے کہیں تو ہم یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ زید کے تعین کو، ظہورِ خارجی کو عینِ وجود یا اللہ سے کوئی نسبت ہے زید موجود حقیقی سے مرتبت ہے۔ مولوی کو چاہیئے کہ زید کو وجودِ حقیقی سے ربط ہے کہے۔ ورنہ صوفی تو کہتے ہیں کہ زید وجودِ حقیقی ہی ہے۔ مگر اس وجودِ حقیقی سے مختلف مرتبے ہیں۔ بعض اعلیٰ ہیں، بعض ادنیٰ۔ ولی کو جو ربط وجودِ حقیقی سے ہے، وہ عامی کو نہیں۔ گو ربط سب کو ہی ہے۔ ہر ایک کی نسبت اللہ سے الگ الگ ہے کوئی اللہ کو دیکھے گا بھی تو اپنی نسبت میں۔ کسی کو شانِ الٰہی سے نسبت ہے، کسی کو شانِ ربوبیت سے، کسی کو عبودیت سے، کسی کو خلقیت سے۔

پس استعمال کرنا الوہیت کے مرتبہ کے ناموں کا مثلاً اللہ، رحمٰن وغیرہ مرتبہ کونیہ پر یعنی مخلوقات پر عین کفر ہے۔ یعنی باوجودِ وجودِ حقیقی کے ہی موجود ہونے کے، میں اللہ ہوں کہہ نہیں سکتے۔ اور اسی طرح مرتبہ کونیہ یعنی مخلوقات کے ناموں کا مراتبِ الٰہیہ پر اطلاق بھی زندقہ ہے۔ بندہ کو اللہ نہیں کہہ سکتے۔ اللہ کو بندہ نہیں کہہ سکتے۔ یعنی "اللہ میں ہوں" "میں اللہ ہوں"۔ (نہیں کہہ سکتے)

اللہ سے سب کو نسبت ہے مگر ایک کی نسبت کا حکم دوسرے پر نہیں لگا سکتے۔ تعین بولتے ہی اطلاق چھوٹ گیا "میں" بولتے ہی گئے، متعین ہوگئے۔ اس کے بعد فنائیت کہاں؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تجھ سے مرتبط ہیں۔ تیری وجہ سے قائم ہیں۔ ہم بالذات ہیں ہی نہیں۔

مجھ کو مری بندگی مبارک　　تجھ کو تری شانِ کبریائی

حسرت مرے پاس کیا دھرا ہے　　اک جان سو وہ بھی ہے پرائی

میں ہوں بھی سہی اور نہیں ہوں بھی سہی

حسرت بخدا عجب تماشا ہوں میں　　(حسرت صدیقی)

ہم کچھ کرنے کو پیدا نہیں ہوئے۔

ہاتھ میں ان کے ہوں میں کٹھ پتلی　　وہ جو چاہیں وہی کرتا ہوں میں　　(حسرت صدیقی)

حقیقتِ وجود ایک ہی ہے، زیادہ نہیں۔ لیکن کئی مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ۔ لاتعین و عدم انحصار اور ہر قید و اعتبار سے آزاد ہونے کا ہے اور اس حیثیت سے وہ پاک ہے نعوت (نعت کی جمع) اور صفات کی اضافات سے، نسبتوں اور الفاظ و لغات کی جہتوں اور دلائل سے پاک ہے۔ کشف والے بھی اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے پردہ میں ہیں۔ اور علم والے بھی اس کی معرفت کے امتناع، یعنی ممکن نہ ہونے کی وجہ سے مضطرب و بے قرار ہیں

اس کی بڑی نشانی ، بے نشانی ہے ۔ اس کا نہایت پتہ لگانا بے پتہ ہے ۔ اور اس کی بہت معرفت حیرانی ہے ۔

دوسرا مرتبہ ۔ تعینِ جامع ، جو صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ انفعالیہ دونوں کو جامع ہے ۔ یعنی ایک جگہ خدا بنتا ہے ، ایک جگہ بندہ بنتا ہے ۔ اور " ہے " وہ بندہ اور خدا دونوں کو جامع ۔

اثر کے اعتبار سے " شانِ الوہیت "

اثر قبول کرنے کے اعتبار سے " شانِ عبودیت "

مارنے والا بھی وہی ، مرنے والا بھی وہی ۔

دوسرا مرتبہ اس کا تعین ہے ۔ یہ تعین جامع ہے تمام تعیناتِ فعلیہ و جوبیہ الہٰیہ کو جیسے اللہ ، رزاق ، معبود ۔ اور جامع ہے تمام تعینات کو جو متاثر اور انفعال پذیر ہوتے ہیں اور امکانیہ وکونیہ ہیں ۔ اور اسی مرتبہ کو تعینِ اول کہتے ہیں ۔

اور تیسرا مرتبہ احدیت یا ایک ہونا ہے تمام تعیناتِ فعلیہ کا جو اثر کرنے والے ہیں یعنی مؤثر ہیں اور یہ الوہیت ہے ۔

چوتھا مرتبہ تفصیل مرتبہ الوہیت ہے صفاتِ کمالیہ کی ۔ اس میں تفصیل ہے اسماء وصفاتِ مؤثر کی ۔ تیسرے میں اجمال ہے ، چوتھے میں تفصیل ہے ۔ یہاں بن گئے واجب الوجود ، یہاں خدا بن گئے اور اس چوتھے مرتبہ میں شانِ الوہیت کی تفصیل ہوتی ہے ، جیسے خالق ، رزاق ، کریم وغیرہ ۔

چونکہ اسماء وصفات اللہ کے ہیں اور اللہ خارج میں ہے اس لئے یہ اسماء وصفات خالق ، رزاق خارج میں ہیں ۔

صفات ذات میں ہیں اور ذات چونکہ خارج میں ہے اس لئے صفات بھی خارج میں ہیں ۔

منتزع عنہ خارج میں ہے اس لئے منتزع یا انتزاعی بھی خارج میں ہے ۔ آسمان ہمارے سر پر ہے ، زمین ہمارے پیروں تلے ہے ، یہ سمجھ میں آرہا ہے ۔ تو آسمان سر پر خارج میں ہے اور زمین بھی پیر کے نیچے خارج میں ہے ۔

جو چیز عدمیت سے منتزع ہورہی ہے وہ عقلی اور انتزاعی اور جو خارج اور وجود سے منتزع ہو وہ خارجی اور موجود ۔

بندہ ہے کے معنیٰ اس میں تمام صفاتِ کمالیہ نہیں ۔ اس میں سے تمام کمالات نکل گئے ۔ اس لئے اس کو انتزاعی کہتے ہیں خارج میں ہے نہیں کہتے ۔ جو چیز فعلیت سے منتزع ہو وہ خارجی اور جو چیز انفعالیت سے سمجھ میں آئے وہ خیالی ۔

خدا کو جس طرح دیکھو خارج میں ہے اور بندہ کو جس طرح بھی دیکھو عدمی اور خیالی ہے ۔ مؤثرہ صفاتِ فعلیہ و اسماء اور شیون انتزاعی حقیقی ہیں یعنی خارج میں ہیں ۔ اور متاثرہ صفاتِ انفعالیہ و شیون ، انتزاعی غیر حقیقی ہیں ۔ یعنی خارج میں نہیں صرف علم میں ہیں ۔

ہوتا کیا ہے ؟ علم پر صفاتِ فعلیہ اثر کر رہے ہیں ، عمل کر رہے ہیں تو وہ بھی موجود فی الخارج معلوم ہورہا ہے ۔ ان لوگوں کے پاس (یعنی جامی وغیرہ) اعیانِ ثابتہ موجود فی الخارج نہیں اس لئے وہ معدوم ہیں ۔ یعنی معلوماتِ الہٰیہ ۔ ان کو ثبوت یا عدم کہتے ہیں موجود نہیں سمجھتے ۔

حبیب علی سوچے کہ میں کھڑا ہوسکتا ہوں ۔ یہ علم تھا باطن میں ۔ اب وہ کھڑے ہوگئے تو یہ خارج میں وہی علم ظاہر ہوا ۔

اللہ جو میں ہوں سمجھا وہ خارج میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے دو رنگ ہیں ایک خارجی اور ایک معلوم ہونے کے لحاظ سے ذاتِ

عبد اللہ

مقد۔ کے اندر۔ ابھی باہر نہیں نکلے اور خارج میں وہ علم ۲ بھی نہیں سکتا۔
اس کے مطابق خارج میں آئے مثلاً کھڑے ہوسکنے کا علم تھا اور خارج میں کھڑے ہوگئے۔ کون ؟ وہی، مگر ابھی تک کھڑا ہونا خارج میں نہیں آیا۔ بلکہ وہی کھڑے ہونے کے مطابق خارج میں آیا۔ یعنی کھڑے رہنا پن ابھی صرف انتزاعی ہے۔ کھڑے ہونا علمی ہے نہ کہ علم۔

ذاتِ الٰہی تو ایک ہی ہے۔ وہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد انفعال آتا ہے مگر منفعل کون ہوئے ؟ خود ہی ہوئے مگر انفعال تو وہی خیال رہا۔

ہاتھ ہیں، پیر ہیں، یہ خارج میں ہیں اور اٹھنا، ہاتھ بڑھانا، چلنا یہ ذہنی اور عقلی ہے۔ خارج میں نہیں۔ یہ سب نسبت کی تبدیلیاں ہیں کہ ہاتھ کا پیر سے قریب آنا۔ سر کا ہاتھ کے نزدیک آنا یہ نسبتیں خارج میں نہیں بلکہ ان نسبتوں کے مطابق وجودِ خارج میں وہی آیا۔

اللہ کے دو مرتبے ہیں۔ خارجی، داخلی۔ خارجی، وجود ہے اور داخلی، انتزاعی یعنی اعیان ثابتہ ہیں۔ گویا داخلی مرتبہ کے لحاظ سے، خارجی ہی ظاہر ہوا۔ مگر وہ داخلی ابھی خارج میں نہیں آیا۔

مؤثر ذات ہے اور متاثر ایک خیال۔

خارج میں وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ یہ تغیر صرف علمی یا علم کے مطابق ہے۔ خیالات بدل رہے ہیں۔ اس علمی تغیر کو عدمی یا ثبوتی کہتے ہیں۔

خالقیت خارج میں ہے، مخلوقیت خارج میں نہیں۔ دنیا تمام اعتباری ہے، کون بندہ ؟ کہاں کا بندہ ؟

پہلا مرتبہ۔ لاتعین۔ دوسرا مرتبہ تعین اول ہے۔ تعین اول کے دو اعتبار ہیں۔ ایک مؤثر ایک متاثر۔ ایک الوہیت ایک عبودیت۔
الوہیت کے دو رنگ ہیں، مجمل، مفصل۔ پھر عبودیت کے بھی دو رنگ ہیں۔ مجمل، حقیقت محمدیہ۔ مفصل، عالم۔

ایک ظاہر وجود ہے، ایک باطن۔ باطن اثر کر رہا ہے ظاہر پر۔

جیسا وہ سمجھتے ہیں ویسا بنتے جارہے ہیں۔ اب ہورہا کیا ہے ؟ اب ہورہا یہ ہے کہ وہ جو سمجھ رہے تھے اس سمجھنے کے مطابق نظر آرہا ہے۔ وہ دنیا ہے۔ وجود تو جو ہے سو ہے۔ اس کا اثر پڑرہا ہے علم پر، علم نظر آرہا ہے۔ حالانکہ وہ علم سمجھ میں آرہا ہے، مگر ہے تو نہیں، کیونکہ وہی ایک وجود ہے۔ یہ کثرت کہاں ہے ؟ علم میں۔ اور کثرت وجود کے اثر سے موجود نظر آرہی ہے۔ اب وہ کثرت اپنے ساتھ وجود کو بھی کئی بتا رہی ہے۔ جو ایک ہے وہ کثیر نظر آرہا ہے۔ اور جو نہیں ہے وہ موجود معلوم ہورہا ہے۔ ہر معلوم کو وجود سے ایک نسبت ہے اس نسبت کی وجہ سے معلوم کو موجود کہہ رہے ہیں۔

تعین اول کی پہلی صورت الوہیت حقیقی ہے۔ اور دوسری صورت عبودیتِ انتزاعی اور علمی ہے۔ اسماء وصفاتِ الٰہی ہوں یا ممکنات۔ ہمارے پاس سب انتزاعی ہیں۔ مؤثر قدیم اور متاثر حادث ہے۔ اسماء وصفاتِ الٰہی بسیط ہیں۔ اور ان کے پرتو سے جو کچھ نظر آرہا ہے وہ مرکب ہے اس لئے حادث ہے۔ ممکنات کا لحاظ کرتے دیکھیں تو اسماء وصفات قدیم اور باقی ہیں۔

تعین اول کے بعد جیسے جیسے قیدیں بڑھتی جائیں گی تعینات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

تیسرا مرتبہ احدیت یعنی اجمال کا ہے، جو جامع ہے صفات و تعیناتِ فعلیہ و مؤثرہ جسے شانِ الوہیت کہتے ہیں۔

چوتھا مرتبہ الوہیت کی تفصیل ہے ۔ اس مرتبہ کا نام اسماء وصفات ۔ ان دو مراتب کا اعتبار ظاہر وجود سے ہے ۔ یعنی اجمال و تفصیل کس کی ہوئی ، ظاہرِ وجود کی ، یعنی دکھتا ہے ایسا ۔

پانچواں مرتبہ اجمال ہے ۔ جمیع تعینات انفعالیہ کا جسے ہم شانِ حقیقتِ محمدی کہتے ہیں ۔ حقیقتِ محمدی کہیں تو کیا ہے ؟ منفعل ہونا ۔ متاثر ہونا ذات الٰہی سے ۔

چھٹا مرتبہ حقیقتِ محمدی کی تفصیل ہے جسے عالم کہتے ہیں ۔

اجمال و تفصیل شانِ الوہیت میں بھی آئی اور شانِ عبودیت میں بھی ۔ مگر یہ عبودیت کوئی اصلی چیز نہیں ۔ یہ خارج میں نہیں ۔ یہ امکانی ہے اور علم میں ہے ۔

اجمال و تفصیلِ حقیقتِ محمدی ظاہر ، علم کے لحاظ سے یعنی معلوم ایسا ہوتا ہے ۔ جتنی تفصیلات ہورہی ہیں ، کہاں ہورہی ہیں ؟ علم میں ۔ مگر ظاہر ، علم کے مطابق ۔

حبیب علی ہے کہاں ؟ علم میں ۔ خارج میں نہیں ہے ۔ پھر کیوں خارج میں ہے سمجھتے ہیں ؟ وجودِ خارجی ، وجودِ الٰہی سے نسبت ہے اس لئے ۔ اب جو نظر آرہا ہے ، علم ہی نظر آرہا ہے ۔ وجود سے نسبت کی وجہ سے ۔

اللہ نے اپنی ذات پر تجلی کی تو اعیانِ ثابتہ نمایاں ہوئے ، معلوم ہوئے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو سمجھا ۔ اس کا علم آیا یعنی صفتِ حیات کے بعد (فیضِ اقدس) پس حقیقت میں خارج میں وجود ایک ہی ہے ۔

مثال : ایک لیمن کا شیشہ منہ بند ہے تو اس وقت ہم کو کیا نظر آئے گا ؟ صرف لیمن ۔ مگر لیمن کے اندر بلبلے ہیں ۔ منہ کھولو تو وہ بلبلے پیدا ہوتے ہیں ۔ اب لیمن کہاں ہے ؟ بلبلوں میں ۔ بلبلے لیمن میں تھے ۔ عینِ لیمن تھے ۔ کھلنے کے بعد بلبلے ظاہر ہوگئے ۔ لیمن کہاں ہے ؟ بلبلوں میں ، عینِ بلبلے ہیں ۔

پہلے ہم تھے وحدت میں اب تو ہم میں وحدت ہے (حسرت صدیقی)

مثال کا قاعدہ کیا ہے ؟ اصلی دعویٰ غیر مرئی ہے ۔ اس کو تشبیہ مرئی سے دیں تو اس مثال سے دعوے کا یقین ہوتا ہے ۔

حقیقت الحقائق جو ذاتِ الٰہی ہے اس کی شان بڑی ہے ۔ وہی حقیقت ہے ۔ سب چیزوں کی ۔ اور اپنی ذات کا لحاظ کرتے واحد ہے کہ عدد کو ، کثرت کو اس کی طرف راستہ نہیں ۔ مگر باعتبار کثیر تجلیات و متعدد تعینات کے مرتبوں میں جوہر کی حقیقت ہے جس کے دوسرے حقائق تابع ہیں ۔ اور کبھی حقیقتِ عرضیہ ہے جو جواہر کے تابع ہوتی ہے ۔ پس ذات واحد ، متعدد صفات کے توسط سے بہت سے جواہر و اعراض معلوم ہوتی ہے اور حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی ہے کہ ہرگز تعدد اور تکثر نہیں ۔

یہ ذات واحد اس حیثیت سے کہ وہ مطلق ہے تعینات و تقیدات مذکورہ سے بحیثیت کثرت اور تعدد کے جو تعینات کا لباس پہننے سے نمایاں ہوئی ہے ، خلق ہے اور عالم ہے ۔ پس عالم ظاہر حق ہے اور حق باطنِ عالم ہے ۔ عالم ظاہر ہونے سے پہلے عینِ حق تھا اور حق ظاہر ہونے کے بعد عین عالم ہے ۔ یعنی بلبلے ظاہر ہونے کے پہلے عینِ لیمن اور لیمن ظاہر ہونے کے بعد عینِ بلبلے ۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی حقیقت ہے ۔ اور ظاہر ہونا ، باطن ہونا ، اول ہونا اور آخر ہونا یہ سب اسی کے اعتبارات اور نسبتوں سے ہے هوالاول والاخر والظاهر والباطن ۔

جب شیون کے تفاصیل میں حق ظاہر ہوا تو عالم نظر آگیا جو نفع نقصان سے بھرا ہوا ہے ۔ اگر پھر عالم و عالمین چلے جائیں تو مرتبہ اجمال میں حق ظاہر ہوجائے گا ۔

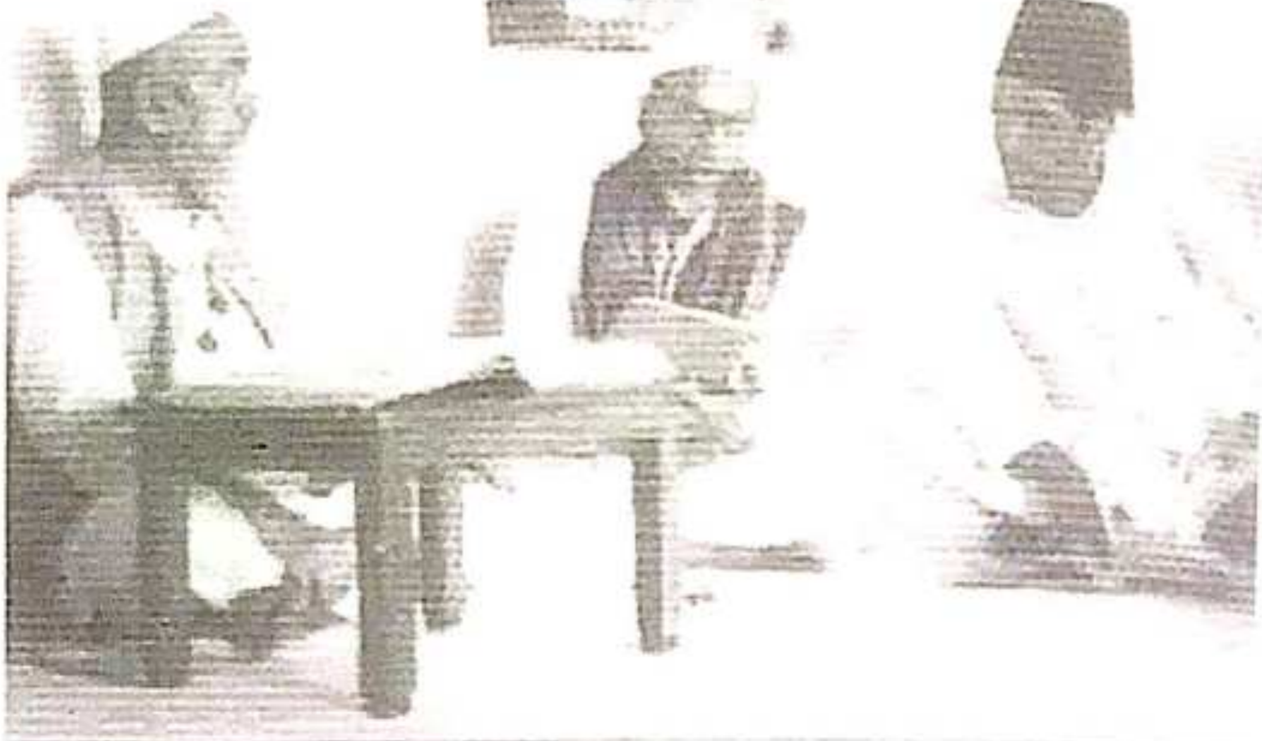

درس وتدریس کا ایک منظر

محفل سماع: شرکاء محفل حضرت پیر نجم الدین گیلانی بائیں جانب حضرت فقیر پاشا صاحب اور شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینیؒ

زنانہ درس

عورتیں ایک عرصہ سے ہفتہ میں کم از کم ایک دن اپنے لئے مقرر کروانے کے بارے میں بے چین تھیں۔ چنانچہ ہمت کرکے عرض کر ہی دیا کہ مرد روزانہ صبح جمع ہوتے ہیں اور باقاعدہ درس حاصل کرتے ہیں۔ اتوار کو بھی ان کے لئے تفسیر کا درس ہوتا ہے۔ حضرت کی خدمت میں جب دل چاہتا ہے حاضری دیتے ہیں۔ اور استفادہ کرتے ہیں۔ کوئی ایک دن ہمارے لئے بھی مقرر فرمادیں۔ توہم بھی حضرت سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ حضرت نے ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر فرمادیا۔ اور چار بجے سے مغرب تک کا وقت مقرر کردیا گیا۔ وقت مقررہ پر حضرت کی بہو بیٹیاں اور دیگر پیسر بہنیں جمع ہوتیں۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ حضرت کی عمر شریف اسی (۸۰) سے متجاوز ہوچکی تھی۔

درس میں حضرت نے اپنے تحریر کردہ بعض رسالے سبقاً سبقاً پڑھائے۔ اس کے علاوہ عورتوں کو ان کے خصوصی مسائل کی باریکیوں اور حکمتوں سے واقف کراتے تھے۔ ان کی پیدائش کی غرض و غایت، سماج میں ان کے مقام اور ان کی ذمہ داریوں سے واقف کراتے۔ حدیث کی تعلیم بھی دیتے۔ خصوصاً اربعون حدیثا چالیس حدیثیں حضرت نے ان کو زبانی یاد کروادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ازواج مطہرات اور بعض صحابیات کے حالات خصوصاً حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ اور بی بی عائشہ صدیقہؓ کی زندگی کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمہ الزہراؓ کی زندگی اور سیرت کو عورتوں کے لئے بحیثیت نصب العین پیش فرماتے کہ بیٹی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے اور ماں کی حیثیت سے حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ سے ربط و تعلق اور نسبت کو استوار کرنے کی ہدایت فرماتے۔ السلام علیک یا سیدۃ النساء العٰلمین پڑھتے رہنے کی تاکید فرماتے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ بی بی خدیجہؓ ایمان میں ممتاز ہیں۔ بی بی عائشہؓ علم میں ممتاز ہیں اور بی بی فاطمہ تقوے میں ممتاز ہیں۔

فرمایا۔ محبت کی پیکر بی بی خدیجہؓ اور بی بی عائشہؓ محبوبیت کی پیکر ہیں۔

عورتوں کو بے جا رسوم، غیر ضروری تکلفات اور اسراف سے بچنے کی تاکید فرماتے۔ ان کو نصیحت فرماتے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے تمسخر نہ کریں، ممکن ہے کہ وہ عورتیں جن کی ہنسی کی جاتی ہے ان عورتوں سے بہتر ہوں جو ہنستی ہیں۔

ان کو ہدایت فرماتے کہ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ۔ نہ طعنے دو۔ اپنے رشتہ داروں کو برا بولنا خود کو برا بولنا ہے۔ ان کو برے ناموں یا القاب سے نہ پکارو، اور نہ ان کو بدنام کرو۔ کسی کی عیب جوئی اور بدگوئی سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان سے فرماتے لوگوں کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ ان کی برائیوں کی جستجو نہ کرو۔ کوئی کسی کے پیٹھ پیچھے برائی نہ کرے۔ غیبت نہ کرے۔

ان میں خدا اور رسول کی محبت کا جذبہ پیدا کرتے اور قرآن و حدیث سے واقفیت اس کی اہمیت اور اس کے پڑھنے کا شوق پیدا کرتے۔ ان کو ذکر و شغل، نماز، روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ شوہر اور بچوں کی خدمت، رشتہ داروں سے محبت، میل جول اور ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں برابر کے شریک رہنے کی افادیت سمجھاتے اور زندگی میں اعتدال پیدا کرنے اور خوبی پیدا کرنے کی نصیحت فرماتے۔

عورتوں کو عام طور پر کلمہ طیبہ، اللہ اللہ کا ذکر، درود شریف اور ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ (سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار) پڑھنے فرمایا کرتے۔ بیویوں کو اپنے شوہر کا اچھا مشیر بننے کی تاکید فرماتے۔ ان سے فرماتے کہ میاں، بچوں کی خدمت اور گھریلو کاروبار میں تمہارے لئے ثواب ہے۔ اس میں کوتاہی مت ہونے دو۔ دل بیار و دست بکار پر عمل کرو۔ برتن دھوتے دھوتے، جھاڑو دیتے دیتے زبان جو بے کار ہے اس کو ذکر میں لگاؤ۔ کم از کم فرض نماز تو قضا ہونے سے بچالو۔

عورتیں عرض کرتیں گود کے بچے رہتے ہیں، ان ہی کپڑوں سے نماز پڑھنے میں تامل ہوتا ہے۔ ان سے فرماتے۔ نماز کی اوڑھنی کی طرح نماز کے کپڑے الگ رکھو۔ زیادہ شک شبہات میں پڑنے سے منع فرماتے۔

حضرت نے ان کو متنبہ فرمایا کہ۔ بعض نادان عورتیں بلکہ مرد بھی، شیخ صدو، نرسو اور دوسرے شیاطین کو مانتے ہیں۔ ان شیاطین کے نام پر پیسے دیتے ہیں وہ اپنا ایمان خراب کرتے ہیں۔ یہ شرک اور کفر کی باتیں ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔ یہ عمل ایمان سے کوسوں دور ہے۔ توبہ کرو۔ خدا کے سوا کسی اور کو صاحب قدرت نہ مانو۔ ان باتوں سے ایمان چلا جاتا ہے۔ ان سے بچو۔

فرمایا۔ شیطان بھی تعلیم کرتا ہے کہ فلاں کو آسیب ہوگیا ہے، اس پر بھوت سوار ہوگیا ہے اس کو نذر بھینٹ چڑھاؤ۔ ورنہ بیمار ہوجاؤ گے۔ مرجاؤ گے۔ اولاد نہیں ہورہی ہے۔ بچی کی شادی نہیں ہورہی ہے، کسی شیطان، کسی روح خبیث کے نام پر برہمن کو کچھ دے دو۔ یہ سب برے کام ہیں۔ خدا کے سوا ہم کو کوئی نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ ضرر۔ خیر و شر سب ہمارے مالک کے ہاتھ میں ہے۔

ان کو تعلیم دیتے کہ۔ تم کسی کو کھانا کھلاؤ یا ثواب کا کوئی اور کام کرو تو ایسا کہو۔ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو ملے۔ دعا کرنی ہو تو اس طرح کرو۔ یا اللہ فلاں بزرگ کے طفیل سے وہ چیز عطا کر۔ ہماری حاجت پوری کر۔

۔ یا حضرت آپ دربارِ الٰہی میں دعا کیجئے ہماری سفارش کیجئے کہ ہمارا مقصد پورا ہوجائے۔

عورتوں کو نصیحت فرماتے (اعمال کی اصل، خیالات ہیں۔ خیالات اچھے ہوجائیں تو اعمال بھی اچھے ہوجائیں گے۔ شیطان دل میں برے خیالات ڈالتا ہے۔ برے وسوسے ڈالتا ہے۔ جب شیطان کی نہیں چلتی اور برے کام آدمی نہیں کرتا تو اپنے یار و مددگار کو بھیجتا ہے۔ وہ کون ہیں؟ وہ ہمارے ہی بھائی بہنیں ہیں۔ وہ کیا سکھاتے ہیں۔ چلو سنیما جائیں گے۔ شرط کے ساتھ گنجفہ کھیلیں گے۔ یہ ہماری آمدنی ضروریات کو ناکافی ہے۔ رشوت کھائیں گے۔ خاوندوں کو بہکائیں گے کہ سود کھاؤ۔ رشوت لو، ہاتھ بہت تنگ ہوگیا ہے، کھانا بغیر بالائی کے نہیں چلتا۔ آج کل شراب خوری، جھوٹی محبت، ناجائز تعلقات روبہ ترقی ہیں۔ بڑھتے جارہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا۔ اگر مرد اور عورتیں غیبت کرنا، دوسروں کی برائیاں ظاہر کرنا چھوڑدیں تو آپس میں اتفاق و محبت پیدا ہوجائے۔ لڑائی جھگڑے کی ابتداء غیبت سے ہوتی ہے۔ تم اپنی زبان کو جھوٹے سچے الزامات سے بچاؤ، یہ بہت بری بلا ہے۔ غیبت محبت کی دشمن ہے۔ آدمی اور کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کو برا سمجھتا ہے، اس سے توبہ کرتا ہے اور غیبت کو برا نہیں سمجھتا اسی واسطے اسس سے توبہ نہیں کرتا۔ لہذا غیبت بدترین گناہ ہے۔ تم لوگوں کے واسطے بے فائدہ۔ اپنے اعمال نامہ کو سیاہ مت کرو۔ توبہ کرو استغفر اللّٰہ العظیم۔

یہ بھی فرمایا کرتے۔ جھوٹ کبھی نہ بولو، اس سے آدمی کا اعتبار چلا جاتا ہے۔ زبان میں اثر باقی نہیں رہتا۔ زیادہ باتیں کرنے سے آدمی کا دل مرجاتا ہے۔ جب ہم خدا کو یاد کرسکتے ہیں اس کا نام لے سکتے ہیں تو بے کار بے فائدہ بکواس سے کیا حاصل۔ خدا نے

عبد اللہ
دوکان دیئے ہیں ایک زبان دی ہے۔ دو باتیں سنو تو ایک بات کہو (جس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہوگا وہ ایک دن مفلس ہوگا۔)
حضرت عورتوں کو کام کاج اور گھر بیٹھے محنت مزدوری کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان سے فرماتے "دیکھو شریف بیبیاں پاپڑ بنالیتی ہیں، اچار ڈالتی ہیں، چاول اور دال کی بڑیاں بنالیتی ہیں۔ کشیدہ کاڑھتی ہیں۔ کروشیا کا کام کرتی ہیں۔ موسم پر شربت تیار کرلیتی ہیں۔ سرکہ بنالیتی ہیں۔ مختلف قسم کے میٹھے تیار کرکے بیچتی ہیں۔ بعض بیبیاں درزی سے کپڑے حاصل کرتی ہیں اور کرتے، پاجامے اور قمیص تیار کرتی ہیں۔ میں نے بہت سی عورتوں سے پوچھا شیروانی اور کوٹ کا سینا بہت کم عورتوں کو آتا ہے۔ درزی کا کام کرنے کے لئے مدرسے قائم ہوگئے ہیں۔ مردوں کو چاہئیے کہ خود سیکھ کر عورتوں کو سکھادیں۔ اس سے پیسہ بہت بچ رہے گا بہر حال کام کرو کام میں کامیابی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کیا کرتی تھیں۔ اور اس کی آمدنی ساری کی ساری غربا کو دے دیا کرتی تھیں۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ کا تجارتی کاروبار چلتا تھا۔

حضرت نے ہفتہ وار زنانہ درس میں مہینہ میں ایک دن مقرر فرمادیا جس میں عورتوں کو کتر بیونت کی تعلیم عورتیں دیتیں۔ مختلف قسم کے پکوان کے تجربے ہوتے۔ کشیدہ کاری، کارچوبی کام اور دیگر سیون کے کاموں کی تعلیم ہوتی۔ عورتوں کی خواہش پر کوٹ، پتلون، بشرٹ اور شیروانی کی کاٹ بینت سکھانے کے لئے حضرت نے اپنے ایک پابند صوم و صلوٰۃ مرید سید جعفر صاحب کو مقرر فرمادیا۔ جو درزی کے کام میں ماہر تھے۔ اور ایک ٹیلرنگ فرم، نبی خانہ پتھر گٹی کے بازو چلا رہے تھے۔

نام نہاد آزادی نسواں کے حضرت ہر دور میں مخالف رہے۔ کیونکہ اس میں عورت کو ہر معاملہ میں مردوں کے دوش بدوش کردینا تھا۔ کہ وہ سیاست اور معیشت میں ہر اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار رہے جس سے مرد عہدہ برا ہوتے ہیں۔

حضرت کے پاس مرد کمانے کے لئے اور عورت خرچنے کے لئے ہے۔ فرماتے تھے "روپیہ کمانے کے لئے ایک ہنر کی ضرورت ہے اور خرچنے کے لئے دو ہنر کی۔ لہذا عورت میں صحیح سوجھ بوجھ، کفایت شعاری اور سلیقہ مندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کس موقع پر کب اور کتنا صرف کرنا چاہئیے اس کا ڈھنگ آنا پڑتا ہے جو اس کے سگھڑپن کی علامت ہے۔

فرمایا کرتے تھے "بڑے گھر کی باندی بھی سلیقہ مند رہتی ہے"۔

ابتدائی دور میں حضرت عورتوں کے لئے اتنی ہی تعلیم ضروری سمجھتے تھے جس کی بدولت اس میں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کے صحیح اور باقاعدہ انجام دہی کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت نے جب دیکھا کہ سائنس کی ترقی کے اس دور میں جب کہ زمانہ مادی ترقی میں تیز گام ہے عورت بجز اعلیٰ تعلیم کے زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی اور نہ اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی پورا کرسکتی ہے تو حضرت نے عورتوں کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کو بہتر اور ضروری جانا۔ تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کی بدولت ایک صحت مند، دین دار، مخلوق خدا کی خدمت گزار اور ملک و قوم کے لئے مفید فرزند پیدا کرسکے اور اپنی اولاد کے درخشاں مستقبل کے لئے گھر پر ان کی تعلیم میں صحیح رہنمائی اور مدد کرسکے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ حضرت کا یہ بھی خیال تھا کہ عورت اپنی حد سے زیادہ آگے بڑھے گی تو وہ اپنا نسوانی جوہر کھودے گی۔ نہ تو وہ مسلمان ماں کے فرائض ادا کرسکے گی نہ مسلمان بیوی کے۔ بلکہ انفرادی عیش و آسائش میں مشغولیت کی خواہاں ہوگی جو نسل انسانی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

تہذیب جدید کی خرابی کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں۔ آج کل تہذیب جدید کے زمانہ میں مہذب عورت، خاوند اگر بیمار ہے تو کہتی ہے۔ آیا تم سرکار کے پاس بیٹھو میں واک کو جاتی ہوں۔ اپنے دوستوں سے ملنا ہے۔ یہ شادی، خانہ آبادی ہے یا خانہ بربادی ہے؟

آج کل کی تعلیم یافتہ عورت اپنے بچے کو اپنا دودھ پلانا نہیں چاہتی تا کہ اس کی جوانی اور حسن متاثر نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت کا ارشاد ہوتا تھا۔ ہر شخص میں سے اس کے خیالات اور صفات کا تموج اور اثر ہوتا رہتا ہے۔ اگر غیر مسلم بے تہذیب آیا کے گود میں بچہ پلے گا اور دودھ پئے گا، اپنی آیا کے اثر صحبت سے متاثر ہوکر رہے گا۔ شریف ماں کے خصوصیات سے وہ ضرور محروم رہے گا۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ گھوڑی کے بچے کو بھینس کا دودھ پلایا جائے تو کیسچڑ میں بیٹھ جاتا ہے۔ جانوروں کا دودھ پی کر بچہ انسانی صفات کا مظاہرہ کس طرح کرے گا۔

حضرت عورت کے لئے پردہ کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زور دیتے اور بے پردگی اور ملازمت کو جب کہ وہ مردوں کے دوش بدوش ان کے ساتھ مل جل کر کام کرتی ہو بہت برا خیال کرتے اور بے عزتی سمجھتے تھے۔

بعض عورتوں نے عرض کیا، بے پردہ ہونے میں ہمارا قصور نہیں، شوہر کی مرضی کے سامنے ہم مجبور ہیں۔ حضرت نے جواب دیا۔ اگر برقع نہیں پہن سکتیں تو کیا گہرے شیشوں کی دھوپ کی عینک بھی نہیں لگا سکتیں (اصل پہچان آنکھ سے ہوتی ہے۔ عینک لگانے سے آدھا پردہ ہوجاتا ہے)۔ چنانچہ کئی عورتوں نے اس پر عمل کیا اور عینک لگانے لگیں۔ بعض بے پردہ عورتوں نے برقع پہن لیا۔

ایک مرتبہ فرمایا (آنکھیں نیچی رکھنا عورت کی تعریف ہے)۔ غیر مردوں کے ساتھ بے محابا گفتگو کرنا عورت کی شان کے خلاف ہے۔ ایک مقدس شہر میں شریف زادیوں کو فٹبال کھیلتے بھی دیکھا ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے بے پردگی کا۔

فرمایا۔ (موتی میں آب، عورت میں حیا۔ کہاں رہتی ہے وہ قیمت جب چینی میں بال آیا)۔

حضرت عورتوں کی ترقی کے کبھی خلاف نہیں رہے۔ بلکہ ایسی ترقی کے خلاف تھے جو بے منت غیر آگے بڑھائے۔ عورت کو مرد کا مرہون منت فطرتاً رکھا گیا ہے۔ تا کہ وہ اپنی فطری صلاحیت جو مرد کی فطری صلاحیت سے مختلف ہے بروئے کار لانے میں ترقی کے زینے ضرور طے کرے۔

عورتوں کے لباس میں شرع کا لحاظ نہ رہتا تو ناگوار گزرتا۔ اسی طرح اگر کوئی سہاگن سفید لباس پہن کر آتی تو حضرت اس کو رنگین لباس پہننے کی تاکید کرتے۔ ایسا مہین لباس جو لباس پہننے کے مقصد کو پورا نہ کرتا تو ایسے لباس پر معترض ہوتے۔ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں عورت ملبوس آتی تو فرماتے یہ رافضیوں کا لباس ہے ان کی مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ مکمل سیاہ لباس پہننے سے منع فرماتے۔ عورتوں کے لئے سرخ رنگ کے لباس اور زعفرانی لباس کو پسند فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اکثر زعفرانی لباس پہنا کرتی تھیں۔ بعض وقت سرخ کرتا اور سیاہ اوڑھنی بھی زیب تن فرمایا ہے۔ ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ان کی

بھتیجی حفصہؓ بنت عبدالرحمٰنؓ باریک اوڑھنی سر پر ڈالے آئیں تو حضرت عائشہؓ نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور فرمایا تم نہیں جانتی ہو سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔ پھر ایک دبیز کپڑے کی اوڑھنی منگواکر ان کو دی۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ پڑھی لکھی لڑکی بیوی ہوتی ہے اور دلہن نہیں ہوسکتی۔

فرمایا بچہ ہونے تک میں فلاں کی دلہن کہتا ہوں، بچہ ہوجانے کے بعد فلاں کی بیوی۔

فرمایا۔ پندرہ برس کی لڑکی کو بیس برس کا لڑکا ہونا اور بیس برس کی لڑکی کو چالیس برس کا لڑکا یہ ہماری رائے ہے۔

حضرت نے عورتوں کو تفسیر کا درس دینے کے لئے ان کے لائق سورہ فاتحہ اور پارہ عم کی تفسیر۔ تفسیر لطیفی۔ کے نام سے لکھی، چھپوائی اور اس کا درس بھی دیا۔

تفسیرِ لطیفی کی طباعت کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آیا۔ حکمتِ اسلامیہ کا دوسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ تیار تھا اور طباعت پیشِ نظر تھی۔ تفسیرِ لطیفی کا مسودہ بھی بغرض طباعت تیار تھا۔ حضرت نے صبح کے درس میں کرنل حبیب علی صاحب سے دونوں کتابوں کا تذکرہ کیا اور استفسار فرمایا کہ۔ پہلے کونسی کتاب طبع کرائی جائے آپس میں مشورہ کرکے بتلاؤ۔ کرنل حبیب علی صاحب نے اہلِ درس میں کے چند ممتاز لوگوں سے مشورہ لیا اور بعد مشورہ عرض کیا۔ "سرکار! پہلے حکمتِ اسلامیہ طبع کرائی جائے"۔ حضرت نے دریافت فرمایا۔ صمدانی پاشا (یعنی احقر) کہاں ہیں؟ میں درس میں تھوڑی تاخیر سے پہنچا تھا، اس لئے کمرہ کے باہر جگہ ملی تھی۔ پیچھے بیٹھا یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ فوراً خدمت میں حاضر ہوگیا۔ فرمایا۔ باوا! حکمتِ اسلامیہ کی اضافوں کے ساتھ دوسری اشاعت اور تفسیر لطیفی کی پہلی اشاعت دونوں پیش نظر ہیں۔ پہلے کونسی کتاب طبع کرائی جائے یہ بحث ہے تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا تفسیر لطیفی کو پہلے طبع کرانا مناسب ہے"۔

حضرت نے حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اب حبیب علی اینڈ پارٹی یہ بیان کریں گے کہ حکمتِ اسلامیہ کو پہلے کیوں؟ اور صمدانی پاشا یہ بیان کریں گے کہ تفسیر لطیفی کو پہلے کیوں؟"۔

حبیب علی صاحب نے عرض کیا۔ حکمتِ اسلامیہ تصوف میں چوٹی کی اور درسی نوعیت کی کتاب ہے اور حضرت کا ایک شاہکار ہے۔ ایڈیشن ختم ہوجانے کی وجہ سے لوگ منتظر ہیں۔ کتاب کی اہمیت کے مدنظر اس کی اشاعت پہلے مقام پر ہونی چاہیئے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ اب صمدانی پاشا بیان کریں گے کہ تفسیر لطیفی کو پہلے کیوں طبع کرانا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا۔ حکمتِ اسلامیہ پہلے طبع ہوچکی ہے اور موجود ہے۔ اب صرف اضافوں کے ساتھ طبع کرانا ہے مگر تفسیر لطیفی تو چھپی ہوئی موجود نہیں تفسیر لطیفی کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے عورتوں پر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ قرآن کے مخاطب صرف مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہیں۔ جس طرح قرآن کو سمجھنا اور عمل کرنا مردوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کو بھی قرآن سمجھنا اور عمل کرنا ضروری ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے جو عورتوں کے حالات اور ان کے خصوصی مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے مناسب حال لکھی گئی ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ تم اپنا تصفیہ بیان کرو۔ میں نے عرض کیا۔ تفسیر لطیفی۔ کو پہلے طبع کروانا چاہیئے۔ حضرت نے اہلِ درس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ صمدانی پاشا نے تصفیہ کردیا ہے اب تفسیر لطیفی ہی چھپے گی۔ اور اس کی طباعت کے لئے مسودہ

عنایت فرمادیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ میں حضرت کا منشاء دیکھ رہا تھا۔ اس واقعہ کے اظہار سے حضرت کا طریقہ کار اور عورتوں کے بارے میں حضرت کی فکر صحیح اور قرآن سے ان کو قریب کردینے کی حضرت کی جو جستجو اور کوشش تھی کھل کر سامنے آتی ہے پیش کرنا مقصد تھا۔

حضرت جہاں اپنی بچیوں کو قرآن تجوید کے ساتھ پڑھاتے، اردو نوشت و خواند سکھلاتے وہیں سوئی تاگا لے کر اپنے ہاتھ سے کپڑے کو سی کر بتلاتے کہ دیکھو تیسیچی اس کو کہتے ہیں اور ٹیپے اس طرح لگائے جاتے ہیں۔ اورمہ، بخیہ اور ترپائی اس طرح کی جاتی ہے۔ اور آتی جاتی سیون اس کو کہتے ہیں۔ بچیاں سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھ جاتیں تو فرماتے ، سینے والے کی بائیں طرف بیٹھنا چاہئیے۔ ورنہ سوئی کے آنکھ میں لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور ہر سیون کے تعلق سے وضاحت فرماتے کہ یہ سیون کہاں اور کس غرض سے سیا جاتا ہے۔

حیرت تو اس بات کی ہے کہ حضرت نے جالی پر کشیدہ کا ایک نمونہ ڈال کر اپنی بڑی بہو یعنی رحیم پاشا صاحب کی اہلیہ محترمہ کو دیا تھا کہ وہ نمونہ کے مطابق ایک کرتا نکالیں۔ جالی پر کشیدہ کا کام وہ ایسی صفائی سے نکالتیں کہ کارگے کا دھوکا ہوتا۔ انھوں نے حضرت کے ڈالے ہوئے نمونہ کو بےحد پسند کیا اور حضرت کی نازک دماغی، جدت پسندی اور سیون میں اس طرح کے درک پر حیرت کا اظہار کیا۔

سالانہ مواعظ

سالانہ مواعظ	صفحہ
عید الاعیاد	۳۹۳
میلاد النبی کا ماخذ	۳۹۳
اقتباساتِ وعظ	۳۹۴
آثار وتبرکات کی تعظیم	۴۰۶
بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ	۴۰۸
ابوبصیر کی کارکردگی	۴۰۹
واقعہ معراج	۴۰۹
حلیہ مبارک	۴۱۳
اقتباساتِ وعظ بہ ماہِ ربیع الآخر	۴۲۲
چشتیہ	۴۲۵
نقشبندیہ	۴۲۷
اکبریہ	۴۲۷
شاذلیہ	۴۲۸
الرفاعیہ	۴۲۸
قادریہ	۴۲۹

عید الاعیاد اور سالانہ مواعظ

۱۲ / ربیع الاول کو ہم لوگ ہر سال بطورِ خاص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ۔ دیکھتے ہی حضرت اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے اور السلام علیکم فرماتے ۔ آنے والا حضرت کی طرف سے سلام میں پیش قدمی پر بے چین ہوجاتا ، سلام کا جواب دیتے ہوئے تیزی سے حضرت کے قریب پہنچ کر دست بوسی اور قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا تو نہایت خندہ پیشانی ، خوش دلی اور حد درجہ شفقت کے ساتھ فرماتے " عید الاعیاد مبارک " ۔ اس وقت حضرت کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتیں ۔ مسکرانے میں بائیں آنکھ کچھ نیم وا سی ہوجاتی اور آنکھ کے گوشہ میں جھریاں پڑتی تھیں ۔ آنکھوں میں خوشی کی چمک ایسی ہوتی کہ قلب میں اترتی معلوم ہوتی ۔ عنایت محبت کا ان سے اس قدر اظہار ہوتا تھا کہ آدمی سوائے حضرت کے سب کچھ بھول جاتا ۔ حضرت کی یہ مخصوص دیکھت جو حضرت کے چہرہ میں بڑی دلکشی پیدا کردیتی تھی دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی ۔ عطر کی شیشی جو اکثر تکیہ کے بازو رہتی تھی پیش کرتے ۔ آنے والا عطر لیتا ، خوشبو سے معطر ہوجاتا تو درود پڑھتا ، پھر قدم بوسی حاصل کرتا ۔ اس وقت کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے ۔ محمدی کی ایک منفرد شان اور اس کے آثار نمایاں طور پر نظر آنے لگتے ۔ اور آدمی کا خیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور و خیال سے وابستہ اور پیوستہ ہوجاتا تھا ۔

ضعیفی کے باعث گوشہ نشین ہوجانے سے پہلے تک مسجد کالی کمان میں ۱ / ربیع الاول تا ۱۲ / ربیع الاول عصر تا مغرب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر حضرت نے برسہا برس وعظ فرمایا ۔ وعظ کا انداز ایسا رہتا گویا بچوں کو سبق دے رہے ہیں ۔ مسجد صاحبانِ علم و فضل سے اور عاشقانِ محمدی سے پُر رہتی ۔ وعظ میں باتیں ایسی ہوتیں معلوم ہوتا کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آرہی ہیں ۔ میں نے کسی کو اس قدر اعتماد کے ساتھ ساتھ عالمانہ محققانہ ، عارفانہ و والہانہ چاروں انداز متوازی و متوازن لئے ہوئے وعظ کرتے نہیں سنا ۔

میلاد النبی کا ماخذ یہ میلاد کی محفلیں کچھ نئی نہیں ہیں ۔ زمانہ رسالت سے شروع ہوچکی تھیں ۔ جن کو خود حضورؐ نے بھی پسند فرمایا ۔ اور محفلِ میلاد قائم کرنے والوں کو خدا کی رحمت ، اپنی شفاعت اور فرشتوں کی دعائے مغفرت کا مستحق ٹھہرایا ۔

حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابو عامر انصاری (رضی اللہ عنہ) کے مکان پر گیا ۔ ابو عامر اپنے قرابتیوں اور بچوں کو جمع کرکے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حالات سنا رہے تھے ۔ اور فرمارہے تھے کہ " وہ آج ہی کا دن تھا ۔ وہ آج ہی کا دن تھا " حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اللہ نے تمہارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں ۔ فرشتے تمہاری مغفرت چاہتے ہیں ۔ جس نے تمہارے اس فعل کو کیا اس نے تم جیسی نجات حاصل کی " ۔ (اس حدیث کو امام المحدثین علامہ ابو الخطاب عمرو بن دحیہ کلبی نے اپنی کتاب " التنویر فی مولد البشیر والنذیر " میں ۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب " سبل الھدی فی مولود المصطفےٰ " میں نقل کیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دن میں اپنے گھر میں لوگوں کو جمع کرکے ولادتِ باسعادت بیان کر رہا تھا ۔ لوگ مسرور ہورہے تھے اور حمدِ باری اور درود پڑھ رہے تھے ۔ اسنے میں خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے ۔

اور فرمایا کہ "میری شفاعت تم پر حلال ہوچکی ہے"۔ (اس حدیث کو امام المحدثین احمد بن حجر المکی "مولد الکبیر" میں اور علامہ ابی القاسم محمد بن عثمان نے "الدرالمنظم" میں اور علامہ امام جلال الدین سیوطی "سبل الهدیٰ" میں نقل کیا ہے)

قرآن شریف میں جابجا مختلف انبیاء کے مبعوث ہونے کو بطور احسان بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "اذقال موسیٰ لقومہ یقوم اذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء (پ۶)۔ یعنی جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جب کہ اس نے پیدا کئے تم میں پیغمبر۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا۔ یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا جب کہ ان میں ایک رسول بھیجا۔

اور فرماتا ہے۔ قل بفضل اللّٰہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ تم کہو! اللہ کے فضل و رحمت کی (اے مومنو!) خوشیاں مناؤ۔ ہم تو امر اُذکروا اور فلیفرحوا پر عمل کرتے ہیں۔

اور فرماتا ہے واما بنعمة ربک فحدث "یعنی اور تم اپنے رب کی نعمتیں بیان کرو"۔ یہ تھیں وہ حدیثیں اور آیاتِ قرآنی جو دورانِ وعظ حضرت میلادالنبی کے جلسے اور محفلوں کے انعقاد کے جواز میں پیش فرماتے تھے۔

حضرت نے دورانِ وعظ یہ بھی فرمایا "بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سنا کہ روزِ عاشوراء روزِ نجات موسیٰ علیہ السلام ہے تو آپ نے فرمایا نحن احق بموسٰی منکم ہم بہ نسبت تمہارے موسیٰ کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر آپ نے بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ تو کیا حضرت کے تولد سے ساری امت محمدی کے دوزخ سے نجات پانے کی خوشی منانے کے ہم مستحق نہیں؟ بےشک ہیں۔ ہر قوم اپنے بزرگ کے میلاد یا موت کی یادگار مناتی اور اجتماع کرتی ہے تاکہ اس بزرگ کے حالات سے واقف ہوکر ان کی پیروی کرے۔

مسجد کالی کمان میں ماہ ربیع الاول میں حضرت جو وعظ فرمایا کرتے تھے ان کے کچھ اقتباسات بغرض استفادہ پیش کئے جاتے ہیں۔

اقتباسات وعظ

۱۔ اللہ اکبر! شرک و کفر کی کیا گھٹاٹوپ تاریکی عالم پر چھائی ہوئی ہے۔ کہیں کہیں کوئی شمع ہدایت جلتی ہے اور اس کو بھی بجھے ہوئے زمانہ ہوگیا ہے۔ مایوس نہ ہو! خشک سالی کے بعد سرسبزی، رات کے بعد دن، ضلالت کے بعد ہدایت آتی ہے۔ یہ خدا کی رحمت اور اقتضائے فطرت ہے۔

وہ دیکھو! ناف زمین کوہ ابوقبیس کے دامن سے روشنی سی معلوم ہورہی ہے۔ اوہو! روشنی بڑھتی جارہی ہے۔ آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ گویا کسی دولہا کے سر پر سے روپے نثار کئے جارہے ہیں۔ بُت منہ کے بل گر رہے ہیں۔ ظلمت و ضلالت کا سلطان یعنی شیطان اپنی سلطنت چھوڑ کر بھاگا جارہا ہے۔ ماشاء اللہ! ماہِ نبوت، شمسِ رسالت، نور بخشِ بصارت و بصیرت نمودار ہو ہی گیا۔ یہ کون عالی مقام ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟

غایتِ ایجاد، محبوبِ ربّ العباد نور اولین، ظہورِ والپین، روح الارواح، الساری فی الاشباح، مقصدِ کل سندِ رسل۔

محمد سید الکونین والثقلین ÷ والفریقین من عرب ومن عجم

بلند قامت رفع بعضھم درجات کی علامت

سر پر عمامہ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء ۔ چہرہ راحتِ ارواح مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح

تجلی گاہِ حق ہے چہرہ انور محمد کا ÷ تعالیٰ اللہ کیا مطلع ہے صبح نورِ سرمد کا (حسرت صدیقی)

پیشانی نورانی بلند و کشادہ یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء

باریک کمانی ابرو قاب قوسین اوادنی بڑی بڑی آنکھوں کی سپیدی میں جلالت کی چمک ، گلابی ڈوروں میں محبت کی جھلک مازاغ کا نور بی یبصر کا ظہور ۔

برنگ زر چڑھے سونا مرا میدانِ محشر میں ÷ اٹھوں میں قبر سے مخمور تیری چشم اسود کا (محسن کاکوری)

اونچی ناک شانِ لولاک ، دندانِ مبارک تاباں ، لولوئے درخشاں ۔

زبانِ فصاحت و بلاغت نشان میں ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ کی شان ۔

نیایم چرا لطفِ قندِ مکرر ÷ کلامِ خدا و زبانِ محمدؐ (حسرت صدیقی)

محاسنِ مبارک دراز فسبحہ لیلا طویلا کا نیاز

گوشِ حق نیوش فاستمع لما یوحیٰ کے ہمدوش

سرخ و سپید رنگ بے رنگ کا نیرنگ

سینہ گنجینہ معارف میں وسعت الم نشرح لک صدرک کی علامت ۔

دستِ زبردست میں بی یبطش کی قوت و طاقت

وسیع کفِ دست میں انما انا قاسم واللّٰہ یعطی کی سخاوت

قدمِ استقامت منزل فاستقم کما امرت میں کامل

ایک ہاتھ میں قرآن شریف ایک ہاتھ میں شمشیر اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تفسیر ۔

کمالِ شجاعت میں نامحدود رحمت ، غایتِ شہادت میں نہایت محبت سراپا عدل و انصاف ہمہ تن الطاف کان خلقہ القران التخلق باخلاق الرحمٰن ۔ آئینہ عبدیت میں صفائی معیت ۔ شمشیر فنا میں جو ہر بقا کا رنگ ۔ جلال کے ساتھ خوشبوئے جمال لایسعنی کے ساتھ کلمینی یاحمیراء بھی ہے ، باہمہ و بے ہمہ ، دل بیار و دست بکار ، مستی میں ہوشیار ، بے خودی میں خوددار ، ہرامر میں تمیز ، کج دار و مریز ، فقیروں کا ماویٰ ، امیروں کا ملجا ، ناداروں کا خزانہ ، مصلحین میں عالی پائیگاہ ۔ حکماء میں حقائق آگاہ ، علماء میں معرفت پناہ ، محبوں کا پیشوا ، محبوبوں کا مقتداء امام الصدیقین ، خاتم الانبیاء و المرسلین ۔

یآیھا الناس اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم ۔ لوگو ! تم پر اللہ کی جو نعمت ہے یاد کرو ۔

شکر کیا ہے ؟ یہی کہ انعامات و احسانات کو ان کے عمدہ مصرف میں صرف کرے اور تمام عطایا کو منعم حقیقی اور محسن حقیقی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے ۔ مگر ہر شخص اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اس کی ساحتِ عزت تک رسائی

حاصل کرے ۔ اور اس کی مرضی کے موافق وحی الہٰی سے مخاطب ہو ۔ حکیم علی الاطلاق جل جلالہ ، اپنے بندوں سے ایسے شخص کو رسالت و نبوت کے لئے برگزیدہ اور انتخاب فرماتا ہے جس کی فطرت پاک ، استعداد اتم ، قوائے عقلیہ کامل ، اخلاقِ حمیدہ و صفات جمیلہ بہ درجہ اعلیٰ ہوں ۔ جس کے دو جانب ہوں ۔ ایک جانب سے ربوبیت سے استفادہ کرے اور دوسری جانب سے بندگانِ خدا کو افادہ ہدایت فرمائے ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر بندوں میں بھی شامل ÷ خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا محل کسے بنائے ۔

بعثت نبوی کے قبل دنیا پر جہالت و ضلالت کی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی ۔ یہود وقالت الیہود عزیر ابن اللّٰہ ۔ اور نصاریٰ وقالت النصٰری المسیح ابن اللّٰہ کے مصداق بن گئے تھے ۔ مجوس ، آتش پرستی میں گرفتار تھے ۔ صابئین ، ستارہ پرستی میں مشغول تھے ۔ مشرکین اپنے ہاتھوں سے بُت بناتے اور ان کو خدا سمجھتے ۔ خود کعبۃ اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بُت بٹھا رکھے تھے ۔ یہ تو وہ تھے جو خدائے تعالیٰ کو مانتے تو تھے ۔ اس زمانے میں دھریت کے قائل اور خدائے تعالیٰ کے وجود سے انکار کرنے والوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی ۔

الحاصل اعتقادیات کی خرابی کا ایک نمونہ تھا ۔ اخلاق و تمدن کی تباہی و بربادی تو ناگفتہ بہ تھی ۔ غرض کہ جہالت کی حکومت تھی اور ضلالت کی سلطنت ۔ دنیا فسق و فجور سے معمور تھی ۔ اور اہلِ دنیا شرابِ غفلت سے مخمور ۔

چونکہ عادتِ خداوندی اس طرح جاری ہوئی ہے کہ قحط کے بعد سرسبزی ۔ خزاں کے بعد بہار ۔ تاریکی کے بعد روشنی عطا ہو ۔ اعلموا ان اللّٰہ یحی الارض بعد موتھا ۔ ان مع العسر یسرا لہذا یہ وقت تھا کہ ضلالت کے بعد ہدایت ، جہالت کے بعد علم و معرفت عنایت فرمائے اور بندوں کو جو وادیِ کفر و فسق میں سرگشتہ ہورہے تھے ۔ شاہ راہِ ایمان و اذعان کی طرف ہدایت کرنے کے لئے پیغمبر کو مبعوث کرے ۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۔ (سورہ ۱۷ ۔ آیت ۱۵) اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے ۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ نافِ زمین کہلاتا ہے اور یہ شہرت خلاف واقعہ بھی نہیں ہے کیونکہ عرب کی ایک جانب ایشیا ، دوسری جانب یورپ ، تیسری جانب افریقہ ہے اور وسط سے تمام جوانب میں علم و معرفت کا پہنچنا آسان اور مرکز سے اقطاعِ عالم تک نور ہدایت کا ایصال سہل ہے ۔ نیز اس زمانہ میں چونکہ نہر سویز کھدی نہ تھی لہذا تجارت اور لین دین عرب کے ذریعہ ہوتا تھا ۔ لایلف قریش الٰفھم رحلۃ الشتآء والصیف اس لئے عرب کے ذریعہ یورپ ، افریقہ اور ایران و ہندوستان کو خبرِ رسالت کا وصول سہل تھا ۔

نیز مکہ میں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ یہود و نصاریٰ ، صابئین ، مجوس ، بُت پرست اور دہری موجود تھے ۔ جن کی تردید اور جن سے مناظرہ دوسرے اور کسی مقام پر دشوار اور دوراز کار تھا ۔ نیز عرب کی حالت بہ نسبت اور متمدن اقوام کے بد سے بدتر تھی ۔ اور بہ مشکل یہ جنگجو ۔ سخت مزاج قوم کسی غیر شخص کے سامنے گردنِ تسلیم خم کرتی ۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسحاق علیہ السلام کے خاندان میں کئی اولوالعزم رسول اور نبی پیدا ہوچکے تھے ۔ اور عرب مستعربہ جو خدامِ کعبہ اور مدعی اتباعِ

ملت ابراہیمی اور حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اس عظیم الشان شرف اور مرتبہ نبوت و امامت سے محروم رہ جاتے۔ اگر ان میں کوئی رسول مبعوث نہ ہوتا۔ لہذا حکمتِ الہٰی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ فاران کی چوٹیوں اور مکہ کی سرزمین سے ایک آفتاب نبوت و رسالت طلوع کرکے روئے زمین سے جہالت و ضلالت اور فسق و فجور کی ظلمت کو دور اور نورِ ہدایت و معرفت سے معمور کردے۔

و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا و اجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک و ارنا مناسکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم ○
(البقرہ آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کررہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے پروردگار: ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے پروردگار: ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھ اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریقہ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار: ان (لوگوں) میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔ اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔

انسان تین قسم کے ہیں۔ ادنیٰ۔ اوسط۔ اعلیٰ۔

• ادنیٰ - تو وہ ہیں جن کے قوائے عقلیہ و علمیہ ناقص ہیں۔ اور وہ خواہشِ نفسانی اور لذاتِ جسمانی میں منہمک رہتے ہیں یہ عوام ہیں۔

• اوسط - وہ اشخاص ہیں جو خود کامل بذاتہ ہیں۔ ان کے صفات پسندیدہ ہیں اور ان کے عادات برگزیدہ۔ مگر ان کا اثر متعدی الی الغیر نہیں۔

• اعلیٰ - وہ افراد ہیں جو نہ صرف خود بذاتہ اعلیٰ صفات و اکمل عادات رکھتے ہیں بلکہ ان کے انوارِ تعلیم سے دوسرے سرگشتگانِ وادیٔ جہالت شاہ راہِ ہدایت پر آجاتے ہیں۔ وہ دوسروں کی قوتِ نظری و عملی دونوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کمالاتِ قوت نظری میں سے معرفت اور قوتِ عملی میں سے اطاعتِ حق تعالیٰ رئیس کمالات ہے۔ جو شخص دلی معرفت و طاعتِ حق میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر معرفتِ ولایت میں فاضل ہوگا۔ اور جو شخص - نبی - دوسروں کی تکمیلِ معرفت و طاعتِ حق افضل و اعلیٰ طریقہ پر کرے گا اس کے درجات نبوت اکمل و اعلیٰ ہوں گے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا کا کیا حال ہوا؟ چشم انصاف سے دیکھو تو معلوم ہوجائے گا کہ دنیا کا انقلاب باطل سے حق، ظلمت سے نور، کذب سے صدق، کفر سے ایمان، شرک سے توحید کی طرف ہوگیا ہے۔ اور اس ذاتِ مطہرہ کے اثرِ تعلیم سے ایک بہت بڑی تعدادِ بشری کی قوتِ نظری و عملی کی تکمیل ہوگئی ہے۔ اگر کوئی شخص عقل کی آنکھوں سے تعصب و عناد کا پردہ ہٹا کر دیکھے تو اسے ثابت ہوگا کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام نے جس قدر اصلاحِ نوعِ بشر اور تکمیل قوتِ

عمل و نظر کی ہے اس سے بہت زیادہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور اس کا پاک اثر ہے

کوئی آپ کو کیا تعلیم کرتا جب کہ تمام روئے زمین سے زیادہ خود مکہ پر ابرِ جہالت چھایا ہوا تھا۔ نہ کوئی بیت العلوم تھا، نہ مدرسہ، لکھنے پڑھنے والے خال خال تھے۔ پھر چالیس سال تک اس طرح بے تعلیمی و بے تربیتی میں گزارے۔ کیا بغیر ارشادِ خداوندی و تعلیم علم لدنی ممکن تھا کہ دفعتاً چالیس سال کی عمر میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کردیں؛ دل سے آفتابِ ہدایت چمکے اور تمام عالم کو نور سے معمور کردے؟ منہ سے دریائے علم و معرفت جاری ہو اور تشنگانِ دشتِ ضلالت و حیرت کو سیراب کردے!

وما کنت تتلوا من قبله من کتاب ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون بل هو اٰیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیٰتنا الا الظلمون ○ (عنکبوت ۲۹)

اور آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ ایسا ہوتا تو (اس کا) ابطال کرنے والے ضرور شک کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں، جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ساحروں کا بڑا زور شور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب و فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ سقراط۔ بقراط۔ جالینوس۔ فیثا غورث وغیرہ حکماء کا زمانہ آپ کے زمانہ سے قریب تھا۔ احیاء موتیٰ۔ ازالہ برص و جذام۔ مادر زاد نابینا کا اچھا کرنا آپ کو عطا ہوا۔ معجزاً حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے جن کو فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ اپنے سوا دوسری اقوام کو عجم یعنی گنگ کہتے تھے۔ کعبۃ اللہ شریف کے پردے پر اپنے فصیح و بلیغ قصائد بطور ادعا و تحدی لٹکاتے تھے۔ جن کو " المعلقات السبع " کہتے ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے فصاحتِ قرآن کو اعجاز بنادیا۔ قرآن کے سامنے تمام فصحا نے سپر ڈال دی۔ لبیدؓ بن ربیعہؓ صاحب معلقہ چہارم نے شعر کہناہی چھوڑ دیا اور عمر بھر ان کا سارا مشغلہ تلاوتِ قرآن ہی رہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تمام شعراء سے ان کے زمانہ اسلام کا کلام طلب فرمایا تو لبید بن رابیعہ نے سورہ بقرۃ لکھ کر حضرت عمر کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اور عرض کی کہ جب سے ایمان لایا ہوں شعر کہنا چھوڑدیا۔ کفارِ قریش کا سردار عتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن سن کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور رونا شروع کردیا۔ ابو جہل وغیرہ بدبختانِ ازلی نے اُسے بہکایا کہ تو اتنا بڑا سردار اور ایسا فصیح و بلیغ ہوکر قرآن سے متاثر ہوتا ہے۔ تجھے چاہیئے کہ قرآن پر کچھ نہ کچھ الزام لگائے تو وہ سوچا اور اندازہ کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنایا لیکن کچھ اعتراض نہ کرسکا۔ پھر بڑی کوشش سے ایک بات سجھائی دی اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمایا۔ اور کہا تو کیا کہا؟ " ان ھٰذا الا سحر یوثر " یہ تو چلتا جادو ہے۔ اُس کی اس رائے کے متعلق اہلِ دانش و بینش فیصلہ کرسکتے ہیں کہ آدمی اسی وقت سحر و جادو کہتا ہے جب کوئی چیز خارقِ عادت اور طاقتِ بشری سے خارج ہو۔ عتبہ فصیح و بلیغ ضرور تھا اور فصاحت کے متعلق اس کی رائے ایک ماہرِ فن ہونے کے لحاظ سے گونہ وقعت رکھتی تھی مگر وہ زباندانی، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عاجز آکر سحر کہنے پر مجبور ہوگیا۔ جس سے قرآن کی فصاحت قوتِ بشری سے خارج ثابت ہوگئی۔ اور رہا اس کا سحر کہنا سو وہ نہ تو خود ساحر تھا نہ اصولِ سحر سے واقف تھا۔ لہذا اس کا ادعائے سحر ساقط از اعتبار ہے۔

انه فكر و قدره فقتل كيف قدره ثم قتل كيف قدره ثم نظر ○ ثم عبس و بسر ○ ثم ادبر و استكبر ○ فقال ان هذا الا سحر يوثر ○ (المدثر)

دنیا کی کوئی کتاب دیکھو تو وہ اپنی اصل پر قائم نہیں رہی ۔ تورات و انجیل اس قدر محرّف ہیں کہ چار و ناچار اہلِ کتاب خود قائل ہوگئے کہ پوری بائبل کلامِ الٰہی نہیں ۔ ہاں بائبل میں کلامِ الٰہی بھی ہے ۔ اسی طرح دساتیر اور وید کا حال ہے کہ کوئی ان کو متواتر تو کجا بہ روایتِ آحاد بھی ثابت نہیں کرسکتا ۔ بخلاف اس کے قرآن شریف کی روایات ایسی متواتر اور مشہور ہیں کہ مخالفینِ اسلام تک پکار اٹھے کہ تیرہ سو برس تک کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں رہی ۔ اور اس وقت سے اب تک برابر دنیائے اسلام اس کی حفاظت کرتی چلی آرہی ہے ۔ ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن شریف موجود ہیں ۔ ہر عہد اور ہر زمانہ میں ہزاروں لاکھوں حفاظ ہوتے چلے آرہے ہیں ۔ قرآن شریف کی حفاظت کا ایسا بندوبست ہی قرآن شریف کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک بدیہی دلیل ہے اور حضرتؐ کا ایک مستقل معجزہ ہے ۔ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحفظون ○ یقیناً ہم نے یہ (کتاب) نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ۔

اب ہم آخر میں ابوسفیان اور ہرقل قیصر روم کی گفتگو پر توجہ کریں گے ۔ وہ حضرت کے مکارمِ اخلاق اور حسنِ سلوک سے حضرت کی نبوت پر استدلال کرتا ہے ۔

بخاری شریف میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اُن سے ابوسفیان بن حرب نے کہا جو اس واقعہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔ اور کفارِ قریش کے بڑے معزز سردار اور حاکمِ اعلیٰ تھے ۔ ان کو ہرقل بادشاہ روم نے قریش کے اور کئی سرداروں کے ساتھ بلا بھیجا ۔ اور یہ قریش کے لوگ اس وقت شام کے ملک میں سوداگری کے لئے گئے ہوئے تھے ۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں حضرتؐ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کرکے) ایک مدت دی تھی ۔ غرض یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے جب کہ وہ اور اس کے ساتھی ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھے ۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا ۔ اور اس کے گرد اگرد روم کے رئیس بیٹھے تھے ۔ اپنے مترجم کو بھی بلایا ۔ اور یوں کہنے لگا " اے عرب کے لوگو ! تم میں سے کون شخص اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا ہے ؟ ابوسفیان نے کہا " میں اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہوں " ۔ ہرقل نے کہا " اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس کے نزدیک اس کی پیٹھ کے قریب رکھو " ۔ پھر مترجم سے کہنے لگا " ان لوگوں سے کہو کہ اس سے (یعنی ابوسفیان سے) اُس شخص (یعنی حضرت صلی اللہ علیہ و سلم) کا کچھ حال پوچھتا ہوں ۔ اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کی تکذیب کردینا " ۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری تکذیب کردیں گے تو میں ان کے باب میں جھوٹ کہہ دیتا ۔ خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ " اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے ؟ میں نے کہا " اس کا خاندان تو ہم میں اعلیٰ ہے " کہنے لگا کہ " اچھا پھر یہ دعویٰ کہ میں پیغمبر ہوں اس سے پہلے تم لوگوں میں کسی نے کیا تھا ؟ میں نے کہا " نہیں " کہنے لگا " اس کی پیروی امیر کر رہے ہیں یا غریب ؟ " میں نے کہا " غریب " کہنے لگا " اس کے تابعدار روز بروز بڑھتے جارہے ہیں یا گھٹتے " ؟ " میں نے کہا کہ گھٹتے نہیں بلکہ بڑھتے ہی جارہے ہیں " ۔ پھر کہا پھر کوئی ان میں سے ایمان لاکر اس کے دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا بھی ہے ؟ میں نے کہا " نہیں " کہنے لگا اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے ؟

میں نے کہا۔ نہیں۔ کہنے لگا کہ۔ اچھا وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟" میں نے کہا۔ نہیں"۔ اب ہم سے اور اس سے صلح کی ایک مدت ٹھہری ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اس میں کیا کرتا ہے" ابوسفیان نے کہا مجھ کو کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہ ملا بجز اس بات کے۔ کہنے لگا۔ اچھا! تم اس سے کبھی لڑے بھی ہو؟ میں نے کہا۔ "ہاں" کہنے لگا تمہاری اس کی لڑائی کیسی ہوتی ہے؟ میں نے کہا۔ ہم میں اور اس میں لڑائی ڈولوں کی طرح ہے۔ کبھی وہ ہمارا نقصان کرتا ہے اور کبھی ہم اس کا" کہنے لگا۔ اچھا! وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے؟ میں نے کہا وہ یہ حکم کرتا ہے۔ بس اکیلے اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو شریک نہ بناؤ اور باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑدو۔ اور ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے۔ تب ہرقل نے مترجم سے کہا کہ اس شخص سے کہو کہ میں نے تم سے اس کا خاندان پوچھا تو تم نے کہا عالی خاندان ہے اور پیغمبر ہمیشہ قوم کے عالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا، یہ بات تم لوگوں میں اس سے پہلے کسی نے کہی تھی تو تم نے کہا نہیں۔ اس سے میرا مطلب یہ تھا کہ اگر اس سے پہلے کسی دوسرے نے کبھی یہ بات کہی ہوتی (یعنی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہوتا) تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص اگلی بات کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تاکہ میں یہ سمجھ لوں کہ وہ شخص (پیغمبری کا بہانہ کرکے) اپنے باپ کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے سنا تو تم نے کہا نہیں۔ تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ امیر آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے۔ اور پیغمبروں کے تابعدار اکثر غریب ہی ہوتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ تعداد میں وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔ تو تم نے کہا وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ایمان کا یہی حال رہتا ہے جب تک وہ پورا ہو۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے دین میں آکر پھر اس کو برا سمجھ کر کوئی پھر جاتا ہے۔ تو تم نے کہا "نہیں" اور ایمان کا یہی حال ہے جب اس کی بشاشت دل میں سما جاتی ہے تو پھر دل سے نہیں نکلتی۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ عہد شکنی کرتا ہے، تو تم نے کہا "نہیں"۔ پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ کبھی عہد نہیں توڑتے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے، تو تم نے کہا کہ وہ یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور بُت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے۔ اور نماز کا، سچائی کا اور حرامکاری سے بچے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر جو تم کہتے ہو سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہوجائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (یعنی ملک شام کا)۔ اور میں جانتا تھا کہ پیغمبر آنے والا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ اور اگر میں اس کے پاس ہوتا (مدینہ میں) تو اس کے پاؤں دھوتا، خدمت کرتا، پھر اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا۔ جو آپ نے دحیہ کلبی کو دے کر بصرہ کے حاکم کو بھیجا تھا اور اس نے وہ خط ہرقل کو بھیجا تھا۔ ہرقل نے اس کو پڑھا اس میں یہ لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللّٰہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین و یااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً

اربابا من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔ اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف۔ سلامتی ہے اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعد ازیں معلوم ہو کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آ محفوظ رہے گا (اور) اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر تکبر کرنے والوں کا گناہ لازم آئے گا اور اے اہلِ کتاب اُس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ مطلقاً کچھ شرک نہ کریں اور اللہ سے ہٹ کر آپس میں ایک دوسرے کو اپنے رب نہ مانیں (اے مومنو!) پھر اگر (یہ اہلِ کتاب) اس سے روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہو! ہم تو مسلمان ہیں (تابع فرمان ہیں)۔

ابوسفیان نے کہا - جب ہرقل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط بھی پڑھ لیا تو اس کے پاس بہت شور و غل مچا۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا جب ہم باہر نکال دیئے گئے۔ ابوکبشہ کے بیٹے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم) کا تو بڑا درجہ ہوگیا۔ اُس سے رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس روز سے مجھ کو برابر یقین ہوگیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ و سلم ضرور غالب ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو مسلمان کردیا۔

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ○ (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو بھیجا (کیسا؟) اہلِ دنیا کو دیکھنے والا (اچھے کام کرنے والوں کو) بشارت اور مژدہ دینے والا (اور بدکاروں کو) ان کے انجامِ بد کی اطلاع دینے والا۔

شاہد دیکھتا ہے۔ لہذا حضرتؐ ہمارے تفصیلی حالات دیکھتے ہیں۔ دیکھو سنی سنائی شہادت درست نہیں جب اصل شاہد حاضر ہو تو فرع کی شہادت صحیح نہیں۔ لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم۔ خود تم میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر وہ تمام چیزیں جو تم کو تکلیف دہ ہیں دشوار گزرتی ہیں۔ جب تک حضرتؐ ہمارے حال سے واقف نہ ہوں ہماری تکلیفات ان پر کیوں کر شاق گزریں گی۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ لایشاک احدکم بشوکہ الا واجد المھا یعنی تمہارے پاؤں میں کانٹا نہیں چبھتا مگر اس کا درد میں محسوس کرتا ہوں۔ بعض احادیث میں ہے انا من نور اللّٰہ و کل شیء من نوری۔ یعنی میں اللہ کے نور (وجود) سے ہوں اور ہر شئے میرے نور (وجود) سے ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ انما انا قاسم و اللّٰہ یعطی۔ اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ ہم کو جو کچھ ملتا ہے قاسم صلی اللہ علیہ و سلم کے ہاتھ سے ملتا ہے۔

ابنِ سنی کتاب "عمل الیوم و اللیۃ" میں دو روایتیں بیان کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر کے پیر میں چیونٹیاں بھر گئی تھیں۔ یعنی پیر سن ہوگئے تھے۔ ان سے کسی نے کہا آپ محبوب ترین شخص کو پکارو۔ انھوں نے "یا محمداہ" پکارا اور کھڑے ہوکر چلنے لگے۔

یہی حال عبداللہ ابن عمرو بن العاص کا ہوا۔ انھوں نے یا محمداہ کا نعرہ مارا اور ایسے ہوگئے جیسے پیر سے بندھی رسی کھل گئی ہو (کنزالعمال)۔

مسند عمر میں ایک بڑی حدیث ہے۔ اس میں ہے فقال عمیر السلام علیک یا رسول اللّٰہ السلام علیک یا ابابکر ماذا لقیت بعد کما۔ یا رسول اللہ آپ پر سلام یا ابابکر آپ پر سلام۔ میں نے آپ دونوں کے بعد کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں۔

حصن حصین میں حضرتؐ سے مروی ہے۔ آپ نے اس شخص کے متعلق جو راہ گم گشتہ ہو فرمایا کہ پکارے۔ اعینونی

یا عباد اللّٰہ اے بندگانِ خدا تم میری مدد کرو ۔ ہم کو اللہ کے حبیب احب الناس ہیں ہم پکارتے ہیں " یا محمداہ " ہم راہِ گم گشتہ ہیں ، ہم پکارتے ہیں " اعینونی یا عباد اللّٰہ " ، یا غوث یا خواجہ یا نقشبند یا بدوی یا شاذلی ہماری مدد کرو ۔

اللہ کی طرف نگاہ کرو تو وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تم کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ علام الغیوب کا لحاظ کرتے ، نسبت کرتے بہت قلیل ہے ۔ عطیہ الٰہی کی طرف دیکھو تو وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیما ۔ تم کو جو کچھ معلوم نہ تھا ان سب کا علم تم کو دیا اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے ۔

ایک انسان کو دوسرے پر علم ہی سے فضیلت اور برتری ہے ۔ ہمارے پاس حضرتؐ کو اللہ کا دیا ہوا علم سب سے زیادہ ہے یہ تو ظاہر ہے اللہ کا علم ، علمِ غیب نہیں ہے ۔ کوئی چیز اس سے غیب ہے ہی نہیں ۔ تو اس کا علم ، علمِ غیب کیونکر ہوگا ۔ یہ علمِ غیب ہماری طرف نسبت کرنے سے ہے ۔ ایک علمِ غیب ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے آمنت باللّٰہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر ۔ یعنی اللہ ، فرشتے اور آسمانی کتابیں اور پیغمبر اور روزِ قیامت کا علم جو علمِ غیب کی قسم سے ہے ہر شخص کو پورے یقین کے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ جس کو ایسا علمِ غیب نہیں وہ مسلمان کب ہے ۔ بعض چیزیں ایک شخص کو معلوم ہیں اور ایک شخص کو معلوم نہیں ۔ بلکہ اس سے غیب ہیں ، یہ غیبِ اضافی ہے ۔ بلکہ ایک چیز ایک شخص کو معلوم نہیں رہتی پھر احساس یا تجربہ کے بعد معلوم ہوجاتی ہے ۔ ایک شخص کو ایک بات معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کو معلوم نہیں ہوتی ۔ غیبِ اضافی کا بندوں کو ہونا ناقابلِ انکار ۔ مگر کسی مسلمان نے یہ دعویٰ کیا کہ میں تمام چیزوں کو جانتا ہوں ۔ اگر وہ کہے تو اس کا کل بعض ہی رہے گا ۔ حدیث میں آیا ہے ۔ اوتیت علم الاولین والاخرین ۔ مجھے اگلے پچھلے سب کا علم دیا گیا ہے ۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام سابقین و لاحقین کو جو جو علم دیا ہے اس سے حضرتؐ کو سرفراز کیا ۔ ہمارے پاس ایسا کہنا بھی شرک نہیں ہے ۔ کیونکہ نہ علمِ رسول علمِ الٰہی کے برابر ہے ، نہ معلومِ نبوت ، معلومِ الٰہی کے برابر ہے تو پھر شرک ہوگا کس طرح ۔ ذرائع علم بھی مختلف ہیں ۔ کسی کو کوئی بات روحانی قوت سے ، کشف سے ، ہپناٹیزم سے معلوم ہوجاتی ہے تو اس سے ہوتا کیا ہے ؟ تم کتنے اور تمہارے ساتھی کتنے ؟ تم کیا تمہاری قوت کیا اور تمہارے دوستوں کی قوت کیا ۔ مسلمان لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ کہتا ہے ۔ شر سے بچنا خیر حاصل کرنا بغیر فضلِ الٰہی کے ممکن نہیں ۔ یہ الا باللّٰہ کا لفظ جو مسلمان کی زبان پر چڑھا ہوا ہے وہ شرک و کفر کو پاس پھٹکنے نہیں دیتا ۔

بعض غیب کی ایسی باتیں بھی ہیں جو عامۃ الناس کو راست بلاواسطہ نہیں معلوم ہوتیں بلکہ پیغمبر کے توسط سے ان کے متبعین کو بھی کچھ معلوم ہوجاتا ہے ۔ جیسے کہ ابھی ہم نے کہا اللہ کا ، فرشتوں کا ، کتب کا ، پیغمبروں کا ، قیامت کا ، جنت اور دوزخ کا ہم کو علم ہوا ہے ، مگر کیسے ؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ۔ ان کے طفیل سے ۔ لوگ بلاوجہ شدت کرتے ہیں اور علمِ غیب کے جاننے کو کفر و شرک سمجھتے ہیں ۔ ان کے جلانے کو ہم بھی کہتے ہیں جس کو علمِ غیب نہیں وہ کافر ہے ۔ مشرک ہے ۔ کیونکہ وہ نہ خدا کو جانتا ہے نہ فرشتوں سے کچھ ربط ہے نہ جنت و دوزخ کا قائل ہے ۔ ایسا علمِ غیب نہ رکھنے سے آدمی اسلام سے کوسوں دور ہوجاتا ہے ۔ بعض ظالم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب سے موصوف سمجھنے کو شرک سمجھتے ہیں ۔ کوئی ان ظالموں سے پوچھے کہ شیطان تمہارے دل میں گھس کر تمہارے وساوس سے واقف ہوتا ہے کہ نہیں ؟ یہ بھی تو علمِ غیب ہے ۔ شیطان کا علمِ غیب رکھنا شرک نہیں ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب کا ہونا شرک ہے لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ ۔ ان لوگوں کو نہ قرآن سے

ربط ہے نہ حدیث سے ۔ ذرا غور کرو ! وعلمک مالم تکن تعلم۔ مالم تکن تعلم عام ہے ۔ سرکارِ نبوت ہمارے ہر کام سے واقف ہیں ،ہم برے کام کرتے ہیں تو حضرتؐ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے ۔ کیا یہ عزیز علیہ ماعنتم کے معنیٰ نہیں ہیں ۔ بعض لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوائے کسی کو نہیں ۔ قیامت کب ہوگی ۔ بارش کب ہوگی ۔ ماں کے پیٹ میں کیا ہے (بیٹا بیٹی یا کچھ اور) آدمی کل کیا کرے گا ۔ کس سرزمین پر مرے گا ۔

مگر اس آیت پر غور نہیں کرتے ۔ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبه احدا ○ الامن ارتضیٰ من رسول ۔
بے شک ان پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوائے کسی کو نہیں ۔ یعنی بالذات ۔ مگر اللہ کسی کو اس علم سے واقف کرانا چاہتا ہے تو اس کا ہاتھ روکنے والا کون ہے ۔ ہمیشہ علمِ بالذات اور علمِ بالعرض میں فرق کرنا چاہئے ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو ماشاء اللہ ! ان کے غلاموں کو بھی کچھ غیب کا علم ہوجاتا ہے ۔ اور اظہارِ مغیبات بزرگوں کی کرامت سے سمجھا جاتا ہے ۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو فقیروں کے نعلین اٹھانے والے جانتے ہیں ۔

ان ظالموں کے پاس خدا اتنا چھوٹا ہے کہ کسی کی ذرا سی تعریف کرو بس خدا کے برابر تعریف ہوگئی ۔ ہمارا خدا بہت بڑا ہے تم اس حیدرآباد میں کتنے ؟ لاکھوں آدمی ہیں ۔ خوبصورت بھی ہیں ۔ دولت مند بھی ہیں ۔ خوش حال ہیں ۔ تمہارا حیدرآباد ہندوستان کے مقابلہ میں کیا ہے ؟ اللہ اکبر ۔ ہندوستان روئے زمین کے مقابلہ میں کیا ہے ؟ اللہ اکبر ۔ تمہاری زمین آفتاب کے سامنے کیا چیز ہے ؟ اللہ اکبر ۔ تمہارا آفتاب کروڑہا کروڑ ارب ہا ارب تاروں کے مقابل جو ہر ایک تمہارے آفتاب سے بڑا ہے کیا چیز ہے ؟ کیا حقیقت رکھتا ہے ۔ اللہ اکبر ثم اللہ اکبر ۔ کسی کی کتنی ہی تعریف کی جائے تو خدائے تعالیٰ کی تعریف کے سامنے کیا چیز ہے لیس کمثله شیء ۔ اس کے جیسا کوئی نہیں ہے ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کسی کا تقویٰ ، کسی کا عملِ صالح بغیر خدا کی مدد کے ممکن نہیں اور یہ ہر ایک مسلمان کا قول ہے ۔ پھر تم مسلمانوں پر کیوں بدگمانی کرتے ہو کہ وہ کسی کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں ۔ یہ ساری خرابی تمہارے خدا کو چھوٹا سمجھنے کا نتیجہ ہے ۔ ہم نعرہ مارتے ہیں اللہ اکبر ۔ تم کو برا معلوم ہورہا ہے ہوا کرے ۔ ہمارا خدا بہت بڑا ہے ۔ تم نہیں مانتے نہ مانو ۔ بہت سے بےدین ایسے بھی ہیں جو سرے سے خدا کو مانتے ہی نہیں ۔ کیا ان کے نہ ماننے سے خدا کے وجود میں کچھ فرق آسکتا ہے استغفر اللہ ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔

۲ - انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا ○ اے پیغمبر! ہم نے تم کو بھیجا (کیسا ؟) اہلِ دنیا کو دیکھنے والا (اچھے کام کرنے والوں کو) بشارت اور مژدہ دینے والا اور (بدکاروں کو) ان کے انجامِ بد کی اطلاع دینے والا بناکر لتؤمنوا باللہ و رسوله و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا ○ لتؤمنوا تا کہ تم ایمان لاؤ ۔ تم کو یقین ہوجائے ۔ باللہ و رسوله ۔ اللہ اور اس کے رسول پر ۔

ایک یقین سنی سنائی باتوں کا ہوتا ہے اور ایک یقین آنکھوں سے دیکھنے کا ۔ اللہ ، رسول کا یقین تو ہے مگر سنی سنائی پر ۔ آنکھوں سے دیکھنے کا بھی تو یقین حاصل کرو ۔ جس کو ہم نے عین الیقین کہا ہے ۔ ان کے بارے میں حق الیقین کب ہوگا ؟ جب تم ان کی تصویر ہوجاؤ گے ۔ و تعزروہ و توقروہ اور ان کی مدد کرو اور تعظیم و توقیر کرو ۔
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے اور ان کو پکارنے کے طریقوں کی تعلیم دیتا ہے ۔ لا تجعلوا

دعآء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا (پ ۱۸) ۔

لوگو ، پیغمبر کو ایسا نہ پکارو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۔ ایک اور جگہ فرماتا ہے ۔ یایہا الذین آمنوا لاترفعوآ اصواتكم فوق صوت النبى (پ ۲۶ ۔ الحجرات ۴۹ ۔ آیت ۲) ۔

مسلمانو ! اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کرو ۔

اور فرماتا ہے ۔ ان الذين ينادونك من ورآء الحجرات اكثرهم لايعقلون ○ ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم والله غفور رحيم ○ (الحجرات ۴۹ ۔ پ ۲۶ ۔ آیت ۴ ۔ ۵) ۔

جب لوگ تم کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر جاہل ہیں ۔ غیر عاقل ہیں ، اگر یہ لوگ صبر کرتے ، انتظار کرتے ، یہاں تک کہ تم خود ان کی طرف نکل آتے ۔ تو یہ ان کے لئے بہتر تھا ۔ خیر ! اللہ غفور رحیم ہے ۔

" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں " اور میں پہلا شخص ہوں جو تمام پیغمبروں سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت قبول ہوگی قیامت کے دن اور (اس پر کوئی) فخر نہیں " ۔

" اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے حلقے کو حرکت دوں گا ، کھڑکھڑاؤں گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کے دروازے کھول دے گا ۔ اور مجھے اندر داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومنوں میں کے فقیر ہوں گے اور یہ بھی کچھ فخر نہیں ہے " ۔

" اور میں خدا کے پاس اگلے پچھلوں سے زیادہ بزرگ ہوں اور یہ بھی کوئی فخر نہیں ہے ۔ (ترمذی ، دارمی ، مشکوٰۃ ۵۱۳)

(معلوم ہے فقیر کون ہوتے ہیں ؟ جو کچھ نہیں رکھتے ، ان کا قول ہے : اللہ بس باقی ہوس ۔)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا " اللہ نے مجھے پورے مکارم اخلاق کے ساتھ ، محاسنِ افعال کے ساتھ پیدا کیا ۔ (یہ حدیث شرح السنۃ میں ہے) (مشکوٰۃ) ص ۵۱۳ ۔

وازع عامر سے روایت ہے ہم مدینہ پہنچے اور لوگ کہنے لگے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) ہیں ۔ پھر ہم نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑے اور بوسہ دینے لگے ۔ (بخاری ۔ ادب مفرد) ۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ اگر موسیٰ تمہارے سامنے آتے اور تم ان کی اتباع کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو تم گمراہ ہوتے سیدھے راستے سے ۔ موسیٰ اگر ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میرے ہی تابع ہوتے (عن جابر) ۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا " لوگو ! میرے لئے " وسیلہ " کے لئے دعا کرو ، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ " وسیلہ " کیا ہے ؟ فرمایا " جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے ۔ جس کو سوائے ایک آدمی کے دوسرا نہیں لے سکتا میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہوں گا " ۔

بعض صاحب لوگوں کے دل کے اوپر ایک ہی آنکھ ہے ، اس ایک آنکھ سے انما انا بشر مثلكم تو پڑھا جاتا ہے مگر يوحى الى نہیں پڑھا جاتا ۔ یہ لوگ دجال صفت ہیں ۔ ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور دوسری آنکھ تو ہے ہی نہیں ۔

بادشاہ کہے " میں تمہارا بھائی ہوں " تو یہ اس کی عنایت ہے ، یہ اس کا کرم ہے ، اگر تم بھی بادشاہ سے کہو " بھائی صاحب

ذرا میری بات سنو! تب کیا ہوگا؟ کوتوالی والے ہوں گے میرد ہے ○ ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہوگا اور آپ کی پشت زریں پر پڑتا ہوگا۔ آج کل حریت، مساوات، جمہوریت کا دور دورہ ہے مگر ذرا صدرِ کانگریس کی مجلس میں جمہوریت اور مساوات کے دعوے کے ساتھ گھس تو جاؤ کیا ہوگا؟ نمبر کا سپاہی آپ کو گردنی پلاؤ کھلاتا ہوا گیٹ کے باہر کردے گا۔

یہ بدنصیب کہتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے جیسے آدمی ہیں۔ اتنا ہی نا پیغمبر بھی ہیں تو ہم ان کی اتنی ہی تعظیم کریں گے جتنی کہ بڑے بھائی کی تعظیم ہو سکتی ہے۔ وہ بھی کھانا کھاتے تھے۔ پانی پیتے تھے۔ ہمارے جیسے آدمی تھے۔

سنو! ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے دو چیزوں میں مشترک چیز ہوتی ہے۔ ایک مابہ الامتیاز ہوتا ہے جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیا گدھے میں اور تم میں، جوہریت، جسمیت، نمو، احساس حیوٰۃ مشترک نہیں، مگر تمہارا امتیاز و تفوق تو حق و فہم سے ہے یا جیسے ابو جہل اور تم میں، انسانیت مشترک اور اسلام مابہ الامتیاز ہے۔ اسی طرح تمہارے اور رسولِ خدا کے درمیان مابہ الاشتراک انسانیت اور مابہ الامتیاز وحیِ الٰہی ہے معلوم ہے؟ اس مابہ الاشتراک کو کون بیان کرتے تھے۔ ابو جہل اور دوسرے کفار۔ ما ہٰذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق اس رسول میں کیا ہے؟ کھانا کھاتا ہے (یعنی ہماری طرح) اور بازاروں میں پھرتا ہے (یعنی ہمارے مثل)۔ اور مابہ الامتیاز پر کس کی توجہ و نظر تھی۔ صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، ذی النورینؓ، مظہر العجائبؓ کی۔ کیا انھوں نے انا بشر مثلکم کہا یا کنت عبدہ و خادمہ اور ویحک انا عبد من عبید محمد کہا یعنی، میں تمہاری طرح آدمی ہوں کہا، یا میں ان کا بندہ تھا خادم تھا، اور، تجھ پر افسوس ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں ان کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں" یہ بھی سنا ہے لست کھیئتکم ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا ہے پلاتا ہے۔

ان عذاب جاں موحدوں کو کون کہاں تک سمجھائے۔ روحانیت کا راستہ چلتے تو کچھ معلوم ہوتا۔ وتسبحوہ اس سے پہلے تعزروہ وتوقروہ کی ضمیر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ تسبحوہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیری جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے بےعیب ہونے کو بیان کرتے رہو۔ مگر اس میں انتشار ضمائر ہے۔ اگر انتشار ضمائر سے بچنا چاہتے ہو اور ضمیر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنے کا ارادہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ بدنفس، دشمنانِ خدا اور رسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک کے ساتھ جو گستاخیاں کرتے ہیں اس سے پاک اور بری ہونے کو ظاہر کرو۔ بکرۃ واصیلا صبح کو اور دن ڈھلے۔ ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی فرصت کے وقت کا پاؤ حصہ درود پڑھتا رہوں، حضرتؐ نے فرمایا، اچھا ہے اگر اور زیادہ کرے، اس نے کہا نصف وقت؟ حضرت نے فرمایا، اور زیادہ کرے تو اچھا ہے، اس نے عرض کیا تمام وقت درود پڑھتا رہوں۔ حضرت نے فرمایا، اب تو تیرے سب کام اچھے ہوجائیں گے، اور اللہ تیرے کام کے لئے کافی ہوگا"۔

اس بات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حالتیں ہیں وما ادری مایفعل بی ولابکم (الاحقاف ۲۶)۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ میرے ساتھ کیا کرتا ہے اور تمہارے ساتھ کیا۔ یہ خدائے تعالیٰ کی اس شان کی نسبت کرتے ہے کہ ھٰؤلاء للجنۃ ولا ابالی و ھٰؤلاء للنار ولا ابالی یہ جنت کا حصہ ہیں اور مجھے کیا پروا ہے، اور یہ دوزخ کا

○ "میرد ہے" کے معنے ہیں گاؤں کا حاکم۔

حصہ ہیں مجھے کیا پروا ہے ۔ یہ حدیث قدسی ہے ۔ اس ارشاد لا ابالی سے سب پریشان ہیں ۔

حضورؐ کی ایک اور شان ہے جو سراپا اطاعت ، فرمانبرداری کی ہے " تیرا جو حکم تیری جو مرضی " اس کا کیا نتیجہ ہے ؟ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم (پ ۲۶ ۔ الفتح) (جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کررہے ہیں وہ میرے ہی ہاتھ پر بیعت کررہے ہیں ۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) یہ شانِ عبدیت ہے ۔ ایک اور شان ہے یا ایک اور حال ہے ۔ لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے کہ وہاں مقرب فرشتے اور مرسل پیغمبر کی بھی گنجائش نہیں ۔ ذرا سمجھو ! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو نبی مرسل ہیں وہاں ان کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے ۔

ایک روایت میں ایسا بھی آیا ہے ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن ؟ حضرت ام المومنین نے عرض کیا بنت الصدیق دربار نبوت سے پھر پوچھا گیا " مَن صدیق " ؟ ام المومنین نے عرض کیا صدیق محمد پھر سوال کیا گیا " من محمد " یہ شان دیکھ کر ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ وہاں سے چلی گئیں ۔

آثار و تبرکات کی تعظیم امام بخاری حدیث حدیبیہ میں عروہ بن الزبیرؓ سے وہ عروہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا اللہ کی قسم ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ صحابہ آب وضو کے لئے دوڑتے ہیں اور حضرت تھوکتے نہیں یا ناک نہیں جھاڑتے مگر یہ کہ صحابہ اپنے چہروں اور اجساد پر مل لیتے ہیں ۔ ان کا ایک بال نہیں گرتا مگر یہ کہ صحابہ اس کو جھپٹ لیتے ہیں ۔ حضرت نے پچھنے لگوائے حجامت کروائی تو عبداللہ بن زبیر نے نکالا ہوا سارا خون پی لیا تو ان میں بڑا زور پیدا ہوگیا ۔ ایک صحابیہ نے حضرت کا پیشاب پی لیا تو ان کا سول کا درد موقوف ہوگیا " ۔ یہ عاشقانِ رسول کے کام ہیں ۔ اے فرشتوں کے اُستاد بھائیو ! مناقشہ فی الحساب تم سے ہوگا ۔ ہم محمدؐ کے دیوانے بفرمان المرء مع من احب ان کے دامن کے ساتھ ہوں گے ۔ انشاء اللہ کل بتادیں گے کہ توحیدِ استادِ فرشتگان نفع بخش ہوگی یا ہم دارفتگانِ محبت کے مجنونہ افعال ؟

بعض لوگ آثارِ شریف اور موئے مبارک کی تعظیم کو شرک سمجھتے ہیں یا ایک قسم کی عبادت غیر اللہ ۔ شرک ، محل الوہیت ماننے سے پیدا ہوتا ہے ۔ تبرک سمجھنا ، باعثِ برکت ماننا دوسری چیز ہے ۔ عبادت میں اور تعظیم ، تبرک اور برکت لینے میں فرق نہ کرنا ، استاذ الملائکہ کا کام ہے ، ان کی توحید ہے جو فی الحقیقت شرک فی الحکم شرک فی الارادہ ہے ۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی جس پتھر پر ابراہیم کھڑے ہوتے تھے تم وہاں اپنی نماز گاہ بناؤ ۔ ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک آل موسٰی و آل ھارون تحملہ الملئکۃ ان فی ذلک لایۃ لکم ان کنتم مؤمنین (البقرہ ۲۴۸) ۔

ان کی (یعنی طالوت کی) بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا ۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور سکون ہے ۔ اس میں موسٰی (علیہ السلام) و ہارون (علیہ السلام) کے آثار کا بقیہ ہے ۔ فرشتے اس کو اٹھالاتے ہیں ۔ ان میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو ۔

سامری نے اسپِ جبرئیل کی خاکِ زیرِ قدم کو سونے کے گوسالے کے منہ میں ڈال دیا تو وہ لگا آواز کرنے فقبضت قبضۃ من اثر الرسول یعنی میں نے جبرئیل کے اثر یعنی خاکِ زیرِ قدم کو مٹھی بھر لیا پھر (گوسالے کے منہ میں) ڈال دیا ۔

عبد اللہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں فراقِ یوسف علیہ السلام میں جاتی رہیں تو یوسفؑ نے حضرت ابراہیمؑ کا کرتا جو ان کے پاس تھا روانہ کیا کہ یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈال دیں اور وہ بینا ہوگئے۔ اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا۔ یعنی تم میرا یہ قمیص لے کر جاؤ اس کو میرے ابا کی آنکھوں پر ڈال دو وہ بینا ہوجائیں گے۔

اور سنو! من يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب جو علاماتِ خداوندی کی تعظیم کرے تو یہ دلی تقویٰ سے ہے۔ جبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شعر مبارک سے زیادہ کون سے شعائر ہوسکتے ہیں۔

یہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر میں عتبہ، شیبہ، ولید ابن مغیرہ اور ابو جہل مارے گئے۔ کفار قریش نے اس کے انتقام کے خیال سے بڑی بھاری فوج لے کر "احد" کے پاس مدینہ پر چڑھائی کی۔ وحشی نامی ایک شخص نے جو ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا حربہ یعنی چھوٹا نیزہ حضرت حمزہ کی کوکھ پر پھینکا اور آپ نے وہیں جامِ شہادت نوش کیا۔ ایک کافر اپنے گھوڑے کو خوب ملتا اور دانہ چارہ دیتا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھوڑے پر اتنا اہتمام کیوں کرتا ہے تو اس نے کہا اس پر سوار ہوکر تم سے لڑوں گا اور تم کو مار ڈالوں گا۔ یہی شخص احد کی لڑائی میں حضرتؐ سے لڑنے نکلتا ہے۔ جانثارانِ نبوت اس پر دوڑ پڑتے ہیں حضرتؐ فرماتے ہیں اسے مت روکو میری طرف آنے دو، جب وہ قریب آجاتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُنن بیت • کی انی مارتے ہیں اور وہ ڈھیر ہوکر رہ جاتا ہے۔ پھر گھمسان کی لڑائی ہونے لگتی ہے۔ کافروں کو شکست ہوتی ہے۔

احد کی لڑائی کے بعد جو بالکل بے نتیجہ تھی پہلی دفعہ تو مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ پھر جب مسلمان اس گھاٹی سے جہاں پچاس آدمیوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا تھا بڑھ کر مالِ غنیمت لوٹنے لگے اور دس آدمیوں کے سوا سب اس لوٹ میں شریک تھے۔ دشمن گھاٹی کو خالی پاکر وہاں سے لوٹے اور لوٹنے والے مسلمانوں پر آپڑے۔ کسی ظالم نے خبر اڑادی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ اس غلط خبر کو سن کر مسلمان پریشان ہوگئے۔ کسی خبیث نے حضرت کے روئے مبارک پر پتھر پھینکا جس سے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ حضرتؐ خون کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے کہ کہیں یہ سرزمین تباہ نہ ہوجائے۔ خون مبارک کو کپڑے میں جذب کرلیتے اور دربارِ الٰہی میں عرض کرتے کہ یہ نادان ہیں، جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے۔ حضرتؐ نے خندق کے ایک کھوہ میں پناہ لی۔ ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے۔ کافروں کے لشکر کا سردار ابوسفیان ابن حرب تھا۔ اس نے چیخا "این ابن ابی کبشۃ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت نے حکم دیا "خاموش"۔ پھر چیخا "این ابن ابی قحافہ" یعنی ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرتؐ نے حکم دیا "خاموش" پھر پکارا "این ابن الخطاب" یعنی کہاں ہیں ابن الخطاب۔ یعنی حضرت عمر۔ حضرت عمر تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ ابوسفیان نے نعرہ مارا "اعل هبل" اب ہبل کا بول بالا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر سے ضبط نہ ہوسکا اور انھوں نے بھی پکار کر آواز دی، او دشمن خدا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں اور ابوبکر بھی زندہ ہیں، اور میں بھی زندہ ہوں۔ گویا ابوسفیان پیش گوئی کر رہا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں مسلمان فتح و نصرت اور اطمینان اور اتفاق سے رہیں گے۔ بہرحال لڑائی بے نتیجہ رہی۔ کفار، مدینہ شریف کو فتح نہ کرسکے۔ اور نہ مسلمانوں نے کافروں کو کامل

• ایک وار کا نام ہے جس میں نیزہ یا تلوار کی نوک دگدگی میں دھنسا دی جاتی ہے۔

شکست دی ۔ پھر اس کے بعد کفارِ قریش نے اپنے یار و مددگار اور حلیفوں کو لے کر مدینہ پر چڑھائی کی ۔ مسلمانوں نے مدینہ کے سامنے اور کفار قریش کے سامنے ایک خندق کھودی جس کی وجہ سے کفار قریش عام حملہ نہ کرسکے ۔ ایک دن پانی خوب برسا ، ہوائیں تیز چلیں ، ڈیرے وغیرہ اکھڑ گئے ۔ زیادہ دیر تک یہ ظالم فوجیں ٹھہر نہ سکیں ۔ ناشاد و نامراد واپس ہونا پڑا۔ اس جنگ کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں ۔ یہودی ، مسلمانوں کے حلیف اور ہم آہنگ تھے ۔ ان کو چاہیے تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوکر کفارِ قریش سے لڑتے مگر اس کے بجائے انھوں نے کفارِ قریش کے ساتھ ہوکر مسلمانوں سے لڑنا چاہا۔ جب قریش بے نیل مرام مکہ کو واپس ہوگئے تو مسلمانوں نے ان بدعہد یہودیوں پر حملہ کیا اور یہیں سے مسلمان اور یہود میں جنگ کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ یہ ہم نے اس سے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ذیقعدہ ، ذی الحجہ ، محرم اور رجب میں قریش کسی سے لڑتے نہ تھے اور امن چین کے ساتھ تجارت کرتے ۔ گرما اور سرما میں تجارت کے قافلے نکلتے ۔ عربوں کے اس اصول کے موافق اشہر حرم یعنی مذکورہ چار مہینوں میں نہ لڑتے نہ کسی کو حج سے روکتے تو حضرت صلی اللہ علیہ و سلم بھی حج کے ارادہ سے مکہ کی طرف چلے ۔ بیچ میں کفار قریش نے راستہ روکا اور چند غنڈوں کو تیار کرکے روانہ کیا کہ مصالحت کی صورت بناکر حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے قریب پہنچیں اور شہید کرنے کی کوشش کریں ، مگر وہ سب پکڑ لیے گئے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے ۔

بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ جب کفارِ قریش اپنی ضد سے باز نہ آئے اور حضرت عثمان غنیؓ قریش سے گفتگو کرنے کے لئے روانہ کئے گئے تو کسی ظالم نے یہ خبر اڑادی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے ۔ بس کیا تھا مسلمان مارنے مرنے کے لئے تیار ہوگئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوکر آخری قطرہ خون بہانے کے لئے سب سے بیعت لی ۔ جس کا نام بیعتِ رضواں ہے ۔ حضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ نو سو آدمیوں نے اپنے ہتھیار لے کر مارنے مرنے اور پیچھے نہ ہٹنے کے لئے قسم کھائی ۔ یہ دیکھ کر کافروں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ۔ اور نرم پڑکر مصالحت کے لئے تیار ہوگئے ۔ مصالحت کے شرائط کیا تھے ۔ اس سال حج ملتوی کیا جائے ، اور آئندہ سال حج کیا جائے ۔ جو مسلمان کفارِ قریش کے پاس چلا جائے وہ واپس نہ کیا جائے گا اور جو مسلمان مکہ کا رہنے والا مدینہ شریف میں حضرتؐ کے پاس آجائے تو وہ واپس کردیا جائے ۔ ابوجندل نامی ایک نومسلمان کا جس کو اس کے باپ نے پابہ زنجیر کر رکھا تھا اس کو بھی اس کے ظالم باپ کے پاس واپس کرنا پڑا۔ یہ منظر بڑا سخت تھا۔ اسلامی حمیت سے بھرے ہوئے لوگ مارنے مرنے کو تیار تھے اور کسی طرح اس شرط کو قبول نہیں کرتے تھے ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے مسلمانوں کو سمجھاکر ابوجندل کو واپس کردیا۔ اس کے بعد معاہدہ نامہ تیار ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے والے تھے ۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ ھذا من محمد رسول اللّٰہ کفارِ قریش نے کہا ہم 'رحمٰن' کا لفظ سننے کے عادی نہیں ، اس طرح نہ لکھو ۔ کفارِ قریش نے دوسرا اعتراض یہ کیا ۔ ہم آپ کو رسول اللہ سمجھتے تو آپ سے لڑتے ہی کیوں ؟ لکھو من محمد بن عبداللّٰہ رسول اللہ کا لفظ مٹاکر ابن عبداللہ لکھنے کی ضرورت ہوئی ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اڑ گئے کہ میں من محمد رسول اللّٰہ کے لفظ کو مٹا نہیں سکتا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹاکر ابن عبداللہ کا لفظ لکھوادیا۔ یہ بڑے سخت اشتعال کا وقت تھا۔ جان نثارانِ محمدی آخری قطرہ خون بہانے کے لئے تیار تھے ۔ مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و سلم یہ چاہتے تھے کہ دکھادیں کہ مسلمان انتہائی صلح جو ہیں اور کفارِ قریش غایت درجہ کے ہٹ دھرم ۔ خیر ! صلح نامہ مرتب ہوگیا۔

اس میں یہ شرط بھی تھی کہ دس سال تک جنگ نہ ہو۔ اور ایک قبیلہ (بنو خزاعہ) حضرت کا حلیف ہوا۔ اور ایک دوسرا قبیلہ (بنو بکر) کفارِ قریش کا حلیف۔ مسلمان حضرت کے ساتھ مدینہ کو پہنچ گئے۔ اور ایک عجیب واقعہ نمایاں ہوا۔

ابو بصیر کی کارکردگی ابو بصیر ایک صاحب مکہ سے مدینہ کو بھاگ آئے۔ دو کافر ابو بصیر کو مدینہ سے لینے حضرت کے پاس آئے۔ حضرت نے ابو بصیر کو واپس کیا۔ جاتے جاتے ان دو کافروں میں سے ایک سے ابو بصیر نے پوچھا کہ تمہاری تلوار بہت اچھے فولاد کی معلوم ہوتی ہے۔ ذرا دیکھوں تو تمہاری تلوار اس جاہل نے تلوار دے دی۔ ابو بصیر نے ایک ایسا وار کیا کہ جسم کو سر کا وزن اٹھانے کی ضرورت نہ رہی۔ ابو بصیر خون چکاں تلوار لے کر پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ مقتول کے ساتھ کا کافر بھی پہنچا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ بڑا لڑاکو ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہوتا تو یہ ایک آگ لگا دیتا۔ ابو بصیر کو واپس ہونا پڑا۔ ابو بصیر نے دیکھا کہ مکہ میں بربناء معاہدہ امن کی کوئی صورت نہیں ہے تو ایک پہاڑ کے پاس جاکر بیٹھ گئے۔ اور قریش سے یکہ دکا جو ملتا اس کو فی النار والسقر کردیتے۔ اس کی اطلاع نو مسلمانوں کو ہوگئی اور وہ بجائے مدینہ میں حضرتؐ کے پاس آنے کے ابو بصیر کے پاس جاتے۔ ان کی جماعت روز بروز بڑھنے لگی۔ اور ابو بصیر کی گوریلا جنگ سے عاجز ہوکر قریش نے دربارِ نبوت سے درخواست کی کہ وہ شرط منسوخ کردی جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی صلح جوئی اور کفارِ قریش کی زیادتی، ظلم و ستم روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئے۔

واقعہ معراج سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الا قصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا انہ ھوالسمیع البصیر ○

پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو باحرمت مسجد سے یعنی مسجد کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس کی طرف لے گیا جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے۔ بے شک وہ سننے دیکھنے والا ہے۔

سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات لے گیا۔ خدائے تعالیٰ نے ابتداء ہی میں "پاک ہے" اس لئے فرمایا کہ ناواقف دیدار، معراج کو خدائے تعالیٰ کی تنزیہ و بے چونی کے خلاف نہ سمجھے۔ معراج شریف کے رات کے ہونے سے یہ فائدہ ہے کہ ایمان بالغیب ہی تصدیق کا معیار ہے۔ یہ بات یاد رکھو! کہ ھو الظاھر کا جلوہ دن سے اور ھوالباطن کا رات سے مناسبت رکھتا ہے۔ اسی لئے اشغال باطنہ رات کو زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ بعبدہ میں کی باء معیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی حضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی معیت پہلے ہی سے تھی یہ نہیں کہ معراج سے پہلے کچھ بُعد تھا اور معراج میں عرش ہی پر قرب ہوا۔ نہ گذشتہ معیت سے خدائے تعالیٰ کی تنزیہ پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ عرش کے قرب سے اس کی بے چونی میں کوئی تغیر لازم آتا ہے۔ عبد کا لفظ اس لئے بیان فرمایا کہ سب سے افضل صفت عبدیت ہی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تمام عالم کو اظہارِ عبودیت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ کیونکہ عبد ہی پر رب کے صفات نمایاں ہوتے ہیں۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ نیز رسالت میں خدا کے ساتھ اُمت کا بھی لحاظ ضرور ہوتا ہے۔ عبدیت میں صرف رب سے نسبت ہوتی ہے۔ نیز معراج شریف میں کوئی تبلیغی کام بھی متعلق نہ تھا۔ محبوبیت بھی ایک صفت خاص ہی میں نمایاں ہوتی ہے۔ عبدیت ہی ہے جو ہر رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ "عبد" اپنے کمالِ احتیاج الی الرب کی وجہ سے روح، مثال، جسم ناسوتی پر صادق آتا ہے۔ جو معراجِ جسمانی پر دال ہے۔ بعبدہ میں اپنی ذات پاک کی طرف نسبت کی ہے۔ جو حضرت کے عبداللہ ہونے پر دال ہے۔ نیز بعبدہ

میں اظہارِ علیت اسری ہے یعنی کمالِ عبدیت کی وجہ سے حضرت کو معراج جسمانی سے سرفرازی ہوئی اور آپ جسمِ ناسوتی تک جس طرح روح سے نزول فرماتے آئے اسی طرح پھر ناسوت سے عروج کرتے کرتے روح کو پہنچ گئے ۔ اور وہاں قوسِ اعلائے دائرہ وجود یعنی "الوہیت" اور قوسِ اسفل دائرہ وجود یعنی "عبودیت" دونوں ایک دوسرے سے مل گئے ۔ عبدیت سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ غلامانِ دربارِ نبوت اگر بندگی میں اپنے آقا کی اتباع کریں گے تو انھیں ان کے لائق معراج یعنی روحانی و کشفی ترقی اور اعبد اللّٰہ کانک تراہ (اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو) سے سرفراز و ممتاز ہوں گے ۔

من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حوله ۔ مسجد حرام یعنی مسجد کعبہ معظمہ سے مسجد بیت المقدس کی طرف لے گیا۔ جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے۔ حضرتؐ کو خدائے تعالیٰ نے پہلے کمالاتِ ابراہیمی کی تفصیلی سیر سے مشرف کیا اس لئے آپ مسجد کعبہ معظمہ میں تھے ۔ پھر کمالاتِ دیگر انبیاء اولوالعزم کی سیر سے ممتاز فرمایا۔ اس لئے بیت المقدس کی طرف لے گیا۔ جہاں ان حضرات کے قبورِ متبرکہ ہیں ۔ پھر کمالاتِ ذات محمدی کی سیر کرائی اور فوق عرش اعظم تک عروج ہوا۔ اس تقریر سے غالباً سرِ تبدیلِ قبلہ منکشف ہوگیا ہوگا کہ کعبہ مکہ معظمہ قبلہ بنا پھر بیت المقدس پھر کعبہ مکہ معظمہ مگر نوبتِ ثانیہ میں کعبہ ابراہیمی کعبہ محمدی ہوگیا تھا۔

لنریه من اٰیٰتنا تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہزار تجلیات دکھائے جائیں گے مگر ذاتِ قدسی سماتِ خداوندی حیطہ ادراکِ بشری سے پاک ہی رہتی ہے ۔ اس کی تنزیہ ذات پر کوئی داغ نہیں لگتا۔ وہ اس وقت بھی لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر تھا اور اب بھی ہے ۔ وہ الان کما کان ہے ۔

انه هو السمیع البصیر ۔ اگر ضمیر اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ چونکہ بندہ کی کیا مجال کہ آقا سے کسی امر میں دعوائے شرکت کرسکے ، موجود ہمیشہ موجود رہے گا اور معدوم ہمیشہ معدوم ۔ اس لئے نیستِ ہست نما میں جو کچھ ہے ہستی حقیقی کا ہے ۔ بندہ میں جو کچھ صفات ہیں وہ سب پروردگار کے ہیں ۔ لہذا بالحقیقۃ وہی سننے والا وہی دیکھنے والا ہے ۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ جب تک فنائیت نہ ہو دیدارِ حق سے کوئی مشرف نہیں ہوسکتا۔ خدا ہی اپنے آپ کو دیکھتا ہے نہ کہ کوئی اور ۔ اگر ضمیر حضرت کی طرف راجع ہو تو یہ معنیٰ ہوں گے ۔ چونکہ ہر شخص اپنی نسبت کو جو حق تعالیٰ سے ہے دیکھتا اور سنتا ہے اور اپنی حقیقت و عین سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا ، نیز تمام نسبتوں کا مرکز و منبع نسبتِ محمدی ہے ۔ اور تمام حقائق و اعیان کا مرجع حقیقت و عینِ محمدی ہی ہے ۔ لہذا حضرت ہی اپنی نسبت و حقیقت کو دیکھتے اور سنتے ہیں ۔

نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی یہ بیچ سے پردہ
تو اے نورِ خدا بے شک نقابِ روئے وحدت ہے
میں یہ عینک لگا کر جس کو چاہوں دیکھ لیتا ہوں
اگر یہ آنکھ پر عینک نہ ہو پھر نور ، ظلمت ہے

معراجِ نبوی کے متعلق ابو جہل کی حالت اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت یہ آیت بتلاتی ہے ۔ واللیل اذا یغشٰی والنهار اذا تجلی ۔ ابو جہل کو کبھی تصدیق نہ ہوئی اور ابوبکر صدیق کو کبھی شک و شبہ نہ ہوا ۔ معراج شریف کے بعد ابو جہل جناب صدیق اکبر کی خدمت میں گیا اور کہنے لگا کہ اب تو تمہارے پیغمبر بیت المقدس کو جانے اور عرشِ اعظم پر اپنے کو معراج ہونے کا دعویٰ

کرتے ہیں۔ کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کروگے۔ جناب صدیق اکبر نے فرمایا کہ مجھے تصدیق میں کیوں تردد ہونے لگا۔ جب کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ روزانہ جبرئیل امین خدمتِ حبیبِ خدا میں حاضر ہوتے اور وحی خداوندی پہنچاتے ہیں۔ اس ایک قلّ و دلّ جواب پر غور کرو تو معراج شریف کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ یہ لطیف جواب ہی تو تھا جس نے ابوبکر صدیق کو حبیبِ خدا سے صدیق اکبر کا خطاب دلوایا۔

کیا حضرتؐ کو معراج جسمانی ہوسکتا ہے؟ جبرئیل کا جو روح ہیں دحیہ کلبی کی شکل میں عالمِ ناسوت میں آنا کیا اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ حضرتؐ جو روح الارواح ہیں پھر عالمِ ارواح میں پہنچ جائیں؟ کیا پروردگارِ عالم کا دیدار عرش اعظم پر حضرت کو ہوا؟ جبرئیل جب ناسوتی شکل نہ رکھتے تھے اور اس عالم ناسوت میں تمام صحابہ کو نظر آگئے۔ اور ان کے روح ہونے میں کچھ فرق نہ آیا۔ تو کیا خدائے تعالیٰ کی تجلی عرش اعظم پر حضرت کے سامنے ہو تو اس کی بے رنگی میں کچھ فرق پیدا بھی کرسکتی ہے۔

حضرتؐ اس سرعت سے بیت المقدس اور عرش بریں کو کیونکر پہنچے؟ جبرئیل اس سرعت سے عالمِ ارواح سے عالم ناسوت کو کیونکر روزآنہ آیا کرتے تھے؟ خدائے تعالیٰ بےجہت ہے، دیکھنے کے لئے جہت کی ضرورت ہے اور وہ اس سے پاک ہے۔ جبرئیل بھی ناسوت کے اعتبار سے بےجہت تھے وہ اس عالم میں آئے تو جہت ان کو بھی لاحق ہوگئی۔ اگر حضرتؐ عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس کے اقتضاء کے موافق بےجہت ہوجائیں اور خدائے تعالیٰ کا بے جہت دیدار ہو تو کیا دشوار ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام جب تک عالمِ ناسوت میں تھے کھاتے پیتے جاگتے سوتے تھے۔ اُن کو دوسرے بشری عوارض لاحق ہوتے تھے۔ اب سمائے ثانیہ (دوسرے آسمان) میں ہیں تو یہ عوارض بھی ان سے زائل ہوگئے۔ ہر عالم کا ایک اقتضاء ہوتا ہے جس کے مطابق عوارض و لواحق متعلق ہوتے ہیں۔ جب وہ عالم ہی نہ رہا تو اس کے عوارض بھی نہ رہے۔ مادی حالت پر غیرمادی کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اب رہا معراجِ مناى کا ہونا وہ احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور حضرت کی عادتِ مبارکہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب دریافت فرماتے۔ کئی دفعہ خود آپ نے معراجِ منای پر دلالت کرنے والے خواب بیان فرمائے۔ اسی طرح کشفی و مثالی معراج بھی بکثرت ہوئے بلکہ سرکار کی حالت تو یہ تھی کہ وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ یعنی تمہاری ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے اعلیٰ و بالا ہے۔

جناب امام اعظمؒ نے سو دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جناب امام احمد حنبل نے بھی کئی دفعہ خدائے تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ غلامانِ محمد کو ایسے خواب اور ایسے کشف ہوتے ہی رہتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ان احادیث معراج منای کی وجہ سے ہی لوگ معراجِ جسمانی سے منکر ہوگئے۔ اگر معراج جسمانی و کشفی و منای تینوں کے قائل ہوجاتے تو کوئی چپقلش اور کشمکش ہی نہ رہتی۔

ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ - میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش میرے سفر شب سے سوال کرتے جاتے ہیں۔ انھوں نے بعض ایسی چیزوں سے بھی سوال کیا جس پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔ اس سے مجھے ایسی بے قراری ہوئی کہ کبھی ویسی بےقراری نہ ہوئی تھی۔ خدائے تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو بلند کردیا کہ میں اس کو دیکھتا تھا اور جواب دیتا جاتا تھا۔ بھلا کوئی سچ کہے کہ خواب کی کوئی ایسی تنقید کیوں کرتا۔

☆ - ان اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی ۝ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔
اللھم صل و سلم علی النبی الامی و الہ علی قدر حسنہ و جمالہ و فضلہ و کمالہ۔
لفظ معنیٰ کی طرف ، اسم مسمیٰ کی طرف ، مفہوم مصداق کی طرف رہنما ہوتا ہے ۔ لازم ملزوم کی طرف ، خواص ذات کی جانب موصول ہوتے ہیں ۔ نیک کے خیال سے نیکی ۔ بد کے خیال سے بدی معلوم ہوتی ہے ۔ بادشاہ کا خیال اپنی جبروت سے متاثر کرتا ہے محبوب کے خیال سے جذبہ محبت کی تحریک ہوتی ہے ۔ استاد کے خیال سے عزت و حرمت پیدا ہوتی ہے ۔ مرشد کے خیال سے دل میں عظمت و ہدایت پیدا ہوتی ہے جس میں تمام خوبیاں ہوں اس کے خیال سے کیا تمام احساسات و جذباتِ نیک متحرک نہ ہوں گے ؟ کون حق شناس شک کرتا ہے ؟ ذاتِ سای سمات ، ختم نبوت و رسالت ، مظہرِ اتم خلیفہ اعظم ہے انا حامل لواء الحمد ۔ آدم و من دونہ تحت لوائی (میں حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں ۔ آدم اور ان کے علاوہ سارے ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہیں) کس پر صادق آتا ہے ؟ کونوا مع الصادقین (صادقین کی معیت اختیار کرو) امر خداوندی ہے معیت جسمی بھی ہوتی ہے مثالی ، روحی بھی ۔ جس قدر معیت بڑھے گی ذاتِ مستجمع کمالات سے تاثر زیادہ ہوگا۔ معیتِ جسمی صحابہ کرام سے خاص تھی تو کیا خیالی ، مثالی ، روحانی معیت واجب الاہتمام نہیں ؟ وماکان اللّٰہ لیعذ بھم و انت فیھم (اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ اُن پر ایسے میں عذاب کرے جب کہ ان کے درمیان آپ موجود ہوں) خدائے عز و جل کا سچا وعدہ ہے ۔ جس کے دل میں ، دماغ میں ، آنکھوں میں خدا کا محبوب بس گیا ہو ، کیا خدائے تعالیٰ اس کو عذاب کرے گا ؟ نہیں ؛ ہرگز نہیں ۔ محبوب کی تصویر بھی محبوب ہوتی ہے ۔ اُس کا فریم بھی محبوب ہوتا ہے ۔

برساؤ تیر مجھ پر مگر یہ بھی جان لو
پہلو میں دل ہے ، دل میں تمہارا خیال ہے

خیال ترقی کرتا ہے ، متصل سے منفصل ، مقید سے مطلق ، تصور سے شہود تک پہنچ جاتا ہے ۔ جو طالبِ دیدار ہوتے ہیں ، وہ بےقرار رہتے ہیں ۔ درود کے مختلف صیغے پڑھتے ہیں ، دیدار کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں ۔ خیالِ محبوب میں محو و محق ہوجاتے ہیں ۔ خواب ہو یا بیداری ایک لَو ہے کہ لگی رہتی ہے ۔

آنکھوں میں نور بن کے آ دل میں سُرور بن کے آ
بن کے حیاتِ جاوداں تو میری جان میں بھی آ (حسرت صدیقی)
محبوب کے خیال میں سوتے ہیں محبوب کے خیال میں جاگتے ہیں
میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِّ علیٰ کہتے کہتے

آخر میں دیدارِ یار سرمہ دیدہ انتظار ہوتا ہے ۔ گفتارِ دلدار آویزِ گوشِ حق نیوش ۔ جن کے دل میں مرض ہے خیالِ حبیب کو بد سے بدتر سمجھتے ہیں ، یا وہ سرائی ، ہرزہ درائی کرتے ہیں ، مگر عاشق کب مانتا ہے ؟ نماز میں صراط الذین انعمت علیھم کہتا ہے اور محبوب کی صورت دیکھتا ہے ، التحیات پڑھتا ہے تو محبوب کو دیکھتا ہے اور دیکھ کر السلام علیک ایھا النبی کہتا ہے ۔ یہ تصورِ دیدارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک کوشش ہے ۔

جناب سبطِ مصطفیٰ، امام حسن مجتبیٰ، سیدتنا خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت ہند بن ابی ہالہ کے پاس جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ماموں! ماموں! حبیبِ خدا رسول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرو کہ اُس سے پیوستہ رہوں۔ اُس کے خیال میں سرگشتہ رہوں۔ ہند فرماتے ہیں:

حلیہ مبارک آپ کا قدِ مبارک نہ بالکل طویل تھا نہ قصیر بلکہ میانہ قد مائل بہ طول، رنگ گندمی سرخی لیا ہوا، غصہ یا خوشی میں بالکل سرخ جیسے کسی نے انار کے دانے رخسار میں توڑ دیئے ہیں۔ نہ زیادہ موٹے نہ زیادہ دبلے۔ گٹھیلا مضبوط بدن۔ سر کے بال گھنگر والے چھوڑ دیتے تو شانوں تک آجاتے، چڑھا دیتے تو کان کی لَو تک پہنچ جاتے۔ چہرہ کتابی رُو گولائی لیا ہوا۔ ایسا چمکتا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ پیشانی مبارک اونچی، چوڑی، ہلالی وضع کی بیچ میں ایک رگ سبز رنگ کی غصہ میں خون سے بھر جاتی اور صاف نمایاں ہوجاتی۔ باریک کمان دار لمبے ابرو۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ہلکے سے بال۔ نزدیک والا متصل ابرو سمجھتا اور دور والا منفصل ابرو۔ آنکھیں بڑی بڑی، سپیدی نہایت سپید، سیاہی نہایت سیاہ۔ آنکھوں میں گلابی ڈورے۔ کوئے کھلے ہوئے۔ پلکیں ڈاٹ لمبی لمبی۔ برنیاں سیاہ۔ جیسے کسی نے سرمہ لگایا ہو۔ ناک بلند ستوان، سامنے کی طرف جھکی ہوئی۔ رخسار نہ زیادہ دبے ہوئے نہ زیادہ ابھرے ہوئے۔ دہانہ کشادہ۔ دندان مبارک براق جدا جدا۔ ہنستے تو ایک نور نکلتا معلوم ہوتا۔ زبانِ مبارک سرخ، ریش مبارک گھنی سیاہ۔ ساٹھ سال کے قریب تقریباً بیس بال سپید ہوگئے تھے۔ گردن سپید جیسے چاندی کی صراحی۔ سینہ کشادہ، شکم ہموار، جسم قوی۔ جوڑ بند چوڑے۔ ہتھیلیاں نرم کشادہ۔ انگلیاں پر گوشت۔ ناف سے سینے تک بالوں کا ایک باریک خط۔ جسم پر بال بہت کم۔ کھڑاواں نرم تلوے۔ پنجہ چوڑا۔ ایڑی چھوٹی، چلتے تو قدم اٹھا کر تیز چلتے۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اوپر سے اترتے ہیں۔ مڑتے تو بالکل مڑتے۔ کن آنکھوں سے نہ دیکھتے۔ نظر زمین کی طرف جھکی ہوئی۔ کسی پر نظر جما کر نہ دیکھتے۔ دونوں شانوں کے درمیان خاتم نبوت، دل کے سخی زبان کے سچے، طبیعت کے نرم، صحبت کے بڑے کریم۔ ناگہاں آپ کو دیکھنے والا آپ کو دیکھ کر مرعوب ہوجاتا۔ ملتا جلتا تو والہ و شیدا ہوجاتا۔ سرکار کا حلیہ بیان کرنے والا بھی کہتا ہے کہ ایسی پیاری صورت نہ کبھی دیکھی اور نہ کبھی دیکھنے کی امید ہے۔ صلّ علیٰ محمد و آلہ۔

جگر گوشۂ رسول جناب امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت رسولِ مقبول کی برآمدی اور شکل کے متعلق سوال کیا۔ تو آپؓ نے فرمایا: جب سرکار اپنے کاشانہ کو مراجعت فرماتے تو اپنی تشریف آوری کی تین حصوں میں تقسیم کرتے۔ ایک حصہ اللہ کے لئے۔ ایک حصہ اہل کے لئے۔ ایک حصہ خود کے لئے۔ خاص اصحاب کے توسط سے عوام کو اس سے حصہ پہنچایا جاتا۔ لوگوں سے کوئی وقت اٹھا نہیں رکھتے۔ آپ کی سیرت امت کے ساتھ یہ تھی کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت سرفراز فرماتے تو اہلِ فضل کو ترجیح دیتے۔ دین میں جس کو جتنا زیادہ فضل ہوتا (اس کو دربار پُرانوار میں) زیادہ بار ملتا۔ بعض لوگوں کی دو حاجتیں ہوتیں بعض کو زیادہ۔ آپ ان کی (یعنی زیادہ حاجت والے کی) طرف توجہ فرماتے۔ اور ان کو ایسے امور کی طرف توجہ دلاتے جن سے ان کی اصلاح ہو۔ امت کو توجہ دلاتے کہ ضروری امور کی نسبت سوال کریں اور فرماتے جو حاضر ہے وہ غائب کو تبلیغ کرے اور خبر پہنچائے۔ جو مجھ تک اپنی حاجت پیش نہیں کرسکتا اس کی حاجت کی مجھے اطلاع کردے۔

کیونکہ حاکم کے پاس جس نے ایسے بےکس کا معروضہ پہنچادیا جس کو وہ پہنچا نہیں سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو ثابت قدم رکھے گا۔ آپ کے پاس اس کے سوا کسی قسم کا ذکر نہیں ہوتا، نہ آپ اس کے سوا قبول ہی فرماتے تھے۔ لوگ تلاشِ سیرابی میں آتے اور بے پئے نہ جاتے۔ لوگ سرکار کے دربار سے نکلتے تو پیشوا اور رہنما بن کر نکلتے۔ میں نے اُن سے (یعنی حسین علیہ السلام نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے) آپ کی (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) برآمدی کے متعلق سوال کیا کہ باہر جلوہ گری ہوتی تو کیا کیا کرتے؟ فرمایا (یعنی حضرت مولیٰ نے فرمایا) بےکار بات سے زبان کو روکتے۔ الفت پیدا کرتے، نفرت نہ دلاتے۔ ہرقوم کے شریف کی تکریم کرتے اور اس کو ان پر حاکم بناتے۔ لوگوں کو (خدا سے) ڈراتے۔ خود بھی لوگوں سے ہوشیار رہتے۔ مگر بشاشت و اخلاق سے پہلو تہی نہ فرماتے۔ اصحاب کی خبرگیری فرماتے۔ لوگوں کے عام احوال سے سوال فرماتے۔ اچھی بات کو اچھی فرماتے اور اس کو تقویت دیتے۔ بری بات کو بری بتاتے اور اس کی کمزوری ثابت فرماتے۔ ہر کام میں اعتدال، یہ نہیں کہ کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ بہت سے کام (عبادت) اس خیال سے نہ کرتے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ کرنا شروع کریں اور بار محسوس ہو تو چھوڑ دیں۔ ہر نیک عمل کے لئے تیار۔ نہ حقوق خلق میں کوتاہی کرتے نہ حد سے تجاوز کرتے۔ حضرت کے قریب وہی لوگ رہتے جو زیادہ نیک تھے۔ حضرتؐ کے پاس وہی شخص افضل سمجھا جاتا تھا جس کی خیر سگالی لوگوں سے عام ہو۔ اسی شخص کا حضرتؐ کے پاس بڑا مرتبہ تھا۔ جو غم خواری و ہمدردی کرتا۔ حضرت امام حسینؓ نے عرض کیا (یعنی اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے کہ آپ (یعنی حضورؐ) کی مجلس کا کیا حال تھا۔ آپ نے (یعنی علی مرتضیٰؓ نے) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ مجلس سے اٹھتے نہ مجلس میں بیٹھتے مگر یہ کہ سب خدا کی یاد کرتے۔ جب کسی قوم کے پاس پہنچتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم بھی دیتے۔ ہر ایک ہمنشیں کو اس کا حق دیتے۔ ہر ہمنشیں یہی سمجھتا کہ حضرت کے پاس اُس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ جو حضرت کے پاس رہتا یا کسی حاجت میں گفتگو کرتا تو آپ صبر کرتے یہاں تک کہ وہ خود چلا جاتا۔ آپؐ سے کوئی حاجت طلب کرتا تو اس کو پوری کردیتے یا اس کی فہمائش کردیتے۔ آپ کے اخلاق میں سب کی گنجائش تھی۔ آپ سب کے حق میں ایسے تھے جیسے بیٹوں کے حق میں باپ۔ آپ کے پاس سب برابر تھے۔ آپ کی مجلس علم وحیا، صبر و امانت کی مجلس تھی۔ کسی کی آبرو پر حملہ نہ کیا جاتا۔ کوئی خبر باہر نہ جاتی۔ تمام لوگ برابر تھے۔ صرف تقویٰ سے فضیلت سمجھی جاتی۔ باہم تواضع کرتے۔ بڑوں کی توقیر کی جاتی اور حاجت مندوں کو ترجیح دی جاتی۔ مسافر کی رعایت کرتے۔

جناب امام حسین علیہ السلام حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہنس مکھ، خوش اخلاق، نرم طبیعت تھے۔ نہ درشت نہ سخت۔ چیخ کر بات نہ کرتے۔ فحش سے زبان ناآشنا، کسی کو عیب نہ لگاتے۔ کبھی بخل کو اس دربار میں راہ نہ تھی۔ کسی کی بری بات نہ ڈھونڈتے۔ جس خبر کو جی نہ چاہتا اس سے انجان ہوتے مگر لوگوں کو نہ مایوس کرتے نہ روکھا جواب دیتے۔ تین چیزیں خود نہ کرتے۔ (۱) کسی کی مذمت نہ کرتے (۲) تکبر نہ کرتے (۳) بےکار باتوں میں مشغول نہ ہوتے اور اسی بات پر گفتگو فرماتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب سرکار کلام فرماتے، ہمنشین خاموش گردن جھکائے رہتے۔ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ خاموش ہوجاتے تو لوگ معروضہ کرتے۔

سرکارؐ کے حضور میں لوگ آپس میں گفتگو میں نہ جھگڑتے ۔ کوئی بولتا تو سب خاموش ہوجاتے ۔ پہلے کی بات ختم ہوتی تو دوسرا بولتا ۔ جس بات سے سب لوگ ہنستے آپ بھی ہنستے ۔ جس امر سے لوگ تعجب کرتے آپ بھی تعجب کرتے ۔ پردیسی آدمی سوال میں یا گفتگو میں درشتی کرتا تو آپ برداشت کرتے "۔

سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ " حضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے کسی کو نہ مارا مگر جہاد فی سبیل اللہ میں ۔ آپ نے نوکر کو مارا نہ عورت کو "۔

خادمِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ " میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی مگر آپ نے کبھی منہ سے اُف تک نہ کی ۔ جس چیز کو میں نے کیا کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ " تونے یہ کیوں کیا ؟ اور کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے ۔ میں نے فر کو یا ابریشم کو یا کسی شئے کو نہ چھوا جو حضرت کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو ۔ نہ مشک سونگھی نہ عطر نہ کوئی خوشبو جو (میرے آقا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار ہو "۔

★ بندے تو سب خدائے تعالیٰ کے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے ۔ ماننے والوں کی بھی کمی کیا ہے ۔ ہزاروں بار ہم بھی خدا کو پکارتے ہیں ۔ عمر بھر انشاء اللہ پکاریں گے ۔ مگر وہ بھی کہے کہ ہاں تو میرا بندہ ہے ۔ قرآن شریف میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نقل کیا گیا ہے ۔ انی عبد اللّٰہ اتنی الکتاب میں اللہ کا بندہ ہوں ۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے ۔ خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ۔ عبدا من عبادنا ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ۔ یعنی ایسے بندے ہمارے اور بھی ہیں ۔ اسی طرح دوسرے انبیا علیہم السلام کو ۔ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے لما قام عبداللّٰہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا ۔ سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا ۔ پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو شب کو لے گیا ۔

حضرت محمد عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم کے حالات معجز آیات پر ذرا غور کرو تو ایک عجیب تماشا نظر آئے گا ۔ عجز و انکسار ، بندگی بے چارگی بدرجہ اتم ۔ معجزات و خرقِ عادات ، کرشمہ ہائے قدرتِ الٰہی ، آثارِ کمالات لاتناہی برتبہ اکمل ۔ کبھی جمال نمایاں ہے کبھی جلال کیونکہ ان کا اجتماع ہی کمال ہے ۔

شکم مادر ہی میں ہیں کہ والد ماجد کا انتقال ہوجاتا ہے ۔ چار سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا ، چھ سال کی عمر میں جد امجد کا ۔ سر پر کوئی بڑا نہیں کہ تعلیم و تربیت کرے ۔ اللہ اکبر ۔ خدا سب سے بڑا ہے اور رب العالمین ہی آپ کا مربی ہے ۔ الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضآلا فھدی کیا تجھے یتیم نہ پایا پھر پناہ دی اور تجھے ناواقف پایا پھر راستہ دکھایا ۔ رسالت سے سرفرازی ہوتی ہے ۔ تمام اقارب ، عقارب بنے ہوئے ہیں ۔ تمام شہر خون کا پیاسا ہوگیا ہے ۔ گھر میں چھپے بیٹھے ہیں ۔ نہ پاس دوست ہیں نہ آشنا ۔ تمام قبائل کے صنادید بالاجتماع حملہ کرنے کا منصوبہ گانٹھکر گھر کا محاصرہ کئے بیٹھے ہیں کہ بنی ہاشم کچھ نہ کرسکیں ۔ مگر لطیفہ ربانی سے ناواقف کہ کیا کیا ہوسکتا ہے ۔ حضرتؐ باہر نکلتے ہیں اور مشتِ خاک ان دل کے اندھوں پر پھینکتے ہیں ۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینھم فھم لا یبصرون ۔

• ہم نے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار کھڑی کردی ۔ پھر ہم ان پر چھاگئے ۔ لہذا وہ دیکھ بھی نہیں سکتے ۔ انھیں خبر بھی نہیں ہوتی اور آپ ان کے سامنے سے چلے جاتے ہیں ۔

منکرین کے مظالم کی کچھ انتہا بھی ہے ، برا بھلا کہتے ہیں ، پتھر مارتے ہیں ، راستے میں گڑھے کھودتے ہیں ، کلنٹے ڈالتے ہیں ۔ پروانہ ہائے شمع نبوت کو قسم قسم کی ایذائیں پہنچاتے ہیں ، دھوپ میں ریت پر پڑے ہیں ، سینے پر پتھر ہے ، کوڑے پر کوڑے پڑتے ہیں اور صدائے اَحد اَحد بلند ہے ۔ آخر آپ اصحاب کو ترکِ وطن کا حکم دیتے ہیں ۔ کوئی حبشہ کو جاتا ہے کوئی مدینہ کو ۔ انتہاء یہ کہ حضرت کو وطن چھوڑنا پڑتا ہے ۔ گھربار سب سے منہ موڑنا پڑتا ہے ۔ صدیق اکبرؓ آپ کو دوش پر اٹھائے نشانِ قدم مٹاتے جاتے ہیں ۔ آخر ایک غار میں چھپتے ہیں ۔ کفار نابکار چار طرف منڈلا رہے ہیں ۔ ثانی اثنین یعنی صدیق اکبرؓ اپنے آقائے باوقار کے لئے مضطر و پریشان ہیں ۔ آپ تسلی دے رہے ہیں ۔ لاتحزن ان اللّٰہ معنا • تم غم نہ کرو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے • یہی معیت ایک دوسرا تماشا دکھاتی ہے ۔ مکہ کو آرہے ہیں ۔ بارہ ہزار فوجِ ظفر موج ہمرکاب ہے ۔ ہر قبیلے کا علم جدا ہے ، نعرہ جدا ۔ مقدمہ الجیش پر سیف اللہ خالد بن الولید سرکردگی کررہے ہیں ۔ دو ہزار جنگ جو آتشیں خونبرد کوش ، فولاد پوش خاص موکب ہمایوں میں ۔ زرہیں تاباں ، خود درخشاں ، اسلحہ کا شور ، نعروں کا زور ہر ایک سپاہی اسلحہ میں چھپا ہوا ہے ۔ خود کے نیچے سے صرف دو آنکھیں نظر آتی ہیں ۔ فاروق اعظم ہیں کہ نقابت کررہے ہیں ۔ رعد کی طرح گرج رہے ہیں ۔ صفیں درست رکھو ، آگے والے آگے پیچھے والے پیچھے ۔ ناقہ قصویٰ پر فخرِ عرب ، محبوب رب جلوہ گر ہے ۔ سیاہ عمامے کے نیچے تاباں درخشاں چہرہ ، دلکش آواز میں انا فتحنا فرطِ مسرت سے کبھی سجدہ کبھی شکریہ ، کبھی دعا ۔

بجلی چمک چمک کر گرتی ہے چار جانب ÷ ہے ایک طورِ سینا گویا تری گلی میں

سردارِ قریش ابوسفیان بن حرب کو ان کی جاں بخشی کرواکر عم رسول عباسؓ بن عبدالمطلب ایک پہاڑی پر لئے کھڑے ہیں ۔

ظلت لهيبتك الاعناق خاشعة

تیری ہیبت سے تمام گردنیں جھکی ہوئی ہیں

بحد سيفك حد الشرك ينثلم

تیری تلوار کی باڑھ سے کفر کی باڑھ شکستہ ہے

ابوسفیان بن حرب نے کسریٰ قیصر کے دربار دیکھے ۔ ان کی فوجیں دیکھیں مگر اس وقت وہ بھی پیکرِ تصویر بنے کھڑے ہیں اور دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں ۔ الٰہی یہ کیا تماشا ہے ۔ یہ منظر اور اس منظر کی روحِ رواں روحی و روح العالمین لہ الفداء (میری جان اور تمام دنیا کی جانیں اس پر تصدق) ایمان بن کر ابوسفیان کے دل میں گھستے ہیں ثم استقر ایمانہ (پھر اس کا ایمان قرارگیر ہوگیا) سب کچھ درست مگر اس منظر کا سب سے بڑا لطف اٹھانے والا ہی ثانی اثنین ہے جو مکہ سے نکلتے ہوئے بھی اس بےسایہ کے ساتھ سایہ کی طرح قدموں سے لپٹا ہوا تھا ۔ اور اس وقت بھی ایک اونٹ پر محو تماشا بنا ہوا ہمراہِ رکاب ہے ۔ گزشتہ حزن ، موجودہ مسرت کا صحیح اندازہ ان کے سوا بھلا کون کرسکتا ہے ۔

آئینہ کسے گا کیا ۔ کیسا تجھ میں ہے رعنائی
پوچھ اس سے تری قیمت تیرا جو ہے شیدائی (حسرت صدیقی)
اے پرتوِ حسنِ تو ہنگامہ کند برپا
در پردہ نمی گنجد ایں جلوہ رعنائی (حسرت صدیقی)

کفار کے گذشتہ مظالم کا بدلہ تو دیکھو ۔ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو امن میں ۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ۔ جو مسجدِ کعبہ میں داخل ہو وہ امن میں ۔ جو گھر کا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ۔ کلیدِ کعبہ سابق کلید بردار کے حوالے ۔ انتہا یہ کہ مکہ اہلِ مکہ کے لئے اور خود مدینہ روانہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین ۔

سراپا نور کی صورت مجسم خلق کا پتلا
کسی کی ایسی صورت ہے کسی کی ایسی سیرت ہے

دو دو مہینے چولھے پر ہانڈی نہیں چڑھتی ۔ اسودین یعنی کھجور اور پانی پر آلِ محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی گزر ہوتی ہے ۔ اصحاب نثار ہورہے ہیں ۔ شہادت کی گرم بازاری ہے ۔ قرابتدار شہید ہورہے ہیں ۔ اولاد کا انتقال ہورہا ہے ۔ دندانِ مبارک شہید ہوگیا ہے ۔ خود سر میں گھس گیا ہے ۔ خون بہہ رہا ہے ۔ زمین پر گرنے نہیں دیتے کہیں یہ سرزمین تباہ نہ ہوجائے ۔ گڑھے میں آگئے ہیں ۔ خون بہت نکل گیا ہے ۔ باہر نکلنا چاہتے ہیں نکل نہیں سکتے ۔ طلحٰہ بن عبید اللہ کے سہارے سے اوپر چڑھتے ہیں ۔ خود بھی بھوکے ہیں اصحاب بھی بھوکے ۔ پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں ۔ کدال لئے خندق کھود رہے ہیں ۔ کدال پتھر پر پڑتا ہے ۔ آگ کا شرارہ نکلتا ہے ۔ جوشِ شادمانی سے پکار اٹھتے ہیں ملکِ کسریٰ مل گیا ۔ ملکِ قیصر پر قبضہ ہوگیا ۔

دل میں لہر آتی ہے تو چند روٹیوں کے ٹکڑوں سے سینکڑوں کو سیر کردیتے ہیں ● ۱ ۔ پانی بلبلے دیتا ! ابلتا جاتا ہے اور تمام فوج سیراب ہوجاتی ہے ● ۲ ۔ مٹھی بھر ریت لے کر دشمنوں کی طرف پھینکتے ہیں اور دشمنوں کی فوج تتر بتر ۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر ۔ (قریب میں فوج شکست کھائے گی اور پشت پھیر دے گی) ۔

حضرتؐ فرماتے ہیں لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ۔ اگر میں غیب کو جانتا تو خیر کثیر حاصل کرلیتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول غیب پر کسی کو غلبہ نہیں دیتا مگر برگزیدہ رسول کو ۔ انا اعطینک الکوثر بے شک ہم نے تم کو بہت کچھ دیا ۔ خیر کثیر دیا ۔

آپ فرماتے ہیں ما ادری ما یفعل بی ولا بکم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا ۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا امید ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود دے ۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ۔ عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے ۔ خوش ہوجاؤ گے ۔ وللاخرۃ خیرلک من الاولیٰ ۔ ضرور تمہاری پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر ہے ۔ ورفعنالک ذکرک ۔ ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کردیا ۔ تمہارا بول بالا کردیا ۔

● ۱ بخاری عن جابر و عن ابی ہریرہ
● ۲ مالک بن انس

ترکِ تابیر کے لئے فرماتے ہیں ۔ ترک اسباب میں لوگوں کا امتحان ہوتا ہے ۔ ایک سال خرما کم آتے ہیں ۔ لوگ شکایت کرتے ہیں ۔ قلت خرما کو ترک تابیر کا نتیجہ سمجھتے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ۔ انتم اعلم بامور دنیاکم تم دنیوی امور کے متعلق زیادہ جانتے ہو یعنی سبب مسبب کے جھگڑے تم ہی خوب جانتے ہو ۔

ایک صحابیہ ہانڈی میں بکری کا گوشت پکاتی ہیں ۔ حضرت فرماتے ہیں بکری کا دست دے وہ دیتی ہیں اور مانگتے ہیں ۔ دوسرا دست دیتی ہیں ۔ اور مانگتے ہیں وہ عرض کرتی ہیں بکری کے دو دست ہوتے ہیں وہ تو میں دے چکی ۔ آپ فرماتے ہیں اگر تو یہ نہ کہتی اور دیتی چلی جاتی تو دست نکلتے چلے جاتے ۔ اصل یہ کہ ان امور میں انک لن تستطیع معی صبرا ہے ۔ یعنی تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے ۔ آپ فرماتے ہیں انا بشر مثلکم ۔ میں تم جیسا بشر ہوں ۔ مگر کوئی دیکھے کہ یہ بشر بھی کیسا بشر ہے ۔ ظلمت اور نور میں برابر دیکھتے ہیں ۰ ۱ ۔ آگے پیچھے سے برابر دیکھتے ہیں ۰ ۲ ۔ سوتے ہیں مگر دل بیدار ہے ۔ وضو کی حاجت نہیں ان عینی تنام ولاینام قلبی ۰ ۳ ۔ میری آنکھ سوتی ہے اور دل نہیں سوتا ۔ ایک صحابیہ حضرت کا پیشاب پی لیتی ہیں تو ہمیشہ کے لئے دردِ شکم موقوف ۔ زمین ہے کہ فضلہ کھا جاتی ہے ۔ اور وہاں سے خوشبو آتی ہے ۔ آپ کا پسینہ دلہنوں کو عطر کی طرح لگایا جاتا ہے ۔ جس گلی سے نکل جاتے ہیں معطر ہوجاتی ہے اور صحابہ پتہ لگا لیتے ہیں کہ حضرتؐ اس طرف سے گزرے ہیں ۔ روزے پر روزے رکھتے ہیں ۔ لوگ تقلید کرنا چاہتے ہیں اور ہو نہیں سکتی ۔ آخر فرماتے ہیں لست کھیئا تکم ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی میں تمہاری طرح نہیں ہوں ، میں اپنے رب کے پاس رہتا ہوں ۔ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۰ ۴ ۔

ابوقتادہ کی آنکھ نکل جاتی ہے ۔ آپ لگاتے ہیں وہ پہلے سے زیادہ بہتر ہوجاتی ہے ۔ تنہ درخت خرما پر تکیہ لگاتے ہیں تو اس میں جان آجاتی ہے ، جدا ہوتے ہیں روتا ہے ۔ چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہیں ۔ وہ دو ٹکڑے ہوجاتا ہے ۔ اقتربت الساعۃ و انشق القمر (قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا) ۔ نیراعظم (آفتاب) کو جس کی بہت سے نادان پرستش کرتے ہیں ، حکم دیتے ہیں اور وہ کھڑا ہوجاتا ہے ۔ ایک لڑکی کی قبر پر جاکر آواز دیتے ہیں "یا فلانہ" وہ جواب دیتی ہیں لبیک یا رسول اللّٰہ ۔ حاضر یا رسول اللہ ۔ نماز میں ایک شیطان آتا ہے ۔ آپ پکڑ لیتے ہیں کہ ستون سے باندھ دیں ، پھر سلیمان علیہ السلام کا خیال آتا ہے ، اور چھوڑ دیتے ہیں ۔ اس تواضع کا اثر دیکھو آپ کے خادم خالد ابن ولید عزیٰ پرستوں کی سرکوبی کو جاتے ہیں ۔ جھاڑ میں سے سیہ فام چڑیل نکلتی ہے اور سیف اللہ کی ایک ہی ضربِ شمشیر سے دو پر کالے ہوجاتی ہے ۔ حضرت فرماتے ہیں وہ عزیٰ تھی ۔ بتوں کے سامنے جاتے ہیں ، عصا سے اشارہ کرکے فرماتے ہیں جآء الحق و زھق الباطل حق آیا اور باطل زائل ہوا ۔ اور وہ منہ کے بل گرجاتے ہیں ۔ الحق ، آپ کی بشر سے مثلیت اس سے زیادہ نہیں جتنی جبرئیلؑ کو اعرابی سے ۔ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیھم مایلبسون اگر ہم پیغمبر کسی فرشتے کو بناتے تو آدمی ہی بناتے اور وہی التباس ان پر ڈالتے جس التباس میں اب وہ ہیں ۔ کبھی کلمینی یا حمیراء اے روشن جبیں اے سرخ رو (حضرت عائشہ سے خطاب) مجھ سے باتیں کرو ۔ کبھی من عائشۃ ،

۰ ۱ بیہقی عن عائشہ و ابن عباس ۰ ۲ صحیحین عن انس و عائشہ ۰ ۳ شیخان ۰ ۴ شیخان عن ابن عمرو ، ابی ہریرہؓ و انس و عائشہؓ ۔

من صدیق ، من محمد یعنی عائشہ کون ؟ صدیق کون ؟ محمد کون ؟ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل - میرا خدا کے ساتھ ایسا وقت بھی رہتا ہے کہ اس میں نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔

است نوازی تو دیکھو ! اپنے خادموں ، کفش برداروں کو اپنا بھائی فرماتے ہیں ۔ لا تنسنی من دعائک یا اخی (حدیث) مگر آپ کے جو حقیقی چچازاد بھائی ہیں یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہ کیا کہتے ہیں ، منبر پر حضرت علی وعظ فرما رہے ہیں ایک یہودی آتا ہے چند سوالات کرتا ہے ۔ باب مدینۃ العلم معارف کا دریا بہادیتے ہیں ۔ آخر وہ کہتا ہے انت نبی من الانبیآء کیا آپ انبیاء میں سے ایک نبی ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں ویحک انا عبد من عبید محمد ۔ تجھ پر افسوس ہے ۔ میں محمد کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں ۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ہیں اور پہلے ہی خطبہ میں برسر منبر کیا فرمارہے ہیں ایھا الناس انی قد علمت انکم تو نسون منی شدۃ و غلظۃ و ذلک انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فکنت عبدہ و خادمہ ۱ ۔ لوگو ! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم مجھ سے شدت اور سختی دیکھتے ہو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ۔ پھر میں آپ کا غلام اور خادم تھا۔

اونٹ آتا ہے ۔ حضرت کو سجدہ کرتا ہے ۲ ۔ بکری آتی ہے سجدہ کرتی ہے ۔ صدیق اکبر اور دیگر صحابہ بھی اجازت چاہتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں لا یصلح لبشر ان یسجد لبشر ۳ ۔ آدمی کو مناسب نہیں کہ وہ آدمی کو سجدہ کرے ۔

خدا کی بندگی اور اس کے سامنے عاجزی کوئی خدا کے حبیب سے سیکھے ۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لئے رسول اللہؐ میں بہترین نمونہ ہے ۔

آپؐ دعا کرتے ہیں ۔

اللھم انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سری و علانیتی لا یخفی علیک شیء من امری و انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبی اسالک مسئلۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل و ادعوک دعاء الخائف الضریر و دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عبرتہ و ذل لک جسمہ و رغم لک انفہ ۴ ۔

اے اللہ تو میرا کلام سنتا ہے اور میرا مقام دیکھتا ہے ۔ میرا باطن و ظاہر جانتا ہے ۔ تجھ سے پوشیدہ نہیں میری کوئی بات ، میں آفت زدہ ہوں ۔ فقیر فریادی ، پناہ خواہ ، گھبرایا ہوا ، خوف زدہ ، اپنے گناہوں کا مقر ، اور معترف ، میں تجھ سے ایسا سوال کرتا ہوں جیسے مسکین کرتا ہے ۔ اور تجھ سے ایسی التجا کرتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل کرتا ہے اور تجھے ایسا پکارتا ہوں جیسے خوف زدہ نابینا پکارتا ہے ۔ یا وہ پکارتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے ۔ جس کے آنسو تیرے سامنے بہتے ہیں ۔ جس کا جسم تیرے سامنے ذلیل ہے ۔ جس کی ناک تیرے سامنے خاک آلودہ ہے "۔

۱ مستدرک الحاکم ۔ ۲ بزار ۔ ۳ احمد بزار عن انس ۴ حزب الاعظم القادری ۔

اس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ کتنی بندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب ان کے مقابل مالک کی سرفرازی بھی دیکھو کہ وہ آپ کے متعلق کیا کیا کلمات فرماتا ہے۔

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔

میرا بندہ ہمیشہ میری قربت ڈھونڈتا ہے۔ نوافل سے۔ حتیٰ کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں ہوں پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمٰی۔

تونے نہیں پھینکا جب کہ پھینکا مگر اللہ نے پھینکا۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم۔

جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اور اپنے کتنے اسماء عظام سے آپ کو یاد فرماتا ہے۔

بالمؤمنین رؤف رحیم ایمان والوں پر الفت و رحمت کرنے والے۔ قدجآءکم من اللّٰہ نور کتاب مبین۔ تمہارے پاس اللہ سے نور اور ایسی کتاب آئی جو خوب بیان کرنے والی ہے۔ اور فقد کذبوا بالحق لما جآءھم۔ انھوں نے حق کی تکذیب کی جب ان کے پاس حق آیا۔ وانہ لقول رسول کریم۔ بےشک یہ قول ہے رسول کریم کا۔ اور فاسئل بہ خبیرا یہ بات خبیر سے پوچھ۔

مالک کی طرف سے کیا کیا سرفرازیاں ہورہی ہیں اور یہ عظیم الشان قوی البرہان عبداللہ ہے کہ اس کے نقطہ نظر سے اس کی عبدیت اس کا امکانِ ذاتی، اس کی عدمیتِ اصل کبھی نہیں نکلتی۔

اللھم انی عبدک و ابن عبدک و ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاءک۔

اے اللہ بےشک میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندہ کا بیٹا ہوں، تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ جاری ہے مجھ پر تیرا حکم، عدل ہے مجھ میں تیری قضا۔

کتنی وقاحت ہے ان جہالت مآبوں میں، ضلالت انتسابوں کی جو اس تصویر قدرت کے تاریک پہلو ہی پر جو حقیقۃً ایک قسم کا نور ہی ہے۔ ان کی نظر پڑتی ہے اور آپؐ کو اپنا بڑا بھائی کہنے کی جرأت کرتے ہیں مگر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپؐ کا غلام

عبداللہ

ہوتا تو بلال ہوتا اور فلکِ صحابیت پر بلال ہوکر چمکتا۔ نعلین پا ہوتا تو عرش بریں پر ساتھ ہوتا۔ برا ہوں اور بے شک برا ہوں یا رسول اللہ مگر ہوں آپ کا کہ الطالحون لی برے میرے ہیں۔

اس مجلی الذات مظہر الاسماء والصفات روح الارواح الساری فی الاشباح لا یشاک احدکم بشوکۃ الا و اجد المھا ٥۔ ذات کا تجلی گاہ، اسماء وصفات کا مظہر روحوں کی روح، جو تمام اجساد میں سرایت کی ہوئی ہے۔ تم میں سے کسی کے کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا الم میں پاتا ہوں۔ "حقائقِ لاہوت کا مجمع"۔ "دقائقِ ناسوت کا منبع" کے اوصاف جلیلہ و مراتبِ نبیلہ کو کوئی کہاں تک بیان کرے۔

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر ÷ وانہ خیر خلق اللّٰہ کلھم

علم کی رسائی آپ تک اتنی ہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور تمام خلق اللہ سے بہتر ہیں۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

٥ الفیوضات الربانیہ ادعیہ محبوب سبحانی سیدی عبدالقادر جیلانیؒ۔

اقتباساتِ وعظ بہ ماہ ربیع الآخر

ماہ ربیع الاول کی طرح حضرت ہر سال مسجد کالی کہان میں ۷/ ربیع الآخر سے ۱۱/ ربیع الآخر تک وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ کے چند اقتباسات بغرض استفادہ پیش ہیں۔

★ کون نہیں جانتا کہ غلام کا کچھ نہیں کیونکہ وہ خود اپنا نہیں بلکہ آقا کا ہے۔ جو غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کی طرح آزاد سمجھتا ہے وہ باغی ہے، جو اپنی کمائی کو اپنا مال سمجھتا ہے وہ غاصب ہے۔ نمک حرام ہے۔ جو آقا کی خدمت سے جی چراتا ہے۔ ناشکرا ہے وہ جو مالک کی عطا پر راضی نہیں ہوتا یا اس کو بے محل صرف کرتا ہے۔ عاقل بندہ آقا کی اطاعت کرتا ہے۔ شب و روز کمرِ بندگی چست رکھتا ہے۔ کپڑے کی فکر نہ کھانے کا خیال نہ راحت سے غرض نہ آرام سے مطلب، کفش برداری پر ناز، نیاز ہی اس کا مابہ الامتیاز۔ اس کی فکر ہے تو آقا کو، اس کے متعلقین کی فکر ہے تو آقا کو۔ دیکھو! جوان بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں مگر غلام اور اس کی جورو بچوں کا نفقہ آقا پر لازم ہے۔ واہ ری غلامی کہ غلام کی عزت آقا کی عزت ہوجاتی ہے۔ ضرب العبد اهانة المولىٰ۔ بلکہ غلام کی ذات اس کے آقا کی ذات مولى القوم منهم اصبحت کردیا وامسيت عربيا۔ جو غلام آقا کے سوائے کسی اور سے مانگتا ہے وہ بدمعاش ہے۔ کیوں؟ وہ اس طرح اپنے آقا کو بدنام کرتا ہے۔ بعض غلام اپنے آقا سے ہی مانگتے ہیں مگر جلد بازانہ۔ بعض التجا کرتے، خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ جہاں آقا کو خوش دیکھا اپنی کوئی آرزو پوری کرالی۔ بعض اپنے مقاصد کی تکمیل آقا پر چھوڑتے ہیں۔ بعض کی نہ ذاتی غرض رہتی ہے نہ وہ کوئی سوال ہی کرتے ہیں۔ بعض ذاتی غرض تو نہیں رکھتے مگر سوال کو بندگی کا کمال سمجھتے ہیں۔ بعض وقت کا اقتضاء، مالک کا مقصد دیکھتا رہتا ہے۔ محنت کو برداشت، تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ درد سے لذت اٹھاتا ہے۔ جب سمجھتا ہے کہ اس وقت سوال سے مالک کا کمال ظاہر ہوگا تو بندہ غرض سے زیادہ گڑگڑاتا ہے اور آقا سے مانگتا ہے۔ خود مانگتا ہے اور دوسروں کو مانگنا سکھاتا ہے۔ مالک بھی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا ذاتی مقصد میں ہوں۔ اس کی اصل غرض ہے تو میرے کمال کا اظہار ہے۔ ایسے غلام کو عہدہ ملتا ہے، جاگیر ملتی ہے۔ اور وہ صوبہ داری سے سرفراز ہوتا ہے۔ سب کچھ رکھتا ہے مگر اپنا کچھ نہیں سمجھتا۔ کیوں؟ وہ غلام ہے اور غلام کا جو کچھ ہے سب آقا کا ہے۔ زیادہ عنایت ہوتی ہے تو ندیموں میں جگہ ملتی ہے۔ آقا کے پاس بیٹھتا ہے ایک دسترخوان پر کھاتا ہے۔ ایک جام سے پیتا ہے۔ غلامی محبوبیت میں نمایاں ہوتی ہے۔ محمود کو اپنا تماشا دیکھنا منظور ہوتا ہے تو وہ ایاز کو اپنے کپڑے پہناتا ہے۔ تخت پر بٹھاتا ہے۔ سب سے نذریں دلواتا ہے۔ ایاز بھی اکڑکر بیٹھتا ہے، بڑی ہی بے پرواہی سے نذریں لیتا ہے۔ کیوں؟ وہ اس وقت آقا کی تمثیل کررہا ہے۔ مگر دل میں خوب سمجھتا ہے کہ نہ کپڑے میرے ہیں نہ تخت میرا اور میں وہی غلام ہوں۔ اور سب کچھ میرے آقا کا ہے۔ تماشا ختم ہوجاتا ہے۔ پھر وہی اگلے کپڑے۔ وہی پہلی جگہ۔ نہ اس تمثیل سے اس کی کوئی ذاتی غرض متعلق تھی، نہ اس سابقہ حالت پر عود کرنے سے اس کے دل پر کچھ گرانی ہی ہے۔ اس میں آقا کی خوشی تھی اور یہ اس کی اصلی حالت ہے۔ جو اس کے نقطہ نظر سے کبھی نہیں ہٹی۔ ایازِ قدرِ خود بشناس۔ آقا کو ضرورت ہوتی ہے تو اس کو دوسرے شہر کو روانہ کرتا ہے۔ رعایا کو اس کے ذریعہ نہایت ضروری اور اہم احکام بھیجتا ہے۔ غلام خوشی سے دربار چھوڑتا ہے، اپنی

خوشی پر بادشاہ کی خوشی کو ترجیح دیتا ہے۔ یعنی حضور پر غیبیت کمال ہے جو حکم بادشاہ خود اپنے منہ سے سنتا تھا غلام کے منہ سے سنا رہا ہے۔ حقیقت میں یہ بھی ایک تمثیل ہے جو یہ غلام ادا کر رہا ہے۔

شہاب الدین غوری کو سلطان قنوج جس کا باپ خراج دیتا تھا کشتی میں لگا کر تلوار بھیجتا ہے کہ اب تمہارے ہمارے بیچ میں تلوار ہے۔ شاہ جلالت پناہ تخت سے اٹھتا ہے کرسے تلوار نکالتا ہے اور اس سے ان فرستادہ تلواروں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر کر دیتا ہے۔ غلاموں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ غلام گردنیں جھکائے آگے بڑھتے ہیں۔ بادشاہ وار کرتا ہے۔ سر کٹ کر گرجاتا ہے اور غلام حق جانثاری سے سبکدوش ہوتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا سر بکف کھڑا ہے۔ اس واقعہ سے بادشاہ کا کمال شمشیرزنی اور غلاموں کا کمال جاں بازی نمایاں ہوتا ہے۔ اور ان کا خوشی سے مرنا ان کو صفحۂ تاریخ پر حیاتِ دائمی بخشتا ہے۔

یہ تو دنیا کے غلاموں کا ذکر تھا۔ جن کو ان کے آقاؤں نے نہ نیست سے ہست کیا، نہ جان ان کی ملک ہے۔ وہ تو غلاموں کے باطنی حالات سے ناواقف ہیں اور ان کو غلاموں کے دلی خیالات پر قابو نہیں۔ آقا چاہے تو اپنے غلاموں کو آزاد کر سکتا ہے، کچھ نہ ہوا تو ایک دن مر کر ضرور غلام آزاد ہو جائے گا۔ مگر خدا اور بندے کی نسبت ایسی نہیں۔ یہ رشتہ ایسا مضبوط ہے کہ نہ کسی کے توڑے ٹوٹ سکتا ہے نہ کسی کے کاٹے کٹ سکتا ہے۔ اکو نہ مانو مگر ہم ہیں غلام۔ مرنا بھی غلامی میں کوئی فرق نہیں پیدا کر سکتا۔ جان بھی ہے تو خدا کی ہے۔ ونفخت فیہ من روحی۔

حسرت مرے پاس کیا دھرا ہے ؎ اک جان سو وہ بھی ہے پرائی (حسرت صدیقی)

شریک الباری ہوتا تو بندہ آزاد ہوتا۔ بنزش حسرتِ بےچارہ ہے کہ بےچارہ۔ نادان اشیاء کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اپنا للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔

للہ الارض والسمٰوات ؎ میری ہر چیز ہے پرائی (حسرت صدیقی)

بندہ جھوٹا ہے اور خدا سچا ومن اصدق من اللہ حدیثا۔

ذی فہم اپنے افعال پر غور کرتا ہے تو ان کی قدرت بھی اپنے میں نہیں پاتا۔ خلقکم وما تعملون تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔

صفات پر نظر کرتا ہے تو اپنے لئے اس کا پتہ نہیں پاتا۔ نہ سماعت ہے نہ بصارت انہ ھو السمیع البصیر۔

نہ ارادہ ہے نہ مشیت وما تشآءون الا ان یشآء اللہ رب العالمین۔

مقصد مرا وہی ہے جو مطلب ہے یار کا

میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں (حسرت صدیقی)

تمام خوبیاں اسی کی ہیں اور تمام محامد اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ والحمد للہ رب العٰلمین۔

خود کو سمجھتا ہے کہ میں ہوں تو حیات ذاتی ہے کہ نفس وجود کیا ایک معنیٰ نہیں ہے اور کیا وحدت انتزاعی وحدت منشاء پر دال نہیں۔ پھر تو کسی سے دعویٰ اشتراک و انبازی کرتا ہے۔

زعمِ باطل کی بادہ مستی کب تک ÷ ناداں یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود ÷ ظالم یہ شرک و خودپرستی کب تک (حسرت صدیقی)

کبھی خیال کرتا ہے کہ میں نہیں ہوں تو عقل قہقہہ لگاتی ہے کہ یہ بداہت کا انکار ہے اور حس کی مخالفت ہے اور دنیا سے ابن نلاپیسہ۔

پھر خیال کرتا ہے کہ میں نہیں ہوں اور اپنے کو ناحق ہوں خیال کرتا ہے۔

بےبود ہے نمود عدم ہے مرا وجود
میں چشمِ اعتبار میں محض اعتبار ہوں

اگر دنیا میرا بے ہودہ خیال ہے تو میرے نہیں خیال کرنے سے نیست ہوجاتی۔ نہیں! وہ تو الان کما کان ہے۔ نہ میرے خیال کرنے سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہے نہ نہیں خیال کرنے سے معدوم۔

نہ ٹالائے سے ٹلے گی ہے بلائے آسمانی
مرا اعتبار حسرت مرا اعتبار ہوتا

کیا نیستی میں ہستی کا جلوہ ہے؟ نیستی بھی کوئی شئے ہے کہ اس میں ہستی کا جلوہ ہو، کیا ہستی ہی نیستی ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ تو اجتماعِ نقیضین ہے۔ کیا ہستی نیستی بن گئی ہے یا نیستی ہستی؟ یہ انقلابِ حقائق ہے۔ جب میں نہ ہستی میں ہوں اور نہ نیستی میں تو احکامِ واقعیہ مجھ پر کیسے؟ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ وجودی احکام وجود پر لگتے ہیں اور عدمی عدم پر۔

نیستی میں ہوں نہ ہستی میں ہوں
بےنشانی ہے نشانی میری

ہم نے تو لاکھ ڈھونڈا کچھ بھی پتہ نہ پایا
مجنوں کدھر چھپا ہے لیلیٰ تری گلی میں
دیکھا تو کچھ نہ پایا سوچا تو بس یہ سمجھا
اک نام رہ گیا ہے میرا تری گلی میں (حسرت صدیقی)

میں آسمان پر نہ سہی، زمین پر نہ سہی، میں اپنے آپ کو نہیں جانتا تو کیا پرواہ، میں خدا کے علم میں ہوں کیونکہ خدا مجھے جانتا ہے کہ میں کیا ہوں، کیونکر ہوں۔

ہے پیشِ نظر خیال تیرا
ہرچند ہوں پیکرِ خیالی (حسرت صدیقی)

رجوع الی اللہ، بندوں کو مختلف طور پر ہوتا ہے۔ کوئی ہر شئے کو اپنے حصولِ کمال میں خدائے تعالیٰ کا محتاج پاتا ہے اور اس کی ربوبیت کی شان جلوہ گر ہوتی ہے۔ کوئی مخلوقات کو سراپا احتیاج سمجھتا ہے اور قیومیت اس کے روبرو متجلی ہوتی ہے۔ کسی کی ہر

ایک کے مرنے اور فنا ہونے پر نظر پڑتی ہے اور اسم القہار یا الممیت نمایاں ہوتا ہے۔ کوئی دنیا کی ہر شئے کو نیست سے ہست ہوتا ہوا دیکھتا ہے اور اسم البدیع کی اس پر تجلی ہوتی ہے۔ غرض کہ کسی پر دو کسی پر چار کسی پر دس کسی پر بیس صفات کا انکشاف ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے صفات کا علم ہوتا ہے تو اپنے صفات کو کالعدم پاتا ہے۔ بلکہ اپنے صفات کے اثبات کو شرک فی الصفات اور دور از توحید سمجھتا ہے۔ جس امر میں جس قدر کسی کو اپنے فقر کا علم ہوگا اسی قدر خدائے تعالیٰ کی غنا کا انکشاف ہوگا اور یہ علم اس کو خدائے تعالیٰ سے ایک نسبت و ربط پیدا کردے گا۔ شخصی فطرت ، ذاتی تجربہ و مشاہدہ صحبتِ اہلِ نسبت دوامی اور قوتِ توجہ سے اس نسبت کو قوت ہوتی ہے۔

جس اسم سے کسی کو نسبت ہوگی اس اسم کی تجلی اس پر ہوگی اور اس سے دوسروں پر اس کا اثر و ظہور پائے گا۔ اور وہ شخص اس اسم کا بندہ کہلائے گا۔ مثلاً کسی شخص کی نظر خدائے تعالیٰ کے نشان ہائے رحمت پر پڑتی ہے اور رات دن اسی خیال میں مستغرق رہتا ہے تو یقیناً اس شخص پر خدائے تعالیٰ کا رحم بھی ہوگا۔ اور وہ بھی خدائے تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرے گا۔ ایسا شخص عبدالرحمٰن ، عبدالرحیم سے موسوم ہوگا۔ یا کسی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت سے نسبت و ربط ہوگا۔ تو وہ عبدالقادر یا عبدالمقتدر ہوگا۔

مگر کامل بندہ تو وہی ہوگا جس کو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ مستجمع جمیع کمالات سے وابستگی ہوگی اور یہی شخص عبداللہ کہلانے کا مستحق ہوگا۔ وہ اپنی عدمیتِ محض پر رہے گا۔ نہ کسی شئے کو اپنی ملک جانے گا نہ کسی قوت سے خود کو موصوف سمجھے گا۔ وہ خود کو بالکل عاجز پائے گا۔ اور خدائے تعالیٰ اس سے عظیم الشان آثارِ قدرت و خوارقِ عادات نمایاں فرمائے گا۔ بالجملہ عبداللہ وہ ہے جو اپنا کچھ نہ سمجھے اور خدائے تعالیٰ ساری دنیا کو اس کا کردے۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا کچھ بھی نہیں بندہ کا
حسرت ترا بندہ ہے وہ تجھ کو بھلا کیا دے

والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

★ الا ان اولیآء اللّٰہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون ○
خوبصورت کے لئے ضرور ہے کہ رنگ گورا نمکین ہو۔ آنکھیں بڑی بڑی رسیلی ، پلکیں لمبی ، ناک ستواں اونچی ، ہونٹ پتلے ، دہانہ چھوٹا۔ دانت برابر براق ، جسم بھرا ہوا ، اعضاء میں تناسب ، جوڑ بند درست ، غرض کہ جب تک سب چیزیں موزوں مناسب نہ ہوں کوئی خوبصورت نہیں ہوسکتا۔ مگر اس پر بھی بعض چیزیں امتیازِ خاص رکھتی ہیں۔ بعض کی غزالی چشم سامری سے گوسالہ پرستی چھڑا کر غزال پرستی پر لگادیتی ہے۔ بعض کا رنگ ایسا صاف و شفاف ہوتا ہے کہ نظر اولین کا دم واپیں تک اثر رہتا ہے۔ بعض کے ہر عضو سے سنجیدگی ، متانت نمایاں ، ہر حرکت و سکون سے وقار و بردباری ظاہر۔ بعض کی ہر چیز میں دل ربائی۔ ہر حرکت میں خوش ادائی ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال۔ اسی طرح اولیاء اللہ ، محبوبانِ خدا کی حالت ہے۔ ان میں تمام صفاتِ حمیدہ اور تمام عاداتِ پسندیدہ رہتے ہیں۔ مگر اس پر بھی بعض کو بعض صفت سے نسبتِ خاصہ رہتی ہے۔ جس قوم میں وہ ولی نیابتِ رسولؐ کر رہا ہے۔ اس کا اقتضاء یہی ہے کہ اس کے مقتدے میں وہ صفت امتیازِ خاص رکھے۔

چشتیہ ہندوستان کے حالات پر غور کرو کہ اہلِ ہند کیسے جلد متاثر ہونے والے ، محبت کی ایک بات ان کو فریفتہ کرلے

کے لئے کافی ۔ خاوند کے پیچھے ستی ہوجانا اہلِ ہند کی محبت کی بین دلیل ہے ۔ اب بھی بیوہ کا تمام عمر خاوند کی جدائی کے صدمہ سے گھل گھل کر جان دینا کیا کوئی آسان کام ہے ؟

کہہ دو یہ کوہ کن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے (جلیلؔ)

اسس قوم کی اصلاح کے لئے خدائے تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب کو جس میں محبت متشکل ہوگئی تھی یعنی خواجہ اعظم معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کو روانہ کیا۔ آپ اجمیر کے تالاب پر اترتے ہیں ، مرید کو حکم دیتے ہیں کہ وضو کے لئے پانی لاؤ ۔ ہنود کا پہرہ بیٹھا ہوا ہے ۔ مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں ۔ پانی لینے نہیں دیتے ۔ حکم ہوتا ہے کہ تمام پانی مشکیزہ میں بھرلے ۔ اب تالاب میں پانی کہاں ؟ کنویں خالی پڑے ہیں ۔ ماؤں کے سینہ میں دودھ نہیں ۔ منکرین پیاس سے عاجز ہوتے ہیں اور التجائے معافی کرتے ہیں ۔ اسس دریائے رحمتِ الٰہی میں جوش آتا ہے اور تمام پانی واپس ۔ اہلِ ہند کو محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے بزور شمشیر غلام بنایا تھا ۔ خواجہ اعظمؒ محبت کی طاقت سے بندہ بے دام بنالیتے ہیں ۔ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کا ہونا محمود و شہاب الدین کا اثر نہیں خواجہ اعظمؒ اور ان کے خلفاء کی کرامت ہے ۔ کوئی عرس مبارک جاکر دیکھے ! ہندو ، مسلمان ، پارسی ، عیسائی ، عورت مرد ، بچے بوڑھے اقطاعِ ہند سے امنڈے چلے آرہے ہیں ۔ درگاہ شریف میں عورت مرد بازو سے بازو لگائے گھس رہے ہیں مگر کیا مقدور کہ کوئی خطرہ دل میں آجائے ۔ ایک گردن جھکائے ہوئے بیٹھا ہے ، دل ہی دل میں راز و نیاز ہورہے ہیں ۔ کوئی آئینہ حیرت بنا ہوا ہے محوِ محق ، طلس طمس سب کچھ ہوگیا ہے ۔ نہ اس کو اپنی خبر ہے نہ کسی اور کی ۔ مولوی محمد حسین صاحب فاروقی ٭ شعر سنتے ہیں اور غایتِ مسرت سے آستانہ محبت پر جاں نثار کردیتے ہیں ۔ ایک نے درخت سے خود کو باندھ رکھا ہے ۔ اور صدا پر صدا دیتا ہے ۔ گھوڑا بھی لونگا اور جوڑا بھی لونگا ۔ ایک زمین پر ڈنڈا مارتا ہے کہ سو روپئے دلواتا ہے کہ مارے ڈنڈوں کے تیری قبر توڑ دوں ۔ شوریدہ محبت قبر مبارک سے لپٹتا ہے ۔ خادم اس کے اوپر چادر قبر شریف ڈالتا ہے ۔ ماں کی گود میں سر رکھ دینے یا محبوب سے معانقہ کرنے میں جو لطف آتا ہے اس لطف کے سامنے قطرہ دریا کی نسبت بھی نہیں رکھتا ۔ مسلمان کا مقصد بھی اسی دربار سے نکلتا ہے اور کافر کی مراد بھی اسی دروازے سے ملتی ہے ۔

کیا حسن و عشق کا ہے چرچا تری گلی میں
مجنوں تری گلی میں لیلیٰ تری گلی میں
صرفِ نیاز دونوں کافر ہوں یا مسلماں
مذہب ہے ایک سب کا سجدہ تری گلی میں
اللہ اور نبی کی ہے راہ یاں سے ملتی
بطحا تری گلی میں طیبہ تری گلی میں

٭ برادر فاروق یار جنگ ، بابا گنج شکرؒ کی اولاد ہیں ۔

نقشبندیہ ۔ دنیا کو معلوم ہے کہ ترکستان اور افغانستان میں تورج و افرا سیاب کی نسل کی خونخوار قومیں آباد ہیں ۔ چنگیز و ہلاکو خاں کی یادگار مقیم ہے ۔ خون کے دریا بہانا ان کا معمولی کام ہے ۔ سروں کا مینار لگانا ان کا ایک تماشا ہے ۔ ان جنگجو اقوام کی اصلاح کے لئے اسی سرزمین سے خدائے تعالیٰ خاندانِ نبوت میں سے ایک پاک روح کو پیدا کرتا ہے یعنی خواجہ بزرگ بہاء الدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو جو ان شورہ پشتوں کی پشت پر تقویٰ کی زین کستا ہے ۔ منہ میں خاردار خشیت اللہ کی لگام دیتا ہے ۔ ہمت کے چابک سوار کو ان پر متمکن کرتا ہے ۔ اور دوامِ حضور کے میدان میں ریاضت کے ایسے کاوے دیتا ہے کہ وہ نہایت قدم بار سبک رفتار ہوجاتے ہیں ۔ دستِ باکرامت سے شریعت کے پیالے میں طریقت کا آبِ حیات لبالب کردیتا ہے ۔ پھر ان کو کوہ و وادی میں سرپٹ دوڑاتا ہے ۔ ندی نالہ کداتا ہے ۔ اور ایک قطرہ تک زمین پر گرنے نہیں پاتا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اکبریہ ۔ اندلس میں فلسفہ طبعیات وغیرہ فنونِ حکمت کا زور ہے ۔ ابن رشد ، ارسطو کی کرسی پر جائے گزیں ہے ۔ یورپ ، ایشیاء ، افریقہ سے لوگ آتے ہیں اور ابن رشد کے فیضِ تربیت سے سیراب ہوکر جاتے ہیں ۔ وہیں اور اسی وقت خدائے تعالیٰ حضرت ابن عربی کو پیدا کرتا ہے جو فلسفہ الٰہیہ اور حکمتِ روحانیہ کا دریا بہادیتے ہیں ۔ موجودہ زمانہ میں ابن رشد کا فلسفہ تقویم پارینہ کا حکم رکھتا ہے مگر حضرت ابن عربی کا تصوف جوں کا توں ہے ۔ چاردانگِ عالم پر اس کا قبضہ ہے ۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی ، حاتم طائی کی اولاد سے ہیں ۔ کسی چیز کو چھپا نہیں رکھتے ۔ سخاوت ان کے خاندان کا سبق ہے ۔ ایک دفعہ حاتم کا اس کے دشمن سے مقابلہ ہوا ۔ دشمن نے کہا حاتم ! لوگ کہتے ہیں تو بڑا سخی ہے تو اپنی تلوار مجھے دے دے ۔ حاتم دے دیتا ہے ۔ دشمن شریف ہے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے ۔ معرکہ رزم بزم انس سے مبدل ہوجاتا ہے ۔ بعینہ یہی حال حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا ہے ۔ ان کی کتابوں کے سلح خانہ سے دوستوں کو تلواریں ملتی ہیں ۔ دشمن کو خنجر جس سے وہ خود کشی کرلیتے ہیں ۔ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین ! کا مصداق ہے ۔ آپ کو کوئی حاتم فص معارف الٰہیہ سمجھتا ہے ۔ کوئی اس کے برعکس ۔ مگر شیخ کو نہ ان کی پروا ہے نہ ان کی ۔ و انہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔

مسجد میں رہو تو تم کو میں مانتا ہوں ÷ مندر میں چھپو تو تم کو میں جانتا ہوں
جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پروا ÷ اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں (حسرت صدیقیؒ)

تو ہم ہے تو ہم ہے نہ قلت ہے نہ کثرت ہے ÷ نہ سمجھیں یہ تو حیرت ہے جو سمجھیں یہ تو حیرت ہے
طلب محبوب کی لازم اور اس کو دردِ مجبوری ÷ خیالِ فرقتِ محبوب ہی پھر وجہِ فرقت ہے
جسے دیکھو ہے دلدادہ جمال و حسن لیلیٰ کا
مگر ناداں کوئی اور کوئی دانائے حقیقت ہے (حسرت صدیقیؒ)

شاذلیہ ۔ تاریخ داں واقف ہیں کہ کاہنانِ مصر و ساحرانِ الجیریا مشہور و معروف ہیں ۔ ستارہ پرستی و ارواحِ نجوم سے کام نکالتے ہیں ۔ کیاکیا دقتیں اٹھاتے ہیں ، ہر ستارہ کی تسخیر کے لئے ۔ اس سے ہر طرح کی مناسبت پیدا کی جاتی ہے ۔ لباس میں ، بخور میں ، پھول میں ، غذا میں ، جواہر میں ، معدنیات میں ، رنگ میں ، اقلیم میں ، مکان میں اس دھات کا بت بناکر جو اس ستارہ سے متعلق ہے وہم پکاتے ہیں سب سے زیادہ زمانہ اور ساعت دیکھ کر کتنے سال خوشامد کی جاتی ہے ۔ کفریات کہے جاتے ہیں تب کہیں کسی روح کوکب سے مناسبت پیدا ہوتی ہے ۔ مثلاً تسخیرِ شمس کے لئے قمر ، زہرہ ، عطارد سے اجازت لے ۔ ترکستان کا ملک ہو ، یکشنبہ سے ایک ہفتہ تک روزہ رکھے ، چاول غذا میں ، ترنج میووں میں ، بزغالہ کے دل کا گوشت خود کھائے اور شیر و پلنگ کو کھلائے گھوڑے کی قربانی دے ، شمس ، برجِ حمل کے پہلے دقیقہ میں ہو ، طالع ، افق شرق میں اسد ہو ، ریشمی سنہرے رنگ کے کپڑے ہوں ، قیمتی یاقوت کی انگشتری ہو ، سر پر طلائی تاج ہو ، عود و عنبر و مشک جلائے اور ان کا عطر لگائے ۔ آفتاب کی طرف سجدے میں گرکر (ایک مخصوص) عزیمت یا منتر پڑھے ۔ (استغفر اللّٰہ ، لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ) ۔

خدائے تعالیٰ اسی سرزمین پر خاندان حَسَنیہ سے ایک عظیم الشان شخص کو پیدا کرتا ہے ۔ یعنی سیدی ابوالحسن علی شاذلی رحمۃ اللّٰہ علیہ کو جو خدا کے سوائے کسی کے آگے سرِ نیاز نہیں جھکاتا ، عاجزی کرتا ہے تو خدا سے ، مانگتا ہے تو خدا سے ، ستارے اس کے مسخر ہیں ، جن و انس اس کے فرمانبردار ، عالمین اس کے مطیع ہیں اور وہ رب العالمین کا مطیع و فرمانبردار ہے ۔ یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ یاعلی یا عظیم .... نسئلک العصمۃ فی الحرکات والسکنات والکلمات والا رادات والخطرات من الظنون والشکوک والاوہام الساترۃ للقلوب عن مطالعۃ الغیوب .... فثبتنا وانصرنا و سخرلنا ھٰذا البحر کماسخرت البحرَ لموسیٰؑ وسخرت النار لا براھیمؑ وسخرت الجبال والحدید لداودؑ وسخرت الریح والشیاطین (و الجن و الانس) لسلیمانؑ .... وسخرلنا کل بحر ھولک فی الارض والسماء والملک والملکوت و بحر الاخرۃ و سخرلنا کل شیء یا من بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون ۔ (حزب البحر) ۔

دیتا ہی چلا جاؤں ہر شخص کو جو مانگے
تو اپنے خزانے سے یارب مجھے اتنا دے (حسرت صدیقی)

الرفاعیہ ۔ سرزمینِ عراق میں ، زمانہ خلافتِ عباسیہ میں دولت دودھ کی طرح اُبلتی ہے ۔ الف لیلیٰ کی کہانیوں سے ایک عام غفلت و عیش پرستی کا ضرور پتہ چلتا ہے ۔ مجاز پرست حقیقت کو بھول گئے ہیں ۔ صداقت دروغ میں چھپ گئی ہے ۔ اسباب پر سب کی نظر ہے ۔ مسبب کی طرف کسی کا التفات نہیں ۔ قریہ ام عبیدہ میں ایک جگر گوشہ رسول پیدا ہوتا ہے ۔ یعنی سیدی احمد کبیر الرفاعی رضی اللّٰہ عنہ و ارضاہ عنا ۔ جو باطل کو باطل کرکے دکھاتا ہے ۔ اور حق کو حق ثابت کرتا ہے ۔ آتشِ شوق سے جل کر خاکستر ہوجاتا ہے ۔ پھر پانی بن جاتا ہے ۔ بحر نیستی سے ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے ۔ آپ روضۂ اطہر صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں تو دادا کا دستِ پاک عالم شہادت میں نکلتا ہے اور آپ بوسہ دیتے ہیں ۔ اس طریقہ عالیہ میں عملاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اصدق کلمۃ قالتھا العرب " الا کل شیء ماخلا اللّٰہ باطل " یعنی تو ہی ظاہر تو ہی باطن ، تو ہی تو ہے ، تو ہی تو ، میں کہاں ہوں ؟ آپ کے نام لیوا آگ پر چلتے ہیں اور اس کو باطل ثابت کرتے ہیں ۔ تلوار سے گردن کاٹتے ہیں ، چھری پیٹ میں

ہوتکتے ہیں۔ سر میں گرز مارتے ہیں، آنکھ نکال لیتے ہیں، سانپ سے ڈسواتے ہیں، زہر پی لیتے ہیں۔ غرض کہ عملی طور سے مشاہدہ کرادیتے ہیں کہ دنیا تمام خیال ہے۔ حقیقت صرف وجہ ذوالجلال ہے۔

باطل کل ماسواہ فان ÷ وجہ ذی العز و الجلال یدوم
جل سلطانہ فلیس شریک ÷ وهو حق و غیرہ معدوم
کل من فی الوری الیک فقیر ÷ فی جمیع الامور یا قیوم
انت شغلی و انت ذکری و فکری ÷ و اختیاری و خیرتی یا کریم (حضرت صدیقؒ)

قادریہ ۔ بغداد زمانہ عباسیہ میں دار الخلافہ تھا۔ اور تمام عالم اسلام کا مرجع۔ دنیا اپنے جوبن پر تھی اور دین اپنے معراج کمال پر۔ اقطاع عالم سے علماء عاملین، اولیاء کاملین زینت افزائے دار الخلافہ بغداد ہوگئے ہیں۔ حکماء محققین و عرفاء مدققین اس میں جلوہ فگن سلاطین و امراء رونق بخش ہیں اور نجباء شرفاء مجتمع۔ ایسے زمانہ سعید میں مرج البحرین حسنین سے درۃ التاج اور بوستان نبوت سے گل سرسبد پیدا ہوتا ہے جو دفع قبض احوال کے لئے غنچۂ گل ہے۔ وحشت زدگان محبت کے لئے گلقند، اور متورمین کبر و عجب کے لئے روغن گل، اہل شریعت کے لئے عرق گل۔ اہل طریقت کے لئے عطر گل۔ اہل حقیقت کے لئے روح گل۔ عاشقوں کے لئے طرہ دستار۔ محبوبوں کے لئے پھولوں کا ہار، اہلِ فنا کے لئے چادرِ گل، اہل بقا کی شیرینی احوال کے لئے شربت گلاب توجہ، مگر یہ ہیں کون ؟

سلطان العارفین، تاج المحققین، حجۃ العاشقین، نقیب المحبوبین، امام المتقین، صفوۃ العابدین، قاضی القضاۃ، سید السادات قطب الاقطاب، فرد الاحباب، سیدی و سندی ابو محمد محی الدین عبدالقادر الجیلانی، الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا۔

سلطان الاولیاء، الغوث الاعظم، البازی الاشہب، سلطان محی الدین سیف اللہ پیر دستگیر پیران پیر حضرت کے القاب ہیں۔ آپ کا نسب پدری حسبِ ذیل ہے۔

سیدی عبدالقادر بن ابی صالح بن ابی عبداللہ بن یحیٰی الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الامام الحسن المثنیٰ بن الامام ابی محمد الحسن المجتبیٰ بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

آپ کا نسب مادری حسبِ ذیل ہے۔

سیدی عبدالقادر ابن امۃ الخیر امۃ الجبار فاطمہ بنت سید عبداللہ الصومعی بن سید محمد بن سید محمود بن سید ابی العطا عبداللہ بن سید عیسیٰ بن الامام محمد الجواد بن الامام علی رضا بن الامام موسیٰ الکاظم بن الامام جعفر الصادق بن الامام محمد الباقر بن الامام زین العابدین علی ابن الامام ابی عبداللہ الحسین بن الامام علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

جیل یا جیلان یا گیل یا گیلان ایک گاؤں ہے طبرستان کے پاس۔ ۳۰/ شعبان المعظم ۴۷۰ ہجری میں جس کی تاریخ باعتبار جمل کے "عشق" اور بعض کے پاس ۴۷۱ ہجری میں جس کی تاریخ باعتبار جمل "عاشق ۴۷۰ - ۴۷۱" تخت وجود پر جلوہ گر ہوئے۔

بغداد شریف میں مدرسہ شیخ ابو سعید مبارک بن علی المخزومی جس کے آپ متولی تھے۔ ۱۷/ ربیع الثانی ۵۶۲ ہجری کو تاریخ "معشوق الہٰی" اور بعض کے پاس ۵۶۱ کو مادہ تاریخ "کمال عشق" رہ گزرِ عالم بقا ہوئے۔